

سلسلۂ نصابات علمیہ جامعۂ عثمانیہ

تاریخ دکن

(عہد حالیہ)

تالیف

ڈاکٹر یوسف حسین خان صاحب
بی۔اے۔ ڈی۔لٹ (پیرس)
رکن شعبۂ تاریخ جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی

سنہ ۱۳۶۳ھ م سنہ ۱۳۵۳ف م سنہ ۱۹۴۴ء

دارالطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن





فہرست مضامین

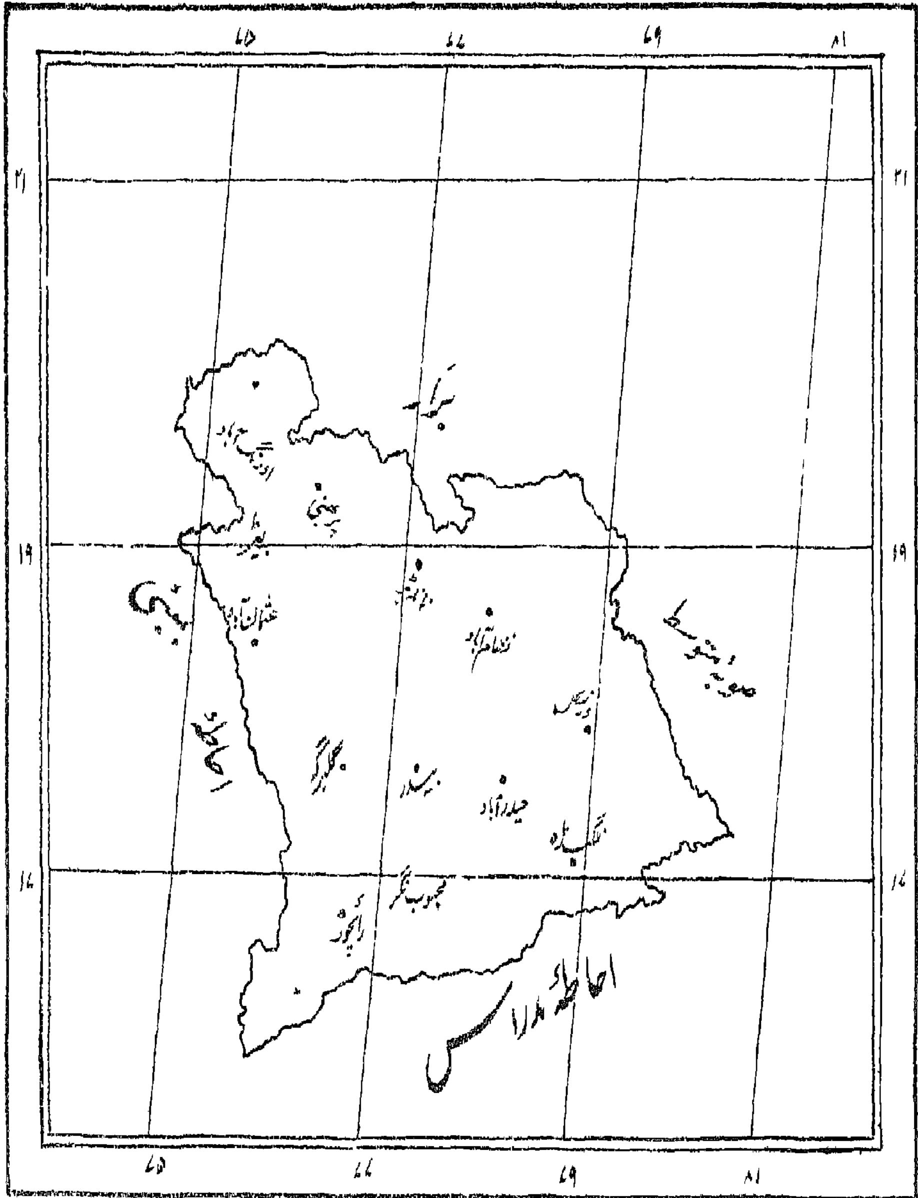
تاریخ دکن (عہد حالیہ)



مملکتِ حیدرآباد

عہدِ آصفجاہ اول میں (سنہ ۱۷۲۴ء تا ۱۷۴۸ء)

موجودہ مملکت حیدرآباد



پیمانہ انگریزی میل

۰ ۳۲ ۶۴ ۹۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ دکن

(عہد حالیہ)

پہلا باب

نواب نظام الملک آصفجاہ اول اور ان کے خاندان کا دکن سے تعلق

حضرت نظام الملک آصفجاہ اول کا سلسلۂ نسب خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے آبا و اجداد میں نامی گرامی علما و صلحا ہر زمانے میں گزرے ہیں جن میں شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ نواب نظام الملک آصفجاہ اول کے دادا خواجہ میر عابد سمرقند کے قریب علی آباد میں پیدا ہوئے۔ علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد بخارا میں عہدۂ قضا پر مامور ہوئے اور پھر شیخ الاسلام کے معزز عہدے پر سرفراز کیے گئے۔ خواجہ میر عابد شاہ جہاں کے عہد حکومت میں ۱۶۵۵ء میں بخارا سے ہندوستان آئے تا کہ یہاں سے

حج بیت اللہ کے لئے جائیں۔ بادشاہ سے ملے تو وہ ان سے بہت متاثر ہوا اور انھیں خلعت خاص عطا کیا اور شاہی ملازمت میں شریک ہونے کی خواہش کی۔ خواجہ میر عابد نے آمادگی ظاہر کی تو انھیں شہزادہ اورنگ زیب کی پیشی میں مقرر کر دیا گیا جو اس زمانے میں دکن کا صوبہ دار تھا۔ اس طرح پہلی مرتبہ خاندان آصف جاہی کا تعلق دکن سے قائم ہوا۔

۱۶۵۷ء میں شاہ جہاں کے بیٹوں میں جانشینی کا جھگڑا شروع ہوا۔ اورنگ زیب برہان پور سے شمال کی طرف بڑھا تو خواجہ عابد اس کے رفقا میں شریک تھے۔ اجین کے قریب دارا شکوہ کے حامی راجا جسونت سنگھ سے جو مقابلہ ہوا اس میں خواجہ عابد نے بڑی بہادری اور کارگزاری دکھائی۔ جنگ میں اورنگ زیب کو کامیابی ہوئی۔ خواجہ عابد کو چار ہزار ذات کا منصب عطا ہوا[1]۔ ۱۶۵۸ء میں دارا شکوہ اور اورنگ زیب کے درمیان سموگڑھ کے مقام پر جو فیصلہ کن لڑائی ہوئی اس میں بھی خواجہ عابد کے کارہائے نمایاں کی بدولت اورنگ زیب کو ان پر بیحد اعتماد قایم ہو گیا۔ اس معرکے کے بعد اورنگ زیب نے اپنے بھائیوں کا استیصال کر کے باپ کو قید کر دیا اور خود تخت و تاج کا مالک بنا۔ اس نے خواجہ عابد کو صدر کل کے معزز عہدے پر مقرر کیا۔ انھوں نے اس اہم عہدے کے فرایض کو چھ سال تک نہایت کامیابی سے پورا کیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے انھیں اجمیر اور پھر ملتان کی صوبہ داری پر مامور کر دیا۔

اس زمانے میں ہندوستان سے ہر سال حج کے لئے جو قافلہ جایا کرتا تھا اس کے لئے میر حج خود بادشاہ مقرر کرتا تھا جو شاہی تحایف مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ لے جاتا تھا۔ بالعموم اس خدمت پر نہایت باافتدار امرا میں سے کسی کو بھیجا جاتا تھا جس کا تقوی مسلم ہوتا تھا۔ چنانچہ ۱۶۷۶ء میں اورنگ زیب نے خواجہ عابد کو اس خدمت پر مقرر کیا۔ حج سے واپسی پر جب خواجہ عابد سورت پہنچے

[1] عالمگیر نامہ، ص ۲۳

تو بادشاہ نے ان کے فرزند نواب میر شہاب الدین خاں (غازی الدین خاں فیروز جنگ) کے ہاتھ انھیں تحایف بھجوائے اور غائبانہ نواب قلیچ خاں کے خطاب سے سرفراز کیا۔

۱۶۷۹ء میں جب اورنگ زیب راجپوتانے کی مہم پر روانہ ہوا تو نواب قلیچ خاں (خواجہ عابد) کو شہزادۂ شاہ عالم کے ساتھ شہزادۂ محمد اکبر کے تعاقب کے لیے مقرر کیا جسے اودے پور کے راجہ نے بہکا کر باپ سے باغی کر دیا تھا لیکن محمد اکبر بھاگ کر سمندر کے راستے سے ایران چلا گیا۔ راجپوتانے کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد جب اورنگ زیب نے بیجاپور کی طرف کوچ کیا تو نواب قلیچ خاں کو دوبارہ صدر کل کے معزز عہدے پر فایز کر دیا۔ ایک سال بعد بادشاہ کے حکم سے نواب قلیچ خاں کو شہزادۂ اعظم کی پیشی میں دکن آنا پڑا اور انھیں خلعت خاص اور اسپ و نقارے کا اعزاز عطا کیا گیا۔ اس کے بعد کچھ عرصے کے لیے بادشاہ نے نواب قلیچ خاں کو بیدر کا حاکم مقرر کر دیا۔ جب اورنگ زیب خود بیجاپور کی تسخیر کے لیے بڑھا تو نواب قلیچ خاں شولاپور کے قریب سلام کو حاضر ہوئے نواب قلیچ خاں نے بیجاپور کے محاصرے میں حسن قابلیت اور کارگزاری کا ثبوت دیا اس کے صلے میں بادشاہ نے انھیں انعام واکرام سے سرفراز کیا[1]۔

۱۶۸۷ء میں گولکنڈے کے محاصرے میں نواب قلیچ خاں گولے سے سخت زخمی ہوئے ایک ہاتھ بالکل اڑ گیا لیکن باوجود اس کاری زخم کے بلا کسی اضطراب کے اظہار کے وہ اپنے گھوڑے پر سوار خیمے کو واپس ہوئے۔ مآثر عالمگیری میں لکھا ہے کہ جس وقت جراح لوگ ان کے زخم میں سے ہڈی اور گولے کی کرچیں چن چن کر نکال رہے تھے تو وہ اطمینان سے جراحوں سے باتیں کر رہے تھے اور دوسرے ہاتھ سے قہوہ پی رہے تھے۔ تین روز بیمار رہ کر نواب قلیچ خاں نے داعی اجل کو لبیک کہا[2]۔ اورنگ زیب کو ان کے انتقال سے سخت صدمہ ہوا۔ موضع عطاپور میں جو حمایت ساگر کے قریب واقع ہے ان کی تدفین ہوئی۔ آج تک صرف خاص مبارک

---

[1] - مآثر عالمگیری صفحہ ۲۸۰ ۔

[2] - ،، ،، صفحہ ۲۸۹ ۔

کی طرف سے ان کا سالانہ عرس کیا جاتا ہے۔

نواب قلیچ خان زبردست عالم ہونے کے ساتھ مرد میدان بھی تھے۔ وہ اس مرتبہ کے شخص گزرے ہیں کہ شمشیر و قلم دونوں اُن پر ناز کر سکتے ہیں سپاہ گری اور نظم امور مملکت میں اُن کا پایہ بہت بلند تھا۔ علم و فضل کے ساتھ ساتھ اُن کے تقوے اور پرہیزگاری کی شہرت تھی چنانچہ تورانی سپاہ اُن سے خاص عقیدت رکھتی تھی۔ یہ اُن کی نیک نیتی کا پھل ہے کہ وہ جس سرزمین پر پیوند خاک ہوئے اس پر ڈھائی سو سال گزرنے کے بعد بھی انہیں کا خاندان برسر اقتدار ہے۔

نواب قلیچ خان کے سب سے بڑے فرزند نواب میر شہاب الدین خان اپنے باپ کے ہندوستان چلے آنے کے بعد سبحان قلی خان والی سمرقند کے ہاں اعلیٰ عہدے پر ممتاز تھے۔ والد کے طلب کرنے پر وہ سنہ ۱۶۶۹ء میں ہندوستان وارد ہوئے اور ملازمت شاہی میں باریاب ہوئے۔ اورنگ زیب کی مردم شناس آنکھ نے نوجوان تورانی کے ذاتی جوہر کو پہلی نظر میں بھانپ لیا۔ منصب سہ صدی سے سرفراز ہوئے بادشاہ کے ایما پر ان کی شادی شاہجہاں کے مشہور وزیر سعد اللہ خان کی صاحبزادی صفیہ خانم سے کر دی گئی جن کے بطن سے مغفرت مآب نواب نظام الملک آصف جاہ اول ۱۱ اگست ۱۶۷۱ء کو تولد ہوئے۔ خود اورنگ زیب نے اُن کا نام میر قمر الدین رکھا۔ پیدائش کی تاریخ "نیک بخت" سے نکلتی ہے (۱۰۸۲ ہجری)۔

نواب میر شہاب الدین خان کی بہادری اور قابلیت کے جوہر پہلی مرتبہ راجپوتانے کی مہم میں نمایاں ہوئے۔ عالمگیری امیر حسن علی خان راجپوتانے کے لق و دق ریگستان میں کئی روز سے لاپتا تھے۔ رانا اودے پور کی فوج کے تعاقب میں نہ معلوم کدھر سے کدھر نکل گئے۔ جب کئی روز تک کوئی خبر نہ ملی تو اورنگ زیب کو تردد ہوا۔ آدھی رات کو نواب میر شہاب الدین خان کو پتا لگانے کا حکم دیا۔ نوجوان تورانی راجپوتانے کے ریگستانی علاقوں اور کوہستانوں سے مطلق بیگانہ اپنے خدا اور اس کے بعد اپنی ذات پر بھروسا کر کے راتوں رات نکل کھڑا ہوا۔ دو ہی دن میں حسن علی خان کا پتا لگا لیا اور ان کی

عرضداشت لیکر حضور شاہی میں حاضر ہوگئے۔ نواب میر شہاب الدین خاں کی سعی و کاوش کی بدولت حسن علی خاں کے تحت جو شاہی فوج تھی وہ بچ گئی ورنہ راٹھور گھیر کر ختم کر دیتے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا منصب میں دو صد کا اضافہ، خطاب خانی اور فیل و کمان و ترکش تحفتہً مرحمت فرمایا۔ اس کے بعد بادشاہ نے انھیں شہزادہ اعظم کے ساتھ جنڑ رام سیج اور کوکن کی مہموں پر روانہ کیا۔ ان میں انھوں نے مردانگی اور جرأت دکھائی اور صلے میں نواب غازی الدین خاں کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ اس کے سال بھر بعد نواب غازی الدین خاں نے مرہٹوں کے زبردست مرکز قلعۂ راہیری کی تسخیر میں نمایاں حصہ لیا اور کئی مرہٹہ سرداروں کو گرفتار کیا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر نواب غازی الدین خاں کے خطاب کے ساتھ نواب فیروز جنگ کے خطاب کا مزید اضافہ کیا اور ماہی مراتب کا اعزاز بخشا۔

اورنگ زیب نے مارچ ۱۶۸۵ء میں بیجاپور کے محاصرے کیلئے شہزادہ محمد اعظم کو روانہ کیا تھا۔ محاصرے نے بہت طول کھینچا۔ رسد کے سب راستے سنبھاجی کی مرہٹہ فوج نے چاروں طرف سے بند کر دیئے تھے شہزادے کے لشکر کو فاقوں کا سامنا تھا۔ سپاہ میں ایسی حالت میں بددلی پھیلنا لازمی ہوتا ہے۔ جب نہ کھانے کو ملے اور نہ کامیابی ہی ہو تو اچھی سے اچھی فوج کے پاؤں اکھڑنے لگتے ہیں۔ بعض افسروں اور امیروں کی رائے ہوئی کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے لیکن شہزادے کی حوصلہ مندی میں کمی نہ آئی۔ وہ افسروں کے اس مشورے پر عمل کرنے کو آمادہ نہ تھا۔ شہزادۂ محمد اعظم کی محل خاص جانی بیگم کو جب معلوم ہوا کہ سپاہ اور افسروں کی بددلی بڑھتی جا رہی ہے تو وہ اپنے ہاتھی پر سوار ہو تیز روی کرتی ہوئی لشکر میں آئیں اور تسلی دلاسا دیکر ہمت بندھائی۔ اُن کے اس پُر حوصلہ طرز عمل سے ٹوٹی ہوئی ہمتیں بندھیں اور گرتے ہوئے حوصلے سنبھلے۔ اسی اثناء میں بادشاہ کو جب ان حالات کی اطلاع ہوئی تو اُس نے نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کی سرکردگی میں پندرہ ہزار بیلوں پر غلہ لدوا کر بیجاپور کا محاصرہ کرنے والی فوج کے لئے بھجوایا۔ نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کے ساتھ تھوڑی سی فوج بھی کر دی کہ اگر راستے میں کہیں مزاحمت ہو تو مقابلہ

کیا جا سکے۔ نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ راستے میں تھے کہ انھیں اطلاع ملی کہ پاریا نائک زمیندار نے چھ ہزار مسلح پیادوں کے ساتھ محصورین کے لئے رسد بھیجی ہے وہ راستے میں جا رہے ہیں چنانچہ اُن پیادوں پر اچانک حملہ کر کے انہوں نے سب رسد چھین لی اور آگے بڑھے۔ بیجاپور سے سولہ کوس پر پرگنہ اننددی پہنچے تھے کہ بیجاپور کے بعض سرداروں نے مرہٹوں سے مل کر جو شہزادہ محمد اعظم کے لشکر کو تھوڑی دور پر گھیرے ہوئے تھے نواب فیروز جنگ کا راستہ روکا۔ نواب فیروز جنگ کے پاس اگرچہ فوج کم تھی لیکن انھوں نے اور اُن کے ساتھیوں نے ایسی مردانگی سے دشمن کا مقابلہ کیا کہ وہ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا اور نواب فیروز جنگ نے سامان رسد شاہی فوج کو پہنچا دیا۔ شہزادہ محمد اعظم اپنے افسروں اور سپاہ کی بددلی سے سخت پریشان تھا۔ نواب فیروز جنگ کے پہنچنے سے اُس کی جان میں جان آئی جب نواب فیروز جنگ شاہی لشکر میں پہنچے تو شہزادے نے خوشی کے مارے انھیں سینے سے لگا لیا اور طرح طرح کی نوازشوں سے سرفراز کیا۔ جب عالمگیر کو وقایع نویسوں سے پوری کیفیت ملی تو وہ بیحد مسرور ہوا اور ان الفاظ میں اس کی زبان سے دعائیہ کلمات نکلے:۔

"جس طرح خداوند عزوجل نے خاندان تیموریہ کی عزت و آبرو کو فیروز جنگ کی سعی و کوشش سے قایم رکھا اسی طرح اس کی اور اس کے خاندان کی عزت برقرار رہے"۔[1]

کچھ دنوں بعد اورنگ زیب خود بہ نفس نفیس محاصرۂ بیجاپور میں آکر شریک ہو گیا قلعے کی تسخیر کا نقشہ نواب فیروز جنگ نے تیار کیا جسے بادشاہ نے پسند کیا۔ اسی پر عمل ہوا اور بیجاپور فتح ہوا۔ اس موقع پر اورنگ زیب نے نواب فیروز جنگ کو "فرزند ارجمند" کے لقب سے سرفراز کیا اور وقایع نویس کو حکم دیا کہ بیجاپور کی فتح کو نواب فیروز جنگ کے نام لکھے۔ اس نے اپنے قلم سے سیاہے میں یہ فقرہ درج کر دیا: "قلعۂ بیجاپور بدستیاری فرزند لے رکیو ورنگ غازی الدین خاں

۱۔ منتخب اللباب جلد ۲ صفحہ ۳۱۱ (خافی خاں)۔

فیروز جنگ مفتوح شد۔ [1]

بیجاپور کی فتح سے فراغت پانے کے بعد عالمگیری افواج نے گولکنڈے کا رخ کیا۔ راستے میں بادشاہ نے نواب فیروز جنگ کو ادوگیر کا قلعہ تسخیر کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔ چنانچہ فتح کے بعد ادوگیر کا نام فیروز گڑھ رکھا گیا۔ اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد نواب فیروز جنگ شاہی فوج کے گولکنڈے پہنچنے سے قبل ہی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ بادشاہ نے انھیں شہزادہ محمد اعظم کے ہراول میں ۲۵ ہزار سواروں کے ساتھ مقرر کر دیا۔ گولکنڈے کے محاصرے میں نواب فیروز جنگ نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ قلعہ فتح ہونے کے بعد انھیں ہفت ہزاری ذات اور ہفت ہزاری سوار کا منصب عطا ہوا۔

بیجاپور اور گولکنڈے کے فتح ہو جانے کے بعد اورنگ زیب مرہٹوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اُن کے مشہور قلعوں کو ایک ایک کر کے اُس نے فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ ذوالفقار خاں کو کوکن کی طرف بھیجا۔ نواب فیروز جنگ کو مشہور مرہٹہ سردار سنتاجی کے استیصال کے لئے مامور کیا۔ سنتاجی کا تعاقب جاری تھا کہ نواب فیروز جنگ کو اطلاع ملی کہ کسی مرہٹہ سردار نے جس سے اس کی دشمنی تھی سنتاجی کو قتل کر دیا۔ اس مہم میں نواب فیروز جنگ مرض طاعون میں مبتلا ہو گئے جو بیجاپور کے نواح میں پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ اس عارضے میں بالکل نابینا ہو گئے۔ جب اورنگ زیب کو ان کی معذوری کی اطلاع ہوئی تو انھیں اپنے ایک رقعے میں لکھا۔ "میں خود تمھاری عیادت کو آتا مگر تمھیں دیکھ کر مجھے تاب نہیں رہے گی۔ اس واسطے اپنی طرف سے عمدۃ الملک اسد خاں کو عیادت کے لئے بھیجتا ہوں کہ وہ میری آنکھوں سے تمھیں دیکھیں اور میرا مافی الضمیر ظاہر کریں۔ اس وقت فصل کے پھلوں میں انگور کے سوا اور کوئی میوہ دستیاب نہیں ہوا مگر انگوروں کو طبیب تمھارے لئے مضر بتاتے ہیں اس لئے میں نے اس دفعہ انگور نہیں کھائے۔ جب تم اچھے ہو جاؤ گے تو

---

[1] منتخب اللباب جلد ۲ صفحہ ۳۲۴۔

ہم تم مل کر کھائیں گے"، رقعہ اس شعر پر ختم ہوتا ہے:۔
یا رب این آرزوئے من چہ خوش است ۔ تو بدیں آرزو مرا برسان[1]

باوجود نابینا ہو جانے کے نواب فیروز جنگ جنگی مہموں پر جاتے تھے۔ بادشاہ کو اُن کی سرداری اور سرکردگی پر حسب سابق اعتماد حاصل تھا۔ چنانچہ نیما جی سندھیا کی سرکوبی کے لئے انھیں مالوے میں مامور کیا گیا جس نے نربدا کے کنارے بڑا اودھم مچا رکھا تھا۔ نیما جی نے نواب فیروز جنگ کے تعاقب سے تنگ آکر شاہی ملازمت قبول کر لی۔

اس کے بعد نواب فیروز جنگ کو برار کا صوبہ دار مقرر کر دیا گیا اور اورنگ زیب کی وفات تک وہ اس عہدے پر سرفراز رہے۔ اورنگ زیب کے انتقال پر اس کے بیٹوں میں جانشینی کی جو جنگ ہوئی اس میں انھوں نے مطلق غیر جانبداری کے اصول پر عمل کیا۔ بہادر شاہ نے بادشاہ ہونے پر نواب فیروز جنگ کو گجرات کا صوبہ دار مقرر کیا اور وہیں انھوں نے ۱۷۱۰ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اُن کا جنازہ دہلی لایا گیا اور اجمیری دروازے کے قریب انھیں کی بنائی ہوئی خانقاہ میں انھیں دفن کیا گیا۔

نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ بڑے خوش اخلاق شخص تھے۔ ان کا مسلک صلح کل تھا۔ دربار میں ہر بڑا چھوٹا ان کی عزت کرتا تھا اور دوسرے امراء کے مقابلے میں ان کے مخالف بہت کم تھے۔ اقبال مند ایسے تھے کہ جس مہم پر گئے فیروز مندی ہمرکاب رہی۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ دکن میں گزرا جہاں ان کے بلند اقبال صاحبزادے نے آئندہ حکمرانی کی۔

نواب فیروز جنگ کے صاحبزادے نواب میر قمر الدین (نواب نظام الملک آصف جاہ اول) کی ابتدائی تربیت باپ اور دادا کی نگرانی میں ہوئی تھی۔

---

[1] رقعات عالمگیری صفحہ ۴۹۔

اورنگ زیب نے لڑکپن میں ایک دفعہ انھیں دیکھ کر کہا تھا کہ ان کی پیشانی سے نیک بختی کے آثار ہویدا ہیں۔ بچپن ہی سے طبیعت کا رجحان سیاست اور امور مملکت کی طرف تھا۔ چنانچہ کمسنی کے زمانے میں بھی آپ کو کھیل کود سے رغبت نہ تھی۔ ان کے والد بزرگوار کے پاس انتظامی امور کے متعلق جب لوگ مشورے کے لئے آتے تو آپ چپکے بیٹھے لوگوں کی رائیں سنتے۔ بعض اوقات اسی طرح بیٹھے بیٹھے آدھی رات گزر جاتی۔ جب والد بزرگوار سونے کے لئے کہتے تو مجلس سے اٹھ کر کسی گوشے میں چھپ کر بیٹھ جاتے اور اہل مجلس کی باتیں جو امور مملکت کے متعلق ہوتی تھیں بہ غور سنا کرتے تھے۔ نواب مغفرت مآب کی جوں جوں عمر بڑھتی گئی ان کے اعزاز و مناصب میں ترقی ہوتی گئی۔ ابھی ۱۳ سال کے تھے کہ بادشاہ نے ۴۰۰ ذات اور سوار کا منصب عطا کیا۔ مرہٹوں کے خلاف جن مہموں میں ان کے والد ماجد نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ بھیجے جاتے تو نواب میر قمر الدین خاں بھی ان کے ساتھ رہتے اور عملی تجربہ حاصل کرتے۔ ۱۶۸۸ء میں قلعہ ادھونی کی تسخیر میں انھوں نے جو نمایاں حصہ لیا اس کے صلے میں ۲ ہزار ذات اور ۵۰۰ سوار کا منصب عطا ہوا۔ نواب فیروز جنگ کے نابینا ہو جانے کے بعد اورنگ زیب کی عنایات نواب میر قمر الدین خاں کی طرف اور بڑھ گئیں اور انھیں چین قلیچ خاں کا خطاب اور پنج ہزاری منصب سے سرفراز کیا گیا۔ اس کے بعد کئی دفعہ انھیں مرہٹوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا اور حسن خدمت کے صلے میں اعزاز و منصب میں اضافہ ہوا۔ ۱۷۰۰ء میں اورنگ زیب نے چین قلیچ خاں کو بیجاپور کا فوجدار مقرر کیا۔ دو سال بعد بیجاپور و کرناٹک کے صوبہ دار مقرر ہوئے اور تل۔ کونکن۔ اعظم نگر۔ بلگام اور مدگل کی فوجداری اور ایک کروڑ دام کا انعام بھی عطا ہوا۔ ۱۷۰۵ء میں جب قوم بیڈر نے سرکشی اختیار کی تو چین قلیچ خاں کی سرکردگی میں واکنکھیڑے کا محاصرہ کیا گیا۔ خود اورنگ زیب بھی موقع پر پہنچ گیا اور ذوالفقار خاں کو بھی بلا بھیجا۔ محصورین

نے بڑا سخت مقابلہ کیا اور قلعے کی فصیلوں پر سے خوب گولہ اندازی کی۔ ناگہاں توپ کا ایک گولہ ایسا آیا کہ چین قلیچ خاں کے گھوڑے کا ایک پاؤں اُڑ گیا اور وہ زمین پر گر پڑے۔ اس خبر وحشت اثر کو سن کر بادشاہ نے ایک عربی گھوڑا مع طلائی ساز و سامان کے چین قلیچ خاں کے لئے بھیجا اور بہت کچھ دل نوازی کی۔ بالآخر یہ قلعہ فتح ہوا۔ چین قلیچ خاں کی خدمات کے صلے میں بادشاہ نے انھیں ایک مینا کاری شمشیر اور فیل خاص مرحمت فرمایا۔ اس کے بعد چین قلیچ خاں بعض سرکش زمینداروں کو زیر کرنے کی غرض سے بھیجے گئے جنھوں نے مستحکم قلعوں میں پناہ لے رکھی تھی۔ جب وہ اس مہم سے واپسی پر خدمت شاہی میں حاضر ہوئے تو بادشاہ نے انھیں بیجاپور کی صوبہ داری پر روانہ کر دیا۔

اورنگ زیب کی زندگی کے آخری زمانے میں چین قلیچ خاں بیجاپور کی صوبہ داری پر سرفراز رہے۔ انھوں نے بادشاہ کے مزاج میں خاص دخل حاصل کر لیا تھا۔ اگرچہ یہ زمانہ ان کی نوجوانی کا تھا لیکن بعض نہایت اہم معاملات میں وہ ان سے مشورہ کیا کرتا تھا۔ جب ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کا احمد نگر میں انتقال ہوا اور اس کی لاش کو وصیت کے مطابق خلد آباد لائے تو چین قلیچ خاں خلد آباد پہنچ چکے تھے جہاں انھوں نے اپنے آقا کو سپرد خاک کرنے میں حصہ لیا۔

اورنگ زیب کے انتقال پر اس کے بیٹوں میں جو خانہ جنگی ہوئی اس میں چین قلیچ خاں اپنے والد ماجد نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کی طرح بالکل غیر جانبدار رہے۔ اعظم اور معظم میں آگرے کے قریب لڑائی ہوئی جس میں اعظم مارا گیا۔ معظم بہادر شاہ اول کے لقب سے تخت و تاج کا مالک بنا۔ چین قلیچ خاں دہلی پہنچ کر بہادر شاہ کی ملازمت میں باریاب ہوئے۔ اس نے انھیں خان دوراں کا خطاب عطا کیا اور شاہی مراتب سے سرفراز کر کے اودھ کی صوبہ داری اور لکھنؤ کی فوجداری سپرد کی۔ لیکن نئے دربار کا رنگ ڈھنگ نیا تھا۔ سرکاری ملازمت میں بھلا یہ

کیسے ممکن تھا کہ اہل دربار سے واسطہ نہ پڑے چین قلیچ خاں اورنگ زیب کی آنکھیں دیکھے ہوئے تھے۔ نئے امیروں کے نئے طریقوں کو ناپسند کرتے تھے۔ اودھ کی صوبہ داری سے دست بردار ہو کر دہلی میں خانہ نشینی اختیار کر لی۔ لباس درویشی زیب تن کر کے دنیا سے قطع تعلق کر لیا۔ بہادر شاہ نے ہر چند کوشش کی کہ وہ کوئی اعلیٰ عہدہ اپنے حسب منشاء قبول کر لیں لیکن انھوں نے انکار کیا۔ لیکن بہادر شاہ کے انتقال کے بعد فرخ سیر کے عہد حکومت میں انھوں نے ملازمت شاہی قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ فرخ سیر نے انھیں ہفت ہزاری منصب اور نظام الملک فتح جنگ کے خطاب سے سرفراز کیا اور دکن کی صوبہ داری پر متقرر کر دیا۔ دکن کی صوبہ داری پر ان سے پہلے ذوالفقار خاں مامور تھا جس کی طرف سے داؤد خاں پنی بطور نائب اورنگ آباد میں رہا کرتا تھا۔ اس زمانے میں فرخ سیر کے وزیر عبداللہ خاں قطب الملک اور نواب نظام الملک میں موافقت تھی لیکن کچھ عرصے بعد بگاڑ کی صورت پیدا ہو گئی۔

ذوالفقار خاں کی صوبہ داری کے زمانے میں دکن میں مرہٹوں کا بہت عمل دخل بڑھ گیا تھا۔ ذوالفقار خاں نے سمبھاجی کے بیٹے راجا ساہو سے ایک معاہدہ کر لیا تھا جس کی رو سے مرہٹوں کو دکن میں چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرنے کا حق حاصل ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس کے نائب داؤد خاں پنی نے مرہٹوں سے یہ طے کر لیا تھا کہ چوتھ اور سردیش مکھی کی رقم وہ خود وصول کر کے راجا ساہو کے وکیل کے حوالے کر دیا کرے گا لیکن یہ انتظام بہت دنوں تک نہیں چل سکا۔ مرہٹوں نے اپنے گماشتے دکن کے ہر ضلع اور گاؤں میں متقرر کر دیئے اور براہ راست چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرنے لگے۔ اس سے دکن کے انتظام میں بڑا خلل پیدا ہو گیا۔ داؤد خاں پنی خود کوئی بااصول شخص نہ تھا۔ اس کے عاملوں نے مرہٹہ گماشتوں سے مل کر رعایا کا خون چوسنا شروع کیا اور دکن میں ہر طرف زیادہ ستانی کا بازار گرم ہو گیا۔

نواب نظام الملک نے دکن پہنچتے ہی مالگذاری کی جدید تنظیم شروع کردی مرہٹہ گماشتوں کو برطرف کرکے اپنے عاملوں کو ہدایت کی کہ وہ کسی قسم کا ظلم و تعدی رعایا پر روا نہ رکھیں۔ ذوالفقار خاں نے راجا ساہو سے جو معاہدہ کیا تھا اسے انھوں نے تسلیم کرنے سے انکار کیا[1]۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو مرہٹوں کی متوازی حکومت دکن میں قایم ہو جاتی۔ نواب نظام الملک بڑے صاحب تدبیر شخص تھے۔ انھوں نے مرہٹوں کے باہمی اختلافات سے پورا فایدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ راجہ ساہو اور تارا بائی میں عرصے سے اختلاف چلا آرہا تھا۔ بالاجی وشوناتھ نے راجا ساہو پر بڑا اثر قائم کرلیا تھا۔ سناپتی چندرسین جادو بالاجی سے جلتا تھا۔ نواب نظام الملک نے چندرسین جادو سے مراسلت شروع کردی اور اس کو اپنے موافق کرلیا اور اس کو بھالکی کے نواح میں ۲۵ لاکھ کی جاگیر عطا کی۔ اس کے ذریعے سے نواب نظام الملک نے کولہاپور کے سنبھاجی سے تعلقات قایم کرنے کی کوشش کی کیونکہ اس میں اور راجا ساہو میں سخت اختلاف تھا۔ اس طرح انھوں نے راجا ساہو کے اثر کو توڑنے کی کوشش کی۔

۱۷۲۰ء میں سیدک کے قریب بعض مرہٹہ زمینداروں نے سرکشی اختیار کی تو نواب نظام الملک نے محمد غیاث خاں کو روانہ کیا جس نے شورش کو فرو کردیا۔ اصلی بات یہ تھی کہ داؤد خاں پنی کے زمانے میں ان زمینداروں کو مختلف محصولات میں ان کا حصہ ملتا تھا۔ اب جب سے نواب نظام الملک کا عمل دخل شروع ہوا حصہ ملنا بند ہوگیا۔ نواب نظام الملک نے اپنی پہلی دکن کی صوبہ داری کے قلیل زمانے میں دیہات کا دورہ شروع کیا تاکہ رعایا کی حقیقی حالت کا پتا چلے۔ انھوں نے بڑی حد تک دکن کی بدنظمی کو دور کرکے اپنی تدبیر اور حسن انتظام سے مرہٹوں کا بے دخل کردیا۔

---

[1] منتخب اللباب جلد ۲ صفحہ ۷۴۳۔

قطب الملک اور اس کے چھوٹے بھائی امیر الامرا حسین علیخاں کو فکر ہوئی کہ کہیں نواب نظام الملک کا اثر دکن میں بہت زیادہ نہ قائم ہو جائے۔ کہ بعد میں انھیں وہاں سے ہٹانا مشکل ہو جائے۔ دکن میں ان کے بڑھتے ہوئے اثر کو حسد کی نظر سے دیکھا گیا۔ چنانچہ پادشاہ فرخ سیر کو قطب الملک نے اس پر آمادہ کر لیا کہ دکن کی صوبہ داری جس طرح ذوالفقار خاں کے زمانے میں ضمیمہ سپہ سالاری تھی اسی طرح اب بھی ہونی چاہیئے چنانچہ دکن کا انتظام امیر الامرا حسین علی خاں کے تحت کر دیا گیا۔ اور نواب نظام الملک کو دہلی واپس آنے کا حکم بھیج دیا گیا۔ نواب نظام الملک نے شاہی حکم کی تعمیل کی۔ چند روز دہلی میں رہے۔ دربار کا رنگ اپنے موافق نہ پاکر مراد آباد کی جاگیر کو جانے کی اجازت چاہی جو کوہستان سوالک تک پھیلی ہوئی تھی۔ دہلی سے جاکر اپنی جاگیر کے انتظام میں مشغول ہو گئے۔

ادھر امیر الامرا حسین علی خاں نے دکن پہنچ کر پہلے تو نواب نظام الملک کے اصول کے مطابق مرہٹوں کو قابو میں رکھنے کی کوشش کی لیکن بعد میں راجا ساہو سے معاہدہ کر کے مرہٹوں کو دکن میں اپنے گماشتے رکھنے اور چوتھ اور سردیش مکھی براہ راست وصول کرنے کا حق تسلیم کر لیا۔ چوتھ کے علاوہ راہداری میں بھی مرہٹوں کا حصہ تسلیم کر لیا گیا جو تجارت کے مال پر وصول کی جاتی تھی۔ راجا ساہو کے دو وکیل اورنگ آباد میں رہنے لگے تاکہ مرہٹہ حکومت کے مفاد کی نگہداشت کریں۔[1] یہ بھی طے ہوا کہ صوبہ دار دکن کی صوابدید پر پندرہ ہزار مرہٹہ فوج رہا کرے گی۔ چنانچہ پرسوجی بھوسلا اور وشواس راؤ کی سرکردگی میں مرہٹہ فوج اورنگ آباد میں رہنے لگی۔ امیر الامرا نے اس معاہدے کی توثیق فرخ سیر سے حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرنے کا انتظام کرنے کے لئے تو وشوناتھ

[1] منتخب اللباب جلد ۳ صفحہ ۴۷۸

بالاجی بھی اورنگ آباد ہی میں رہنے لگا۔ غرض کہ مرہٹوں نے دکن کے مختلف علاقوں میں اپنا پورا عمل دخل قایم کرلیا۔

اس اثنا میں دہلی سے قطب الملک کے خطوط امیر الامراء حسین علی خاں کے نام پہنچ رہے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ اور وزیر کے تعلقات کی کشیدگی اپنی انتہائی حد کو پہنچ چکی تھی۔ جب بادشاہ نے دوسرے با اثر امیروں سے قطب الملک کے خلاف ساز باز شروع کیا تو قطب الملک نے دکن سے حسین علی خاں کو بلوا بھیجا اور تاکید کردی کہ جتنی فوج اپنے ساتھ لاسکتے ہو لاؤ۔ چنانچہ امیر الامرا حسین علی خاں نے اپنی فوج کے علاوہ مرہٹوں کی فوج کے ساتھ کوچ کردیا اور اپنے بھانجے عالم علی خاں کو دکن میں اپنا نائب مقرر کیا۔ دہلی پہنچ کر (فروری ۱۷۱۹ء) حسین علی خاں نے فرخ سیر کو گرفتار کرکے قتل کرا دیا اور رفیع الدرجات کو اس کی جگہ تخت نشین کیا۔ قطب الملک اور حسین علی خاں جو تاریخ میں سادات بارہہ کے نام سے مشہور ہیں سیاہ و سفید کے مالک ہو گئے۔ بادشاہ ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کے مثل تھا۔

لیکن قطب الملک کو نواب نظام الملک اور ان کی تورانی سپاہ سے کھٹکا لگا ہوا تھا۔ اس نے نواب نظام الملک سے دوستانہ تعلقات بڑھائے اور چونکہ اسے ان کا دہلی کے قریب رہنا خطرناک معلوم ہوتا تھا اس لئے مالوے کی صوبہ داری پیش کی۔ نواب نظام الملک نے مالوے کی صوبہ داری قبول کرلی اور مارچ ۱۷۱۹ء میں مع اپنے خاندان کے مالوے روانہ ہو گئے۔ بہت سی تورانی سپاہ جو بیکار تھی ان کے ساتھ چلی آئی۔ مالوے پہنچنے پر نواب نظام الملک نے فوج کی تنظیم اعلیٰ پیمانے پر شروع کردی۔ جب قطب الملک اور امیر الامرا حسین علی خاں کو خفیہ طور پر خبر پہنچی کہ نواب نظام الملک نے بڑی زبردست فوج بھرتی کرلی ہے تو انھوں نے اس کی وجہ دریافت کی۔ نواب نظام الملک نے جواب میں لکھا کہ چونکہ مرہٹوں کا زور روز بروز بڑھتا جا رہا ہے اس لئے ضرور ہے کہ مالوے کا صوبہ دار ان کے مقابلے

کے لئے ہر وقت تیار رہے مالوے کی جغرافی حیثیت بھی اہمیت رکھتی ہے اس لئے کہ یہ صوبہ مرہٹوں کے علاقوں اور شمالی ہند کے درمیان واقع ہے۔ لیکن نواب نظام الملک کے ان دلائل سے قطب الملک اور خاص طور پر حسین علی خاں کو کچھ تشفی نہیں ہوئی۔ پھر جب حسین علی خاں کو یہ معلوم ہوا کہ نواب نظام الملک نے رحمت خاں کو اپنے خاص رفیقوں میں شامل کر لیا ہے تو اس کی بدظنی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ حسین علی خاں کے دل میں رحمت خاں کے خلاف سخت کدورت تھی۔ اس لئے اس کو مانڈو اور دھار کی فوجداری سے معزول کر دیا تھا۔ رحمت خاں نے نواب نظام الملک کی ملازمت اس لئے اختیار کی کہ حسین علی خاں کے انتقام سے بچنے کی اگر کوئی صورت ممکن تھی تو وہ یہی تھی۔ غرض کہ دونوں طرف سے کشیدگی بڑھتی گئی اور حسین علی خاں نے کھلم کھلا نواب نظام الملک کے استیصال کی تدابیر اختیار کرنی شروع کر دیں۔ حسین علی خاں نے نواب نظام الملک کے وکیل متعینۂ دہلی کو بلا کر ایک دفعہ بہت سخت سست کہا جو آداب حکومت کی صریحاً خلاف ورزی تھی۔ ادھر رحمت خاں کا اعتبار اس کی قابلیت اور کارگزاری کے سبب سے روز بروز نواب نظام الملک کی نظر میں بڑھ رہا تھا۔ اسی اثنا میں حسین علی خاں نے نواب نظام الملک کو لکھا کہ دکن کے نظم و نسق کے لئے میرا مالوے میں آکر رہنا ضروری ہے اس لئے آپ آگرے ملتان الہ آباد اور برہان پور کے صوبوں میں سے جسے اپنے لئے پسند کریں تو وہاں بخوشی جا سکتے ہیں اور جس کی سند فوراً روانہ کی جا سکتی ہے۔

ادھر دہلی کی سیاست کا یہ حال تھا کہ حسین علی خاں نے نئے بادشاہ رفیع الدرجات سے اس معاہدے کی توثیق کرا لی جو اس نے دکن میں مرہٹوں کے چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرنے کے متعلق کیا تھا۔ بالاجی وشوناتھ ان شاہی فرامین کو لے کر دکن واپس آگیا۔ اب مرہٹوں کے دعووں کو قانونی سند حاصل ہو گئی جو اب تک نہ تھی۔ رفیع الدرجات کی صحت بہت خراب تھی چار ماہ حکومت کرنے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا تو سادات بارہہ نے

رفیع الدولہ کو اور اس کے بعد شہزادۂ روشن اختر کو دہلی کے تخت پر بٹھا دیا۔ شہزادۂ روشن اختر نے محمد شاہ کا لقب اختیار کیا اور ۲۸ سال حکومت کی۔ محمد شاہ کی والدہ بڑی عقلمند اور مدبر عورت تھی۔ سادات بارہہ کے اقتدار کو وہ پسند نہیں کرتی تھی۔ اُس نے اُن کے خلاف خفیہ طور پر ساز باز شروع کر دیا اور نواب نظام الملک کو مالوے لکھا کہ کسی طرح بادشاہ کو قطب الملک اور امیر الامرا حسین علی خاں کے اثر سے آزاد کرائیں۔ اس وقت سادات بارہہ کے ظلم سے نجات حاصل کرنے کے لئے دہلی کے امرا کی نظریں بھی نواب نظام الملک کی طرف اٹھ رہی تھیں کہ سوائے ان کے اور کوئی شخص اس وقت ایسا موجود نہ تھا جو قطب الملک اور حسین علی خاں کے زور کو توڑ سکتا۔

امیر الامرا حسین علی خاں اور نواب نظام الملک میں جب کھلم کھلا تعلقات کی کشیدگی پیدا ہوگئی اور حسین علی خاں نے انھیں مالوے سے کسی دوسرے صوبے کو چلے جانے کے لئے لکھا تو اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے بخشی دلاور علی خاں کو ایک زبردست فوج سمیت راجپوتانے روانہ کر دیا تاکہ وہ نواب نظام الملک کے خلاف فوج کشی کے لئے تیار رہے۔ دلاور علی خاں نے کوٹا کے راجہ بھیم سنگھ اور نرور کے راجہ گج سنگھ کے منصب میں اضافہ کر کے انھیں اپنے ساتھ کر لیا تاکہ اگر نواب نظام الملک کے خلاف فوج کشی کرنی پڑے تو اس کی پندرہ ہزار سپاہ کے علاوہ راجپوتوں کی فوج بھی ساتھ ہو جائے۔ دلاور علی خاں اب راجپوتانے میں حسین علی خاں کے حکم کا منتظر تھا۔

نواب نظام الملک کو جب حسین علی خاں کا مراسلہ ملا تو انھوں نے جواب میں لکھا کہ اس وقت مالوے سے میرا اور کہیں جانا مناسب نہیں ہے اس لئے کہ ربیع کی فصل تیار ہے، مالگزاری وصول کرنے کا یہی زمانہ ہے جس سے فوج کی تنخواہوں کی پابجائی ہوتی ہے۔ پھر انھوں نے بتایا کہ انھوں نے کس طرح مرہٹوں کی روک تھام کا انتظام کیا ہے۔ انھوں نے ان شکوک

کو دور کرنے کی بھی کوشش کی جو اُن کی طرف سے قطب الملک اور حسین علی خاں کے دلوں میں پیدا ہو گئے تھے۔ اپنے خط کے آخر میں بطور شکایت یہ شعر بھی لکھ دیا۔

من چوں شمانیم بہ شما ہی خورم قسم ٭ من بے وفا نیم بوفامی خورم قسم

اس اثنا میں نواب نظام الملک کو دہلی سے پے در پے اُن کے ہوا خواہوں کے خطوط پہنچنے شروع ہوئے جن میں انھیں تاکید کی گئی تھی کہ جس قدر جلد ممکن ہو وہ مالوے سے کسی اور طرف چلے جائیں اور حسین علی خاں کے منصوبوں سے اپنے بچاؤ کی فکر کریں۔ نواب نظام الملک کو جب دلاور علی خاں کے راجپوتانہ آنے کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے پہلے سوچا کہ اُن کے پاس مالوے میں جس قدر فوج ہے اُس کے بل پر دہلی کی طرف کوچ کریں اور امیر الامراء حسین علی خاں کو شکست دے کر بادشاہ کو سادات بارہہ کے اثر سے آزاد کرائیں۔ محمد شاہ بادشاہ کی والدہ انھیں یہی مشورہ دے رہی تھیں۔ چنانچہ نواب نظام الملک نے راجہ جے سنگھ کو اس کی نسبت لکھا اور اپنے بیٹے مغل علی خاں کو بھی اُس کے پاس بھیج کر اُس کا مافی الضمیر دریافت کیا۔ لیکن راجہ جے سنگھ کا جواب اطمینان بخش نہ تھا۔ اب نواب نظام الملک نے اپنے معتمد افسروں سے مشورہ کیا جن میں ابوالخیر خاں، عصمت خاں اور محمد غیاث خاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور یہ طے کیا کہ دکن کی طرف بڑھنا چاہئے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی فوج سمیت اکبر پور کے گھاٹ پر دریائے نربدا کو عبور کیا۔ اسیر گڑھ کے مشہور قلعے پر قبضہ کرنے کے بعد وہ برہان پور کی طرف بڑھے۔ محمد انور خاں ناظم برہان پور اُس وقت عالم علی خاں کے پاس اورنگ آباد میں تھا۔ نواب نظام الملک کے نربدا پار کرنے کی اطلاع پاتے ہی وہ راؤ رنبھا نمبالکر کے ساتھ دو دن میں برہان پور پہنچ گیا۔ اُس کے وہاں پہنچنے سے قبل نواب نظام الملک برہان پور پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے محمد غیاث خاں کے ذریعے شہر کے اکثر اعیان و امرا کو اپنے موافق کر لیا۔ شہر برہان پور کے تاجروں، صرافوں اور اہل حرفہ نے محمد انور خاں سے استدعا کی کہ وہ نواب نظام الملک سے مصالحت کر کے شہر اُن کے حوالے کر دے تاکہ ناحق انسانی خون نہ بہایا جائے۔ ادھر راؤ رنبھا نمبالکر نے جسے عالم علی خاں

سے خفیہ خط و کتابت شروع کر دی اور وعدہ کیا کہ اگر لڑائی کی نوبت آئی تو اپنی اسپ مرہٹہ سپاہ سمیت آن سے آ کر مل جائے گا۔ غرض کہ ان حالات میں محمد انور خاں نے نواب نظام الملک کے اقتدار کے آگے سر تسلیم جھکا دیا اور سعادت ملازمت حاصل کی۔ عوض خاں صوبہ دار برار بھی جو نواب نظام الملک کے شفیق پھوپھا ہوتے تھے برہان پور کے قریب اپنی فوج کے ساتھ ان سے آ کر مل گئے۔

نواب نظام الملک نے برہان پور کی صوبہ داری پر محمد انور خاں کو معزول کر کے محمد علی اکبر خاں کو مقرر کیا اور فوجی انتظامات و سلیح بہا لے پہ شروع کر دیئے۔ انھیں یہ اطلاع مل چکی تھی کہ دلاور علی خاں راجپوتانے سے اور عالم علی خاں اورنگ آباد سے ان کے مقابلے کے لئے بڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ نواب مغفرت مآب نے یہ طے کیا کہ دشمن کی دونوں فوجوں کو ملنے کا موقع نہیں دینا چاہیئے اور ان سے علیحدہ علیحدہ نپٹنا چاہیئے کہ یہی اقتضائے تدبیر ہے۔ دلاور علی خاں کو ٹا کے راجہ بھیم سنگھ، نرور کے راجہ گج سنگھ اور بھوپال کے نواب دوست محمد خاں کو ساتھ لیکر دریائے نربدا کو عبور کر کے برہان پور کی جانب بڑھ رہا تھا۔ چنانچہ ایک ہزار سوار کو برہان پور کی حفاظت کے لئے چھوڑ کر نواب نظام الملک موضع حسن پور کی طرف روانہ ہوئے جہاں دلاور علی خاں خیمہ زن تھا۔ ان کے ساتھ چھ ہزار سوار اور بارہ توپیں تھیں۔ ادھر دلاور علی خاں کی فوج کی تعداد اٹھارہ ہزار کے قریب بتائی جاتی تھی۔ غرض کہ ایک اور تین کا مقابلہ تھا۔

نواب نظام الملک نے حسب معمول دلاور علی خاں کو مصالحت کا پیام بھیجا کہ مخلوق خدا کا خون بہانے سے کوئی فائدہ نہیں لیکن اس کا جواب قابل اطمینان نہ ملا۔ رتن پور کے پاس جو برہان پور سے سولہ میل پر واقع ہے نواب مغفرت مآب نے اپنی فوج کی صف بندی کر لی محمد غیاث خاں کی سرکردگی میں توپ خانے کو ذرا آگے بھیج دیا۔ سیدھے ہاتھ والی فوج کی افسری عوض خاں کے سپرد کی گئی اور الٹے ہاتھ کی فوج کی افسری پر ہمت خاں کو مامور کیا۔ عبد الرحیم خاں کو اس فوج کا افسر اعلیٰ مقرر کیا جو خود ان کے ہراول

کے درمیان تھی۔ راؤ رنبھا نمبالکر کو دشمن کے خلاف فوراً تنہ جنگ پر مامور کیا۔ شروع میں دونوں طرف سے کچھ گولہ باری ہوئی۔ نواب نظام الملک نے دلاور علی خاں کو یہ باور کرایا کہ وہ اور ان کی فوج راہ فرار اختیار کر رہی ہے۔ اس تدبیر کا نتیجہ حسب دلخواہ نکلا۔ جب دلاور علی خاں تعاقب کے لئے روانہ ہوئے تو نواب نظام الملک نے پیچھے سے گھیر کر حملے کا حکم دے دیا۔ بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ دلاور علی خاں نے بڑی بہادری کے مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے مارا گیا۔ اس کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ راجپوتوں نے داد شجاعت دی لیکن جب سارے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی تو انھوں نے بھی میدان چھوڑ کر راجپوتانے کی راہ لی۔ بہت سارے افسر اور سپاہی نواب نظام الملک سے آکر مل گئے اور معافی کے خواستگار ہوئے۔[1] نواب نظام الملک نے فتح کے نقارے بجوائے اور اپنے افسروں کو انعام واکرام سے مالا مال کر دیا۔

دلاور علی خاں کے مارے جانے اور اس کی ساری فوج کے منتشر ہونے کی خبر عالم علی خاں کو فردا پور میں ملی جہاں وہ خیمہ زن تھا۔ اس کے بعض افسروں کی رائے ہوئی کہ اس وقت نواب نظام الملک کا مقابلہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ اورنگ آباد واپس جاکر دہلی سے کمک کا انتظار کرنا چاہئے۔ ان میں سے بعض کا خیال تھا کہ ممکن ہے کہ امیر الامراء حسین علی خاں دکن کی طرف روانہ ہو چکا ہو اس لئے انتظار کرنا ہی مناسب ہے۔ مرہٹہ افسروں کی بھی یہی رائے تھی لیکن عالم علی خاں نے پیچھے ہٹنے کو اپنی شان کے منافی تصور کیا اور اپنی ناتجربہ کاری کے باعث شکست کھائی۔

جب نواب نظام الملک کو علم ہوا کہ عالم علی خاں فردا پور کے گھاٹ سے گزر کر برہان پور کی طرف بڑھ رہا ہے تو انھوں نے کوچ کا نقارہ بجانے کا حکم دے دیا۔ عالم علی خاں کی فوج دریائے پورنا کے کنارے

---

[1] حدیقۃ العالم جلد ۲۔ صفحہ ۱۰۱۔

عادل آباد پر آکر رک گئی تاکہ نواب نظام الملک کی نقل و حرکت کا جائزہ لے۔ اودھر نواب نظام الملک دریا کے دوسرے ساحل کی طرف سے کنارے کنارے برار کی طرف تیس پینتیس میل آگے بڑھ آئے۔ یہاں بارش سخت شروع ہوگئی۔ ان کی سپاہ کو رسد کی کمی کی وجہ سے سخت تکلیف ہوئی۔ لیکن بالاپور کے قریب نواب نظام الملک نے پورنا ورہا کو بغیر کسی قسم کے نقصان کے پار کیا اور اپنی فوج کی صف بندی شروع کر دی۔ یہاں بھی رسد پہنچنے میں انہیں بڑی دشواری کا سامنا کرنا پڑا اس واسطے کہ عالم علی خاں کے ساتھ جو مرہٹہ فوج تھی اس نے نواب نظام الملک کے لشکر کو قزاقانہ جنگ کر کے بہت پریشان کر دیا تھا۔ جانوروں کے لئے گھاس کا ایک تنکا تک باہر سے لشکر میں نہیں پہنچ سکتا تھا۔ مرہٹوں کے مقابلے کے لئے نواب نظام الملک نے راؤ رنبھا نمبالکر اور عوض خاں کو مامور کیا۔ جنھوں نے ان کا ناطقہ بند کر دیا۔ جب رسد کافی مل گئی اور فوج نے چند روز آرام بھی کر لیا تو نواب نظام الملک نے حملے کی تیاری کی۔ دونوں طرف سے فوجوں کی نقل و حرکت ۱۲۔ جولائی ۱۷۲۰ء کو شروع ہوگئی۔ پہلے عالم علی خاں کی طرف سے گولہ باری شروع ہوئی اور اس کے ساتھ ہی نواب نظام الملک کے ہراول پر حملہ کیا گیا۔ نواب نظام الملک نے بھی حملے کا حکم دے دیا۔ اس موقع پر بھی نواب نظام الملک کی فوج نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ جسے عالم علی خاں سمجھا کہ شاید اس کے پاؤں اکھڑ گئے ہیں۔ لیکن یہ تدبیر جنگ تھی۔ اسی قسم کی تدبیر جو دلاور علی خاں کے ساتھ کی گئی تھی۔ عالم علی خاں اور اس کے ساتھیوں نے معاً اپنے آپ کو چاروں طرف سے گھرا ہوا پایا۔ اس کی فوج میں ابتری اور انتشار پھیلنا تھا کہ نواب نظام الملک کی طرف سے حملے کی شدت اور بڑھ گئی۔ عالم علی خاں کا ہاتھی زخمی ہو کر بھاگا۔ اس سے اور انتشار پھیلا۔ عالم علی خاں لڑتا ہوا مارا گیا۔ اس کے مارے جانے سے اس کی فوج کے حوصلے پست ہوگئے اور لوگوں نے اِدھر اُدھر جان بچانے کے لئے بھاگنا شروع کیا۔ عالم علی خاں کی فوج کے آٹھ ہزار آدمی اس لڑائی میں مارے گئے۔ نواب نظام الملک کا بہت کم نقصان ہوا۔ بہت سارے مرہٹے بھی مارے گئے۔ عالم علی خاں

کے بعض سرداروں نے نواب نظام الملک کی اطاعت اختیار کی اور ان کے ساتھ شریک ہو گئے نواب نظام الملک نے اورنگ آباد پہنچ کر اپنے تمام ساتھیوں اور سرداروں کی قدر افزائی کی اور انعام واکرام سے مالا مال کر دیا۔ جب مبارز خاں صوبہ دار حیدرآباد کو جو سات ہزار فوج لے کر عالم علی خاں کی امداد کے لئے آرہا تھا نواب نظام الملک کی فیروزمندی کا حال معلوم ہوا تو اس نے اورنگ آباد پہنچ کر نواب عالی جناب سے معذرت خواہی کی اور وفاداری کا عہد و پیمان باندھا۔

سید دلاور علی خاں اور عالم علی خاں کی شکست اور مارے جانے کی خبر جب دہلی پہنچی تو سادات بارہہ کی نظروں میں دنیا تاریک ہو گئی۔ قطب الملک اور امیر الامرا حسین خاں پر سکتے کا سا عالم طاری تھا۔ اُن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب کیا کریں۔ بالآخر بہت کچھ سوچ بچار اور مشورے کے بعد یہ طے ہوا کہ نواب نظام الملک سے انتقام لینے کے لیے حسین علی خاں پچاس ہزار کا لشکر جرار لے کر دکن جائے اور قطب الملک دارالخلافہ میں ٹھیرے۔ یہ بھی طے ہوا کہ حسین علی خاں بادشاہ محمد شاہ کو اپنے ساتھ لے جائے۔ چنانچہ حسین علی خاں روانہ ہوا۔ راستے میں اُس کے خلاف سازش ہوئی اور فتح پور سیکری کے قریب اس کو حیلے سے قتل کر دیا گیا۔ اس سازش میں کہا جاتا ہے کہ بادشاہ محمد شاہ کی والدہ نواب قدسیہ بیگم نواب سعادت خاں بانی سلطنت اودھ اور اعتماد الدولہ محمد امین خاں بھی شریک تھے جو نواب نظام الملک سے قرابت قریبہ رکھتے تھے۔

قطب الملک کو جب اس سازش کی اطلاع ہوئی تو اس نے شاہی خاندان کے ایک نوجوان شہزادے کی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ لیکن محمد شاہ کی تائید پر اعتماد الدولہ محمد امین خاں اور اُن کی تورانی سپاہ تھی۔ انھوں نے قطب الملک کو شکست دے کر قید کر لیا اور چند ہفتے بعد وہ قید ہی میں مر گیا۔ یہ در اصل نواب نظام الملک کی اقبال مندی تھی کہ سادات بارہہ جن کا طوطی بول رہا تھا بہت جلد فنا کے گھاٹ اُتار دیے گئے اور مرکزی حکومت اور دکن دونوں جگہ تورانی جماعت

کا اثر و اختیار قایم ہوگیا۔ دہلی میں اعتماد الدولہ محمد امین خاں نے وزارت سنبھالی اور دکن میں وہ خود صوبہ داری کے فرائض انجام دینے لگے جس کی توثیق بادشاہ نے کردی۔

دراصل محمد شاہ بادشاہ چاہتا تھا کہ نواب نظام الملک کو اپنا وزیر بنائے اور اس غرض سے اس نے انھیں اپنے ہاتھ سے کئی رقعے بھیجے لیکن اگر نواب نظام الملک اس وقت دہلی واپس جاتے تو اعتماد الدولہ محمد امین خاں کو وزارت سے محروم ہونا پڑتا جو انھیں گوارا نہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے دکن کی صوبہ داری کو وزارت شاہی پر ترجیح دی۔ دکن میں اس وقت اُن کی سخت ضرورت بھی تھی اس واسطے کہ پچھلے دنوں عالم علی خاں کے عہد حکومت میں مرہٹوں نے من مانے حقوق و اختیارات حاصل کرلئے تھے اور روز بروز اُن کا اثر دکن کے علاقوں میں بڑھتا جاتا تھا۔ خجستہ بنیاد اورنگ آباد پہنچنے کے بعد نواب نظام الملک نظم و نسق کے کاموں میں مصروف ہوگئے۔ اپنے چچا عضد الدولہ عوض خاں کو اورنگ آباد کا حاکم مقرر کیا اور بیجاپور اور کرناٹک، بالاگھاٹ کے زمینداروں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوگئے۔ ابھی وہ نالکوٹہ کے نواح میں تھے کہ دہلی سے اعتماد الدولہ محمد امین خاں کے انتقال کی خبر پہنچی۔ اس کے کچھ دنوں بعد بادشاہ کا خاص شقہ پہنچا جس میں نواب نظام الملک کو دہلی آنے اور وزارت کی ذمہ داری کو سنبھالنے کی دعوت دی گئی تھی۔ یہ فرمان انھیں ادھونی میں ملا۔ چنانچہ کوچ پر کوچ کرکے نواب نظام الملک اورنگ آباد پہنچے۔ عضد الدولہ عوض خاں کو نائب دکن اور دیانت خاں کو دیوان مقرر کرکے دہلی روانہ ہوگئے۔

دوسرا باب

مملکت حیدرآباد کا قیام اور استحکام

سنہ ۱۷۲۴ تا ۱۷۴۸ء

نواب نظام الملک ۲۸ جنوری سنہ ۱۷۲۲ء کو دہلی پہنچے۔ بادشاہ نے آپ کی قدر افزائی کے لئے بخشی الممالک صمصام الدولہ منصور جنگ بہادر کو دہلی سے باہر کئی کوس کے فاصلے پر استقبال کے لئے روانہ کیا۔ وہاں پہنچتے ہی ملازمت شاہی میں حاضری دی۔ خلعت وزارت خنجر قلمدان مرصع اور قیمتی الماس کی انگوٹھی بادشاہ نے تحفۃً عطا کرکے خدمت وزارت پر سرفراز فرمایا۔ نواب نظام الملک نے وزارت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی نظم ونسق کے ہر شعبے میں اصلاح کی کوشش شروع کی۔ اس زمانے میں شاہی دربار میں ایسے لوگوں نے بار پالیا تھا جن کی وجہ سے خود بادشاہ بدنام ہو رہا تھا۔ نواب نظام الملک چاہتے تھے کہ سوائے قابل لوگوں کے دربار میں دوسرے باریاب

نہ ہوسکیں۔ وہ اورنگ زیب کے دربار کا رنگ ڈھنگ دیکھے ہوئے تھے کہ سوائے خاص ضرورت کے کوئی شخص محض دفع الوقتی کے لیے وہاں پھٹکنے نہیں پاتا تھا۔ عالمگیری عہد کا جو نقشہ ان کی آنکھوں میں پھر رہا تھا اس کو وہ محمد شاہی دربار میں دیکھنا چاہتے تھے۔ مصاحبوں میں بعض ایسے بھی تھے جنھوں نے اپنے ذاتی اثر سے بڑے بڑے علاقوں کی جاگیریں حاصل کرلی تھیں جن کی مالگزاری وہ ایک حبہ بھی ادا نہیں کرتے تھے اور کسی کی اتنی ہمت نہ تھی کہ ان سے بازپرس کرسکتا۔ نواب نظام الملک نے بادشاہ کے اوقات کی تقسیم کردی۔ آہستہ آہستہ اس کو نظم و نسق کے معاملات سے دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ ہر وقت لہو و لعب کے بجائے وہ انتظامی معاملات پر غور و خوض کرنے کی عادت ڈالے۔ شاہی خزانہ خالی تھا۔ نواب نظام الملک نے سلطنت کی مالی حالت سدھارنے کی کوشش کی اور دیانت دار عہدہ دار مقرر کئے تاکہ سرکاری آمدنی میں خورد برد نہ ہوسکے۔ نواب نظام الملک کی ان تمام اصلاحی مساعی کو مصاحبوں نے نمک مرچ لگاکر الٹے طور پر بادشاہ کے سامنے پیش کیا اور اس کو ان کی طرف سے بدظن کرنے کی کوشش کی۔ ظاہر ہے کہ نوجوان اور رنگیلے بادشاہ کو بھی نواب نظام الملک کی نصائح پسند نہ آئی ہوں گی۔ درباریوں نے جب بادشاہ کا یہ میلان دیکھا تو انھیں اور بھی نواب نظام الملک کی مخالفت کی ہمت ہوئی۔

بعض مصاحب نواب نظام الملک کے دقیانوسی خیالات کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان کے قدیم وضع کے لباس اور درباری آداب کا مضحکہ اڑایا جانے لگا۔ نواب نظام الملک ہمیشہ عالمگیری دربار کے آداب کے بموجب خدمت شاہی میں حاضر ہوتے تو ہمیشہ جامہ زیب تن کرتے۔ درباریوں نے اس لباس کا مذاق اڑانا شروع کیا جب درباریوں کو معلوم ہوا کہ ایسا کرنے سے بادشاہ خوش ہوتا ہے تو انھوں نے اور بھی بیباکی اختیار کی۔ ایک مرتبہ بادشاہ کی صحبت میں نواب نظام الملک کے آداب و لباس کی نقل کی گئی

ایک مصاحب نے کہا کہ نواب نظام الملک اپنی پرانی وضع کے لباس میں ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کوئی بندر اُچھلتا ہو۔ نواب نظام الملک کو دربار کی سب خبریں ملتی رہتی تھیں۔ جب اُنھیں اس نقل کا حال معلوم ہوا تو اُنھوں نے کہا تھا کہ اگر بادشاہ کا یہی حال ہے تو لال قلعے کی فصیل پر بندر ناچیں گے۔ جو بات اُس وقت اُن کے منھ سے نکلی وہ تاریخ کے صفحوں پر پتھر کی لکیر ثابت ہوئی۔

غرض کہ بادشاہ اور نواب نظام الملک میں ناموافقت بڑھتی گئی۔ بعض سازشی مصاحبوں نے سوچا کہ کسی طرح سے نواب نظام الملک کو دہلی سے دور کسی مہم پر روانہ کرنا چاہئے۔ اس زمانے میں حیدر قلی خاں صوبہ دار گجرات نے شاہی امرا کی جاگیریں ضبط کر لی تھیں اور ان کے گماشتوں کو جب وہ مالگزاری وصول کرنے گئے تو صاف جواب دے دیا کہ ان کی آمدنی میرا اور میری سپاہ کا حق ہے جن کے بل بوتے پر یہ جاگیریں برقرار ہیں۔ اُس نے بیس ہزار مغل تورانی نوکر رکھ لئے تھے جن کی تنخواہیں وہ انھیں جاگیروں کی آمدنی میں سے نکالتا تھا۔ جب دہلی سے فہمائش کی گئی تو اس نے صاف کہہ دیا کہ میں نے اپنے زور بازو سے ان علاقوں کو مرہٹوں سے بچایا ہے اس لئے کسی دوسرے کو ان پر کوئی حق نہیں ہے۔ بادشاہ نے فرمان جاری کیا کہ گجرات کی صوبہ داری کو نواب نظام الملک کے حوالے کر دو۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس ایک نشانے سے دو شکار کرے گا۔ ایک توحیدر علی خاں کی سرکوبی ہو جائے گی اور دوسرے کچھ دنوں کے لئے نواب نظام الملک کی نصایح اور پابندیوں سے نجات مل جائے گی۔ بادشاہ کے حسب منشا نواب نظام الملک گجرات کی مہم پر روانہ ہو گئے۔ شاہی خزانے سے دس لاکھ روپے مصارف مہم کے لئے حاصل کئے اور وزارت کا کام اپنے بڑے بیٹے نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کے سپرد کر دیا۔

تورانی لوگ نواب نظام الملک سے خاص اعتقاد رکھتے تھے اُن پر

نواب نظام الملک کا اس قدر اثر تھا کہ جب اُن کے گجرات روانہ ہونے کی خبر حیدر قلی خاں کی تورانی سپاہ کو ہوئی تو ان میں سے اکثر نے ملازمت سے علیحدگی اختیار کرنی چاہی اور صاف کہہ دیا کہ ہم اپنے سردار اور بزرگ کے خلاف کبھی بھی ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔ حیدر قلی خاں ان غیر متوقع حالات سے بیحد پریشان ہوا اور حضوری بادشاہ میں عرضداشت روانہ کی جس میں بہت کچھ معذرت خواہی کی گئی تھی۔ نواب نظام الملک دریائے نربدا کو عبور کر کے احمد آباد سے ابھی سات آٹھ منزل پر تھے کہ انھیں حیدر قلی خاں کے اجمیر کے راستے سے ہو کر دہلی جانے کی اطلاع ملی۔ چنانچہ انھوں نے اپنے چچا حامد خاں کو صوبہ داری گجرات پر اپنا نائب مقرر کر دیا اور دارلخلافہ کو روانہ ہو گئے۔

دہلی پہنچ کر نواب نظام الملک نے بادشاہ کی خدمت میں ایک ہزار اشرفیاں بطور نذرانہ پیش کیں۔ بادشاہ نے خلعت خاصہ، سرپیچ مرصع اور اسپ و فیل عطا کیا۔ اُن کے بڑے بیٹے نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کو بھی خلعت و سرپیچ مرصع سے سرفراز کیا اور نائب وزیر کا عہدہ اُن کے تفویض کیا۔ نواب نظام الملک حسب سابق بادشاہ کو نظم و نسق کی درستی کی طرف متوجہ کرتے رہے۔ انھوں نے چند اصول بادشاہ کی خدمت میں پیش کئے تاکہ ملک سے ابتری اور انتشار دور ہو۔ وہ اصول یہ تھے۔

(۱) خالصہ کے اضلاع کو ٹھیکے پر دینے کی جو رسم جاری ہے وہ موقوف کر دی جائے۔ اس واسطے کہ اس سے ملک تباہ و برباد ہو رہا ہے اور اس کا اثر حکومت کی آمدنی پر پڑ رہا ہے۔

(۲) دربار میں جو پیش کش وصول کی جاتی ہے اس کی ممانعت ہونی چاہیئے تاکہ بادشاہ کی نیک نامی ہو۔

(۳) دربار میں بدچلن لوگوں کو باریاب نہ کیا جائے۔

نواب نظام الملک کے ان اصلاحی خیالات کی زد براہ راست مصاحبوں پر پڑتی تھی۔ ان میں اکثر پیش کش میں سے اپنا حصہ لیا کرتے

تھے انھوں نے بادشاہ کو نواب نظام الملک سے بدظن کر دیا۔ بادشاہ اور نواب نظام الملک میں منافرت بڑھتی گئی۔ جب یہ بدمزگی اور بے لطفی تک نوبت آ گئی تو نواب نظام الملک نے سوء مزاج کے عذر سے سیر و شکار کی رخصت چاہی۔ وہ دہلی سے تیس چالیس کوس دور نکل گئے اور گنگا کے کنارے کئی مہینے سیر و شکار میں گزارے۔ بادشاہ کو علم ہو چکا تھا کہ نواب نظام الملک اب دہلی واپس نہیں آئیں گے۔ چنانچہ اس نے انھیں پریشان کرنے کی غرض سے مبارز خاں کو دکن کی صوبہ داری پر مقرر کر دیا۔ ادھر نواب نظام الملک کو بادشاہ نے خط لکھا کہ اگر اس کی طرف سے انھیں کوئی رنج ہے تو وہ خود آ کر ان سے ملنے کو تیار ہے یا اپنی والدہ کو ان کے لئے بھیجے گا۔ نواب نظام الملک کو بادشاہ پر مطلق اعتبار نہ رہا تھا۔ انھیں اندیشہ پیدا ہوا کہ شاید بادشاہ اور اس کے مصاحب انھیں نظر بند کرنا چاہتے ہیں۔ اسی اثنا میں نواب نظام الملک کو اطلاع ملی کہ ان کے چچا حامد خاں کے خلاف گجرات میں مرہٹوں نے یورش کر دی ہے چنانچہ نواب نظام الملک نے بادشاہ کو لکھا کہ گجرات اور مالوے کی حالت روز بروز خراب ہو رہی ہے اس لئے ان کا دکن جانا ضروری ہے۔ اسی اثنا میں انھوں نے راجا ساہو سے مراسلت کر کے مصالحت کر لی۔ راجا ساہو نے مبارز خاں کے خلاف ان کی فوجی امداد کرنے کا وعدہ کیا۔ نواب نظام الملک ابھی سرونج پہنچے تھے کہ اخبار نویسوں نے خبر پہنچائی کہ مبارز خاں ناظم حیدرآباد برسر پرخاش ہے اور بادشاہ نے اس کے نام صوبہ داری دکن کا فرمان صادر کر دیا ہے اور کرناٹک کے افغان زمینداروں کو بھی لکھا کہ وہ مبارز خاں کی اطاعت کریں۔

نواب نظام الملک کوچ پر کوچ کر کے جولائی ۱۷۲۴ء میں اورنگ آباد پہنچے اور مبارز خاں سے معرکہ آرائی کی تیاری کرنے میں مصروف ہو گئے۔ مبارز خاں اپنے لشکر کے ساتھ مقابلے کے لیے بڑھا۔ شکر کھیڑہ کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ نواب نظام الملک نے پہلے اپنے حسب معمول مبارز خاں

کو جنگ سے باز آنے کو لکھا اور قدیم تعلقات یاد دلائے لیکن وہ اپنے عزم سے باز نہ آیا۔ اس کے دماغ میں پورے دکن پر حکومت کرنے کا سودا سمایا ہوا تھا۔ بالآخر دونوں طرف سے صف بندی ہوئی۔ طرفین سے گولوں کی بارش شروع ہوئی برسات کا موسم تھا مرہٹواڑی کی زمین اس زمانے میں لڑائی کے لئے غیر موزوں ہو جاتی ہے کیچڑ کے مارے قدم اٹھانا دشوار ہو جاتا ہے۔ نواب نظام الملک کے پاس فوج کم تھی لیکن ان کا توپ خانہ بڑا زبردست تھا جیسے کیچڑ میں ادھر سے ادھر لے جانا بڑا دشوار تھا۔ نواب نظام الملک کی طرف سے گولہ اندازی اس طریقے سے ہوئی کہ مبارز خاں کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے کشتوں کے پشتے لگ گئے مبارز خاں بھی مارا گیا۔ اس کے لشکر میں انتشار پھیل گیا اور اکثر نے راہ فرار اختیار کی۔ نواب نظام الملک کے حکم سے فتح کے نقارے بجائے گئے شکر کھیڑہ کی جنگ سے دکن کی خود مختاری کا آغاز ہوا۔ اگرچہ نواب نظام الملک نے کبھی آزادی کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا بلکہ آخر تک وہ مغل شہنشاہ سے وفاداری کو اپنا طرۂ امتیاز بتاتے رہے۔ لیکن عملی اعتبار سے انھوں نے مملکت حیدرآباد کی خود مختاری حاصل کر لی دراصل سلطنت مغلیہ کی حالت اس وقت ایسی خراب تھی کہ اگر وہ اپنی ریاست کو دہلی کے اثر سے بالکل آزاد نہ کرتے تو اندیشہ تھا کہ مرکزی حکومت کی دخل اندازی کے باعث یہاں بھی انتظامی ابتری پیدا ہو جاتی۔ اس دانشمندانہ حکمت عملی کی بدولت دکن کا صوبہ تباہی سے بچ گیا جب کہ سلطنت کے دوسرے حصے ایک ایک کرکے ہمیشہ کے لئے نہ صرف دہلی کے تصرف سے نکل گئے بلکہ دوسری قوتوں کو ان میں اپنا اقتدار قایم کرنے کا موقع مل گیا۔

شکر کھیڑہ کی فتح کے بعد نواب نظام الملک نے اورنگ آباد پہنچ کر اپنے افسروں کو حسن کارگزاری کے صلے میں اضافۂ منصب اور انعام واکرام سے سرفراز کیا بڑے بڑے عہدوں پر کارداں۔ قابل اعتبار اور محنتی عہدہ داروں کو مقرر کیا تاکہ ملک کی صلاح و فلاح کی صورت پیدا ہو۔

مبارز خاں کے بیٹوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا گیا۔ کچھ دن اورنگ آباد میں ٹھہر کر نواب عالی جناب حیدرآباد تشریف لائے اور گوشہ محل کے باغ میں قیام فرمایا۔ اب ریاست اپنی مدت کا دار الحکومت حیدرآباد قرار دیا گیا۔ سنہ ہجری تنظیم و تنسیق کی جانچ پڑتال میں گزرے۔ ملک کی اندرونی حالت درست کرنے کی غرض سے مفسدوں اور سرکشوں کی تنبیہ و تادیب کی اور اضلاع میں دورہ کرکے رعایا کی اصلی حالت معلوم کرنے کی کوشش کی۔

نواب نظام الملک کی فیروزمندی کی خبر جب محمد شاہ کو ہوئی تو ان کو اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں اب وہ کھلم کھلا اس کی مخالفت نہ شروع کر دیں لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ پھر بھی محمد شاہ نے ان کی استمالت اور تالیف قلب ضروری سمجھی اگرچہ اس کی ضرورت نہ تھی۔ نواب نظام الملک کو بادشاہ نے اجازت دی کہ جتنے عرصے چاہیں دکن میں قیام فرمائیں اور جب بھی چاہیے تو وکیل سلطنت کی حیثیت سے دہلی آجائیں۔ چنانچہ ان کی شمالی ہند کی جاگیریں بحال کر دی گئیں۔ دکن کی صوبہ داری کے فرمان کے ساتھ آصف جاہ کے خطاب سے انھیں سرفراز کیا۔ خطاب کے ساتھ خلعت خاص، فیل، جواہر، عربی اور عراقی گھوڑے اور دوسرے تحایف بھی بھیجے۔[1] محمد شاہ نے نواب نظام الملک سے اپنے تعلقات اس طور پر ظاہر کیے گویا کہ اس نے ان کے استیصال کے لئے کچھ کیا ہی نہیں۔ لیکن نواب نظام الملک بڑے عالی ظرف شخص تھے۔ انھوں نے بھی ظاہری آداب میں کبھی کوتاہی نہیں کی اور باوجود عملی طور پر جنگ شکر کھیڑہ کے بعد دکن میں خود مختار ہو جانے کے اپنے تئیں بادشاہ دہلی کا خادم ہی تصور کیا اور اپنی آزادی کا کبھی اعلان نہیں کیا۔ آصف جاہ کا خطاب ملنے پر انھوں نے جو عرضداشت بھیجی اس میں انتہائی عقیدت و وفاکیشی کے جذبات کا اظہار کیا۔[2]

---

[1] مآثر الامرا۔ جلد ۳۔ صفحہ ۸۴۴۔

[2] گلشن عجائب۔

نواب نظام الملک نے نہ صرف دکن میں اپنے اقتدار کو مستحکم کیا بلکہ کرناٹک کے نظم و نسق کو بھی اپنے حلقۂ اثر و اختیار میں لے لیا۔ مشرقی ساحل پر سیکاکول سے لے کر مدراس تک صوبہ دار دکن کی حکومت قائم تھی۔ کرناٹک کے علاقے میں پچھلے دنوں بڑی بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ اس واسطے نواب نظام الملک نے وہاں کے انتظام کی طرف خاص توجہ کی اور یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ قلعہ دار مجاز ہوں گے کہ وہ براہ راست صوبہ دار دکن سے اپنا تعلق رکھیں تاکہ اگر فوجداروں کی طرف سے کوئی بدعنوانی ہو تو اس کا علم صوبہ دار کو ہو جائے۔[1] کرناٹک کے دورے میں فوجداروں اور زمینداروں (پولی گاروں) نے نواب نظام الملک کی خدمت میں حاضر ہو کر اظہار عقیدت و اطاعت کیا۔ سعادت اللہ خاں نائب ارکاٹ نے خدمت ملازمت حاصل کی۔ نواب نظام الملک نے اُن کی نوابی کی توثیق کر دی۔ کرناٹک کے نظم و نسق کو درست کرنے کے بعد نواب عالی جناب گلبرگہ ہوتے ہوئے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے دربار میں حاضری دے کر حیدرآباد واپس تشریف لائے۔ راستے میں راؤ رنبھا نمبالکر نے خدمت میں حاضر ہو کر مرہٹوں کی یورشوں کو روکنے کے متعلق مشورے میں شرکت کی۔ یہ زمانہ وہ تھا جب کہ مرہٹوں نے چوتھ وصول کرنے کا مطالبہ شروع کر دیا تھا۔

نواب نظام الملک نے جنگ شکر کھیڑہ سے قبل راجا ساہو سے مصالحت کر لی تھی۔ اس وقت باجی راؤ راجا ساہو کے دربار میں اتنا حاوی نہیں ہوا تھا جتنا کہ وہ بعد میں ہو گیا تھا۔ بالاجی وشوناتھ کے فوت ہو جانے کے بعد باجی راؤ سنہ ۱۷۲۰ء میں اپنے باپ کی جگہ پیشوا مقرر ہوا۔ ساہو پر شروع میں سری پت راؤ پرتی ندھی کا کافی اثر تھا۔ پرتی ندھی نواب نظام الملک سے خاص طور پر کسی قسم کا بگاڑ نہیں چاہتا تھا۔ وہ شمالی اور وسط ہند میں مرہٹوں کی قوت کی توسیع چاہتا تھا لیکن باجی راؤ نے پیشوا ہوتے

---

[1] تاریخ خمیرہ۔

اس کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں راجا ساہو کو اپنے حوصلہ مندانہ خیالات سے متاثر کرنا شروع کردیا تھا۔ باجی راؤ سارے ہندوستان میں مرہٹوں کا اقتدار قایم کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ خواب اس وقت تک شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا جب تک کہ دکن میں نواب نظام الملک کی قوت کا خاتمہ نہ کردیا جائے۔ پرتی ندھی کا اثر راجا ساہو پر جتنا کم ہوتا جاتا تھا اتنا ہی وہ باجی راؤ کا مخالف بنتا جاتا تھا۔ باجی راؤ کے زیر اثر مالوے کے بعد مرہٹوں نے دکن اور کرناٹک کی طرف رخ کیا۔ مرہٹوں نے ترچنا پلی پر قبضہ کرلیا تھا۔ نواب نظام الملک نے عضد الدولہ عوض خاں کو جرار لشکر دے کر کرناٹک روانہ کیا۔ چنانچہ عوض خاں نے مرہٹوں کو ترچنا پلی سے بے دخل کردیا اور دیہات میں انھوں نے جو اپنے کماشتے مقرر کردیے تھے وہ بھی برطرف کردیے گئے۔ فتح سنگھ بھونسلا اور باجی راؤ نے دوبارہ کرناٹک پر فوج کشی کی تاکہ عوض خاں کو شکست دیں لیکن انھیں کامیابی نہیں ہوئی غرضکہ مجبور ہوکر مرہٹوں نے کرناٹک سے ہاتھ دھولئے اور وہاں نواب نظام الملک کا حلقۂ اثر تسلیم کرلیا۔

دکن میں ساہو اور سمبھاجی والی کولھاپور دونوں چوتھ وصول کرنے کے دعویدار تھے چنانچہ نواب نظام الملک نے ان سے کہا کہ وہ دونوں اپنے اپنے دعوے ان کے سامنے بحیثیت صوبہ دار دکن پیش کریں۔ ساہو اس پر آمادہ تھا لیکن باجی راؤ نے مخالفت کی اور ساہو کو بتایا کہ اس طرح ہم نواب نظام الملک کے دستوری تفوق کو تسلیم کرلیں گے۔ اس نے نواب نظام الملک کے خلاف ساہو کے کان خوب بھرے اور ان کی تدابیر سے بچنے کی تاکید کی۔ وہ نواب نظام الملک کو مرہٹوں کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتا تھا۔ باجی راؤ دکن پر حملے کی تیاریاں کر رہا تھا لیکن چونکہ کرناٹک کی مہم میں اس کو کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی تھی اس لئے ساہو نے اس کو روکا اور ادھر نواب نظام الملک نے پرتی ندھی کے توسط سے ساہو سے براہ راست سیاسی تعلق قایم کرنے کی کوشش کی اور پونا کے قریب اس کو ایک جاگیر

بھی عطا کی چنانچہ اس کے عوض میں ساہو شہر حیدر آباد کی چوتھ سے دستبردار ہو گیا۔[1]

نواب نظام الملک نے کولھاپور کے راجا سمبھاجی سے سیاسی تعلقات استوار کرنے کی پوری کوشش اس لئے کی کہ وہ اُس کی اور ساہو کی باہمی عداوت سے پورا فایدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ انھوں نے سمبھاجی کو امید دلائی کہ ساہو کے مقابلے میں اس کے دعاوی کی توثیق وہ بادشاہ دہلی سے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔[2] نواب نظام الملک اور سمبھاجی کے درمیان چندر سین جادو کے توسط سے گفتگو ہوتی تھی لیکن اس کی خبر باجی راؤ کو ملتی رہتی تھی ۱۱۴۲ھ ۱۷۲۹ع میں جب سمبھاجی نواب نظام الملک سے ملاقات کی غرض سے آیا تو یہ بات باجی راؤ اور ساہو کے دل میں بہت کھٹکی۔ باجی راؤ نے اب ساہو کو یاد کرا دیا کہ جب تک نواب نظام الملک کو زیر نہیں کیا جائے گا مرہٹوں کے آپس کے اختلافات ختم نہ ہوں گے اور مرہٹوں کے عروج میں مستقل رکاوٹ رہے گی ساہو نے باجی راؤ کو نواب نظام الملک کے خلاف فوج کشی کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ باجی راؤ نے ریاست آبد مدت کے شمال مغربی اضلاع کو خوب لوٹا کھسوٹا۔ جالنہ کے شہر کو ایسا بری طرح سے لوٹا جیسے جھاڑو پھیر دی ہو۔ وہ جدھر گزر جاتا تھا اپنے جلو میں تباہی چھوڑ جاتا تھا۔ نواب نظام الملک نے عضد الدولہ عوض خاں کو اس کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔[3] انھوں نے ہر چند کوشش کی کہ کہیں ایک جگہ باجی راؤ سے جم کر دو دو ہاتھ ہوں لیکن وہ ایسا گریز پا تھا کہ لوٹ مار کر کے فرار ہو جاتا تھا۔ ریاست حیدر آباد کے شمال مغربی اضلاع میں لوٹ مار کرنے کے بعد باجی راؤ خاندیس کی طرف چلا گیا۔ نواب نظام الملک پہلے سے برہان پور پہنچ گئے تھے

۱؎ حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۱۳۸ ۔ گرانٹ ڈف جلد ا صفحہ ۱۱۴ ۔

۲؎ گلشن عجائب ۔

۳؎ حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۱۴۰ ۔

کہ اگر وہ ادھر کا رخ کرے تو اس کو شکست کا مزہ چکھائیں۔ چنانچہ ان کے برہان پور پہنچنے کی اطلاع پاکر باجی راؤ نے اپنا رخ بدل دیا اور گجرات کی طرف پلٹ پڑا جہاں اس زمانے میں سربلند خاں صوبہ دار تھے۔ چونکہ سربلند خاں اور نواب نظام الملک میں باہمی صفائی نہ تھی اس لئے باجی راؤ نے گجرات میں ہر جگہ یہ مشہور کر دیا کہ میں نے نواب نظام الملک کے ایما پر گجرات پر حملہ کیا ہے۔ لیکن سمجھنے والے اس کی ان باتوں میں آنے والے نہیں تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اس کی یہ باتیں اصلیت سے خالی ہیں۔

جب نواب نظام الملک کو معلوم ہوا کہ باجی راؤ نے گجرات پر یورش کر دی ہے تو اس کی توجہ بانٹنے کے لئے انھوں نے سمبھاجی کو ساتھ لے کر پونا پر حملہ کر دیا جس کی وجہ سے راجا ساہو کو بڑی پریشانی ہوئی۔ پونا پر حملے کے باعث باجی راؤ کو گجرات سے فوراً واپس آنا پڑا۔ واپسی پر جب اس نے گوداوری کو پار کیا تو نواب نظام الملک کو اندیشہ ہوا کہ شاید وہ پھر ان کی قلمرو کی طرف رخ کرے گا۔ چنانچہ وہ پونا سے لوٹ آئے۔ منگی شیو گاؤں کے مقام پر باجی راؤ نے نواب نظام الملک کی فوج کو گھیر لیا اور چوطرف سے رسد بند کر دی۔ آدمی اور جانور مرنے لگے۔ مجبور ہو کر نواب نظام الملک نے باجی راؤ سے مصالحت کر لی۔ مارچ ۱۷۲۸ء میں معاہدہ منگی شیو گاؤں کی رو سے یہ طے ہوا کہ نواب نظام الملک مرہٹوں کے اندرونی معاملات میں آیندہ دخل اندازی نہیں کریں گے اور راجا ساہو کو مرہٹوں کا حکمراں تسلیم کریں گے۔ چوتھ وصول کرنے کے حقوق بھی ساہو کو حاصل ہوں گے نہ کہ سمبھاجی کو۔ نواب نظام الملک نے اپنی قلمرو میں مرہٹہ گماشتوں کو مقرر کرنے کی بھی اجازت دے دی۔ باجی راؤ نے بہت زور لگایا کہ نواب نظام الملک سمبھاجی کو اس کے حوالے کر دیں لیکن وہ ایسا کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ انھوں نے سمبھاجی کو حوالے کرنا اپنی شرافت کے خلاف سمجھا اور اس کو اپنی فوج کی حفاظت میں کولھاپور پہنچوا دیا۔ اس معاہدے سے باجی راؤ کا اثر و رسوخ راجا ساہو پر اور زیادہ بڑھ گیا اور وہ مرہٹہ سیاست کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔

سمبھاجی نے بعد میں باجی راؤ سے مقابلے کی کوشش کی لیکن پالکھیڑ کے مقام پر ۱۷۳۰ء میں اس نے سخت شکست کھائی۔ باجی راؤ نے اس کو معاہدہ کرنے پر مجبور کیا جس کی رو سے سمبھاجی نے راجا ساہو کے اقتدار کو تسلیم کر لیا۔ کوکن میں اپنے حقوق سے دست بردار ہو گیا اور وعدہ کیا کہ آئندہ وہ کبھی ساہو کے خلاف کسی دوسرے حکمران سے ساز باز نہیں کرے گا۔ یہ بھی باجی راؤ کی دوسری زبردست کامیابی تھی جس کی بدولت اس کا وقار بہت بڑھ گیا اور اس کی حوصلہ مندیوں میں اور اضافہ ہوا۔

جب محمد خاں بنگش ۱۷۳۱ء میں مالوے کا صوبہ دار مقرر ہوا تو نواب نظام الملک نے اس کی مدد سے مرہٹوں کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرنے کی پھر ایک دفعہ کوشش کی۔ محمد خاں بنگش نہایت قابل سپہ سالار تھا۔ اس نے مالوے سے مرہٹوں کو بے دخل کرنے کی تدابیر اختیار کیں لیکن مرکزی حکومت نے جیسا کہ چاہئے اس کی امداد نہیں کی۔ نواب نظام الملک چاہتے تھے کہ محمد خاں بنگش، نرسنگ راؤ اور وہ خود مل کر باجی راؤ کی قوت کو توڑیں نرسنگ راؤ باجی راؤ کا جانی دشمن تھا اور اس کے ساتھ کافی مرہٹہ فوج بھی تھی۔ لیکن پیشتر اس کے کہ وہ محمد خاں بنگش اور نواب نظام الملک کے ساتھ مل کر متحدہ محاذ قائم کرے باجی راؤ نے اس کو پہلے ہی لڑائی میں ختم کر دیا اور اس کی سب سپاہ کو منتشر کر ڈالا۔ نواب نظام الملک اور محمد خاں بنگش چاہتے تھے صوبہ دار دکن اور صوبہ دار مالوہ مل کر مرہٹوں پر جو فوج کشی کریں اس کے اخراجات مرکزی حکومت برداشت کرے اس لئے کہ ان کی فوج کشی سے پوری سلطنت مغلیہ کو فائدہ ہوگا۔ نواب نظام الملک نے محمد شاہ کو لکھا کہ بعد میں یہ اخراجات کی رقم باقساط مختلف صوبوں سے وصول کی جا سکتی ہے چنانچہ نواب نظام الملک نے اس کی بھی یاد دہانی کی کہ اورنگ زیب کے عہد حکومت میں بنگال اور دوسرے شمالی ہند کے صوبوں کی آمدنی بے دریغ دکن میں مرہٹوں کے خلاف خرچ کی جاتی تھی تب جا کر یہ ممکن ہوا تھا کہ ان کی کچھ روک تھام ہو سکے۔ چونکہ مرہٹے جم کر نہیں لڑتے بلکہ قزاقانہ طریقے سے جنگ کرتے ہیں اس لئے ان سے

لڑنے میں جو اخراجات ہوتے ہیں ان کی پابجائی ایک صوبہ نہیں کرسکتا ضرورت اس کی ہے کہ ایک زبردست لشکر مستقل طور پر ان کے استیصال پہ مامور رہے[1] مرکزی حکومت جن لوگوں کے ہاتھ میں تھی وہ تدبیر حکومت کے رازوں سے ناآشنا تھے۔ دربار کی سب سے بااثر جماعت شکست خوردگی کی ذہنیت رکھتی تھی اور چاہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح مرہٹوں سے مصالحت ہو جائے۔ پھر ان لوگوں کی کوشش یہ تھی کہ مختلف صوبہ دار آپس میں برسرپیکار رہیں۔ وہ اگر دو صوبہ داروں میں خلوص و موافقت پاتے تو انھیں شبہے کی نظر سے دیکھتے تھے کہ نہ معلوم ان کی نیت کیا ہے۔ غرض کہ محمد خاں بنگش اور نواب نظام الملک کی تجاویز پر کسی نے غور نہ کیا۔ اسی اثنا میں محمد خاں بنگش کو مالوے کی صوبہ داری سے ہٹا کر راجہ جے سنگھ کو مالوے کا صوبہ دار مقرر کر دیا گیا جو باجی راؤ سے مصالحت کا خاص حامی تھا۔ اس نے باجی راؤ سے معاہدہ کر لیا جس کی رو سے ثانی الذکر کو مالوے میں چوتھ اور سردیش مکھی وصول کرنے کا اختیار حاصل ہو گیا[2]۔

بادشاہ اور اس کے درباریوں کا خیال تھا کہ مرہٹوں سے تدبیر و حکمت کے ذریعے سے وہ تمام معاملات طے کرلیں گے لیکن ان کا یہ خیال غلط نکلا۔ تجربے نے بتلایا کہ مرہٹوں کو جس قدر رعایتیں حاصل ہوتی گئیں اتنے ہی انھوں نے اپنے مطالبات بڑھانے شروع کر دئے۔ مرکزی حکومت کی اس حکمت عملی کو باجی راؤ کمزوری پر محمول کرتا تھا۔ مالوے میں قدم جمنے کے بعد مرہٹوں کا دست تطاول آگرے کے نواح تک دراز ہونے لگا۔ اب بادشاہ کی آنکھیں کھلیں۔ اب اسے صاف نظر آیا کہ دارالسلطنت بھی مرہٹوں کی یورش سے محفوظ نہیں ہے۔ اب اس نے نواب نظام الملک کو فرمان پر فرمان بھیجنا شروع کئے کہ دہلی آکر معاملات کو سنبھالو۔ نواب نظام الملک ہفت ہزاری

---

[1] گلشن عجائب۔

[2] سیر المتاخرین جلد ۲ صفحہ ۴۶۲ ۴۔

منصب سے سرفراز کیا گیا اور وکیل مطلق کے عہدے پر فائز کیا گیا چنانچہ نواب نظام الملک جو سلطنت مغلیہ کے حقیقی خیرخواہ تھے نواب ناصر جنگ کو دکن میں اپنا نائب مقرر کر کے شمالی ہند کو روانہ ہو گئے اور ۱۴ جولائی ۱۷۳۷ء کو دہلی پہنچے۔ فضل علی خاں نے ان کی آمد کی تاریخ اس طرح نکالی:[۱]

صد شکر کہ ذات دین پناہی آمد ∗ رونق دہ ملک بادشاہی آمد
تاریخ رسیدنش بگوشم ہاتف ∗ گفت آیت رحمت الٰہی آمد

بادشاہ نے آگرے کی صوبہ داری پر جس پر راجا جے سنگھ متعین تھا اور مالوے کی صوبہ داری پر جو عملاً راجا جے سنگھ نے باجی راؤ کے تفویض کر دی تھی نواب نظام الملک کو مقرر کر دیا، اس لئے کہ اس کی نظر میں اب سوائے ان کے کوئی دوسرا شخص ایسا نہ تھا جو مرہٹوں سے نپٹ سکتا۔

نواب نظام الملک نے شاہی افواج کی ترتیب و تنظیم کا کام نہایت وسیع پیمانے پر شروع کر دیا اور مہینہ بھر بعد مالوے کی طرف کوچ کیا تاکہ ان کے زور کو توڑا جائے اور ان کے وجود کا پول کھولا جائے۔ نواب نظام الملک کے ساتھ جو شاہی فوج مالوے روانہ ہوئی اس میں راجپوتوں کی تعداد زیادہ تھی۔ نواب نظام الملک دسمبر ۱۷۳۷ء میں بھوپال پہنچے۔ باجی راؤ بھی ایک زبردست لشکر لے کر مالوے پر بڑھا۔ دونوں لشکروں کا بھوپال کے قریب مقابلہ ہوا۔ مرہٹوں نے قزاقانہ طریقے پر چھاپے مارنے شروع کئے۔ وہ نواب نظام الملک کے توپ خانے کی زد سے بچ بچ کر حملے کرتے اور شاہی فوج کو نقصان پہنچا کر پھر بھاگ جاتے۔ پھر انھوں نے چاروں طرف دیہات میں رسد کے تمام راستے بند کر دیئے بالآخر یہ حالت ہو گئی کہ نواب نظام الملک کی فوج کو کسی طرف سے بھی غلے کا ایک دانہ اور گھانس کا ایک تنکا نہیں مل سکتا تھا۔ صفدر جنگ کے تحت جو کمک آرہی تھی اسے راستے ہی میں ملہار راؤ ہلکر نے شکست دے کر پسپا کر ڈالا۔ نواب نظام الملک نے نواب ناصر جنگ کو مالوے آنے

---

[۱] مآثر الکرام جلد ۲ صفحہ ۱۲۷

سے پہلے لکھا تھا کہ وہ دکن کی طرف سے فوراً فوج کشی کردیں تاکہ باجی راؤ دونوں طرف سے گھر جائے لیکن تاپتی کے کنارے پر باجی راؤ کا بھائی چمناجی اپا پہلے ہی سے زبردست لشکر لئے ہوئے پڑا تھا کہ اگر دکن سے کمک روانہ ہو تو راستے ہی میں اس کو پسپا کردے غرض کہ نواب نظام الملک کو نہ شمال سے کوئی کمک پہنچی اور نہ دکن سے پھر باجی راؤ کے لشکر کی تعداد نواب نظام الملک کی فوج سے کئی گنی زیادہ تھی۔ ان حالات میں سوائے اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ مصالحت کرلی جائے۔ باجی راؤ نے جب نواب نظام الملک کی کمزوری کا پتا چلا لیا تو اس نے حملہ کرکے انہیں بالکل زچ کرنے کی کوشش کی لیکن نواب نظام الملک کے توپ خانے نے اسے آگے نہیں بڑھنے دیا۔ چنانچہ باجی راؤ نے اپنے بھائی چمناجی اپا کو ایک خط میں لکھا تھا۔ "اپا تم جانتے ہو کہ ان کا (نواب نظام الملک کا) توپ خانہ کیسا ہے"[1] غرض کہ جب باجی راؤ نے دیکھا کہ لڑائی میں نواب نظام الملک کو زچ کرنا ممکن نہیں تو وہ بھی مصالحت پر آمادہ ہوگیا۔ چنانچہ ۱۶ھ جنوری ۱۷۳۸ء کو دوری سرائے میں معاہدہ ہوگیا جس کی رو سے نواب نظام الملک نے باجی راؤ کے حقوق سقند راتہ دریائے نربدا اور دریائے چمبل کے درمیان کے علاقوں میں تسلیم کرلئے جہاں عملی طور پر مرہٹے پہلے ہی سے حاوی ہو چکے تھے۔ اس کے علاوہ نواب نظام الملک نے وعدہ کیا کہ وہ پوری کوشش کریں گے کہ محمد شاہ سے ۵۰ لاکھ روپے بطور تاوان دلوائیں۔

اسی اثنا میں نادر شاہ نے ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر حملہ کردیا تھا اور وہ لاہور ہوتا ہوا دہلی کے قریب پہنچ چکا تھا جس وقت نواب نظام الملک شاہی فوج لئے ہوئے مالوے میں مرہٹوں کے مقابلے میں خیمہ زن تھے تو محمد شاہ کے خطوط برابر انہیں مل رہے تھے کہ جس طرح بھی ہوسکے فوراً باجی راؤ سے صلح کرکے دہلی واپس آجاؤ اور نادر شاہ کے مقابلے کی تیاری کرو۔ چنانچہ

---

[1] گرانٹ ڈف جلد ۲، صفحہ ۴۴۴۔

نواب نظام الملک نے باجی راؤ سے مصالحت کرنے میں جو جلدی کی اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی ورنہ اگر وہ چاہتے تو کچھ دن اور باجی راؤ کا مقابلہ کر سکتے تھے۔[1]

باجی راؤ نے نواب نظام الملک سے جو شرائط تسلیم کرائے ان کی بدولت وہ ایسا اترایا کہ مالوے سے واپسی پر اس نے دکن کی طرف فوج کشی کردی، اس واسطے کہ وہ جانتا تھا کہ نواب نظام الملک وہاں موجود نہیں ہیں۔ لیکن نواب ناصر جنگ نے آگے بڑھ کر دریائے گوداوری کے کنارے اس کا مقابلہ کیا۔ باجی راؤ نے مرہٹوں کے جنگ کرنے کے پرانے طریقے کے بجائے صف بندی کر کے اس موقع پر نواب ناصر جنگ سے لڑنے کی ٹھانی۔ لیکن مرہٹہ سپاہی جم کر لڑنے کے عادی نہ تھے۔ باجی راؤ نے سخت شکست کھائی۔ نواب ناصر جنگ نے اس کا احمد نگر تک پیچھا کیا اور اس کو معاہدہ کرنے پر مجبور کردیا۔ معاہدے میں یہ طے ہوا کہ طرفین آئندہ سے ایک دوسرے کے ملک پر یورش نہیں کریں گے۔ باجی راؤ کی اس شکست کا ذکر ایسٹ انڈیا کمپنی کی مراسلت میں بھی ملتا ہے۔[3]

اس شکست کا باجی راؤ پر بہت برا اثر ہوا۔ اس کے حوصلے پست ہوگئے۔ نواب نظام الملک سے اپنی شرائط منوا کر اس نے جو سرخروئی حاصل کی تھی اس پر پانی پھر گیا۔ وہ اس قدر نادم تھا کہ راجا ساہو کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنی جاگیر کو جو دریائے نربدا کے کنارے واقع تھی چلا گیا اور وہیں بخار میں مبتلا ہو کر ۲۸ اپریل سنہ ۱۷۴۰ء کو وفات پائی۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا بالاجی پیشوا بنا۔ باجی راؤ نے مرہٹوں کی قوت کو بہت بڑھا دیا۔ وہ سلطنت مغلیہ کی جگہ مرہٹہ سلطنت قائم کرنے کا خواب دیکھتا رہا لیکن اس نے جن بنیادوں پر اس کی عمارت اٹھانی چاہی وہ بہت بودی اور کمزور

۱؎ مآثر الکرام جلد ۲ صفحہ ۸۷ و تاریخ مظفری۔

3. Country Correspondence, Records of Fort, St. George, 1740 ء

تھیں۔ مرہٹہ سردار بہت جلد ایک دوسرے کے دشمن بن گئے اور ان کی سلطنت دیرپا ثابت نہیں ہوئی۔ اس لئے بجائے مرہٹوں کے انگریز مغلوں کے جانشین ہوئے۔

نادرشاہ نے جب ۱۷۳۸ء میں دہلی پر حملہ کیا تو نواب نظام الملک دہلی پہنچ چکے تھے۔ جب نادرشاہ دہلی کے قریب پہنچا تو محمد شاہ خواب غفلت سے ذرا چونکے۔ شاہی فوج کی ترتیب کا حکم دیا۔ نواب نظام الملک کو ہراول کی سرکردگی سپرد ہوئی۔ پانی پت کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ نواب نظام الملک شاہی افواج کی استعداد سے بخوبی واقف تھے۔ دوسرے فوجی سرداروں کے مشورے سے پہلے پایا کہ نادرشاہ سے مصالحت کر لی جائے اور اور خواہ مخواہ خون نہ بہے۔ محمد شاہ نے نادرشاہ کو دو کروڑ روپیہ دینے کا وعدہ کیا۔ دہلی میں شاہی مہمان کی حیثیت سے اس کی دعوت کے انتظامات وسیع پیمانے پر شروع کر دیئے گئے۔ دہلی میں بعض غیر ذمہ دار لوگوں نے یہ خبر مشہور کر دی کہ نادرشاہ قتل کر دیا گیا۔ کچھ ایرانی سپاہی بھی مارے گئے۔ اس پر نادرشاہ نے قتل عام کا حکم دے دیا۔ ایرانیوں نے دہلی کو دل کھول کر لوٹا اور بازاروں کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالا۔ دہلی والے جو اب تک بچے ہوئے تھے نواب نظام الملک کی طرف رجوع ہوئے اور سعی سفارش کی درخواست کی۔ چنانچہ نواب نظام الملک کے کہنے پر نادرشاہ نے قتل عام بند کرنے کا حکم دیا۔ اس موقع پر نواب نظام الملک نے یہ شعر پڑھا تھا جس کا اثر نادرشاہ پر ہوا۔

کسے نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی ✦ مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

نادرشاہ نے دہلی کی دولت سے اپنے اونٹوں کو لاد کر ایران کا راستہ لیا۔ جب وہ دہلی سے رخصت ہو رہا تھا تو اس نے نواب نظام الملک کو سلطنت دہلی پیش کی اور کہا کہ تم اس کے مستحق ہو۔ لیکن نواب عالی جناب نے کہا کہ میرے بزرگوں نے قدیم سے شاہان دہلی کی ملازمت کی ہے۔ میں اگر ایسا کروں گا تو نمک حرام کہلاؤں گا۔[1]

---

[1] مآثر نظامی۔

اس سے نادر شاہ کے دل میں نواب نظام الملک نے عزت کی جگہ حاصل کر لی اور اس نے ان کی بڑی آفرین کی۔

جس زمانے میں نادر شاہی حملے سے دہلی میں کہرام مچا ہوا تھا دکن میں بعض بد طینت لوگوں نے نواب ناصر جنگ کو باپ کے خلاف اکسایا اور یہ باور کرا دیا کہ نواب نظام الملک دہلی میں مرکزی حکومت کے درو بست میں مصروف ہیں۔ باجی راؤ فوت ہو گیا۔ اب دکن میں آپ بلا خرخشہ کے حکومت کیجئے۔ نواب ناصر جنگ کی جوانی کا زمانہ تھا۔ اس پر خواہش حکمرانی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ علانیہ اپنے صوبہ دار دکن ہونے کا اعلان کر دیا۔ جب نواب نظام الملک کو جواں سال بیٹے کی بے راہ روی کا علم ہوا تو انھوں نے اگست ۱۷۴۰ء میں بادشاہ سے دکن جانے کی اجازت مانگی۔ راستے میں برہان پور میں دو ماہ قیام کر کے فوج بھرتی کی اور سیاسی صورت حالات کا جائزہ لیا۔ نواب ناصر جنگ کو ناصحانہ کلمات لکھے اور اپنی طفلانہ حرکتوں سے باز آنے کی فہمایش کی۔ لیکن جب کسی بات کا اثر نہ ہوا تو جنگ کی تیاری کی جیسا کہ نواب نظام الملک نے محمد شاہ کو ایک خط میں لکھا تھا کہ "جب فدوی نے دیکھا کہ اس نوجوان کا مزاج فاسد کسی دوا سے اچھا نہیں ہوتا تو فدوی نے اس اصول کے بموجب کہ "آخر الدواء الکی" (آخری علاج داغ دینا ہے) اس کے مقابلے کے لئے فوج فراہم کرنی شروع کی جو قلیل عرصے میں بہت کچھ جمع ہو گئی۔[1]

جب نواب نظام الملک کے برہان پور سے اورنگ آباد کی طرف روانہ ہونے کی خبر دکن میں مشہور ہوئی تو نواب ناصر جنگ کے بہت سارے حامی نواب عالی جناب سے مل گئے۔ نواب ناصر جنگ نے اورنگ آباد کے قریب اپنی فوج کی ترتیب شروع کی لیکن نواب نظام الملک کے رعب سے محتشم خاں، شیخی اور خان عالم وغیرہ کے علاوہ دوسرے سرداروں نے راہ فرار اختیار کی۔ نواب ناصر جنگ پر ان حالات کو دیکھ کر ایسی مایوسی طاری ہوئی کہ انھوں نے نواب عالی جناب کا مقابلہ کرنے کا خیال ترک کر دیا اور فقیری لباس پہن کر حضرت شاہ برہان الدین

---

[1] حدیقۃ العالم - جلد ۲ - صفحہ ۱۶۸ -

سے روضے میں گوشہ نشین ہو گئے۔ لیکن بعض ناعاقبت اندیش مصاحبوں نے نواب ناصر جنگ کو کو آمادۂ پیکار کرنے کی کوشش برابر جاری رکھی۔ فتحیاب خاں نے نواب ناصر جنگ کو فتحمندی کی توقع دلائی اور اورنگ آباد کے قریب صف بندی شروع کرکے نواب ناصر جنگ کو گوشۂ عزلت سے نکال کر لشکر کی سرگروہی کے لیے لائے نواب ناصر جنگ اور نواب نظام الملک کے لشکروں کا مقابلہ ۲۳۔ جولائی ۱۷۴۱ء دولت آباد کے قریب ہوا۔ نواب ناصر جنگ اور ان کے ساتھیوں کے پاؤں چند گھنٹے کے مقابلے کے بعد اکھڑ گئے۔ اکثر سپاہی خوف و ہراس کے مارے بھاگ کھڑے ہوئے۔ نواب ناصر جنگ کے ہاتھی کا فیل بان زخمی ہو کر زمین پر گرا تو وہ خود فیل بان کی جگہ آکر بیٹھ گئے۔ وہ ابھی بیٹھے ہوئے زخم نواب ناصر جنگ کو آئے اس وقت متوسل خاں نے جو نواب نظام الملک کے داماد تھے نواب ناصر جنگ کو ختم کرنے کے ارادے سے اپنا ہاتھی ان کے ہاتھی کی طرف بڑھایا۔ لیکن ان کے بیٹے ہدایت محی الدین نے جو بعد میں نواب مظفر جنگ کے خطاب سے مشہور ہوئے باپ کا ہاتھ روک لیا۔ یہ وہی ہدایت محی الدین خاں (نواب مظفر جنگ) ہیں جو نواب نظام الملک کے انتقال پر نواب ناصر جنگ کے مقابلے میں صوبہ داری دکن کے دعویدار ہوئے تھے۔ غرض کہ نواب ناصر جنگ کو چاروں طرف سے گھیر کر سید لشکر خاں نے اپنے ہاتھی کو ان کے ہاتھی کے پاس لے جاکر اور انھیں سمجھا بجھا کر اپنے ہاتھی پر بٹھا لیا۔ نواب نظام الملک کے لشکر میں فتح کے شادیانے بجائے گئے اور باپ بیٹے کی لڑائی کا خاتمہ ہوا۔ نواب ناصر جنگ جب نواب نظام الملک کے سامنے پیش کیے گئے تو انھیں خجالت سے نیچی تھیں اور یہ شعر ورد زباں تھا۔

کاش کے مادر نزادے یہ بدے ۔ جا نشینم زہر دادے یہ بدے

شفقت پدری نے زور کیا لیکن نواب نظام الملک نے ضبط سے کام لیا۔ کچھ دنوں بعد نواب نظام الملک نے نواب ناصر جنگ کا قصور معاف کر دیا اور خلعت خاص سے سرفراز کیا۔

جب نواب ناصر جنگ سید لشکر خاں کے ہاتھی پر بیٹھ کر نواب نظام الملک کے خیمہ کی طرف جا رہے تھے تو سعد اللہ خاں وزیر اعظم شاہ جہاں کے بیٹے

عزت اللہ خاں نے جن کی صمصام الدولہ شاہ نواز خاں سے بہت بے تکلفی تھی اور اس موقع پر دونوں ایک دوسرے کے مدمقابل تھے مذاق کے طور پر دریافت کیا کہ بیٹا تو باپ کے گھر جاتا ہے۔ اب تم کہاں جاؤ گے۔ جو کچھ رفاقت کا حق تھا ادا کر چکے اب کنارہ کشی اختیار کرو۔ چنانچہ شاہ نواز خاں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور کئی سال تک ان کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ نواب نظام الملک کا سامنا کرتے۔ اس عزلت گزینی کے زمانے میں انھوں نے پانچ سال کی محنت سے ماثر الامرا لکھی جو سلطنت مغلیہ کے امرا کے حالات پر نہایت مستند کتاب مانی جاتی ہے۔ بعد میں نواب نظام الملک نے شاہ نواز خاں کو صوبہ برار کی دیوانی پر متقرر کر دیا تھا۔

اورنگ آباد میں چند سے قیام کے بعد نواب نظام الملک حیدرآباد میں رونق افروز ہوئے۔ نواب عالی جناب کا دستور تھا کہ دو سال سے زیادہ کسی عہدہ دار کو ایک جگہ نہیں رہنے دیتے تھے اس واسطے کہ ایسا کرنے سے اکثر بدنظمی پھیلنے کا اندیشہ ہوتا تھا۔ چنانچہ عضدالدولہ عوض خاں کے بیٹے خواجہ مومن خاں کو حیدرآباد کا صوبہ دار مقرر کیا۔ نانڈیڑ اودھوتی۔ اور رانچی وغیرہ کے نئے فوجدار مقرر کئے۔ اس دورے سے اورنگ آباد واپسی پر کچھ دن قیام کیا تھا کہ کرناٹک کی بدنظمی کی اطلاع ملی۔ چنانچہ نواب ناصر جنگ کو ہمراہ لے کر اسی ہزار سوار اور دو لاکھ پیادوں سمیت کرناٹک کی طرف ۱۷۴۳ء کے شروع میں کوچ کر دیا۔ اودھوتی میں ہمت خاں نے شرف ملازمت حاصل کیا اور بقایا محصول ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ کرنول کی فوجداری بھی اس کے نام پر بحال کی گئی۔ یہاں سے ارکاٹ پہنچے۔ اس زمانے میں ترچناپلی کے قلعے پر مرہٹوں کا قبضہ تھا۔ چنانچہ نواب عالی جناب نے اگست ۱۷۴۳ء میں ترچناپلی کے قلعے کا محاصرہ کر کے فتح کر لیا اور بادشاہ کا جھنڈا اس کے دروازے پر بلند کر دیا۔ خواجہ عبداللہ خاں کو ترچناپلی کا حاکم مقرر کیا گیا۔

لے انند رنگا پلے کی ڈائری۔ جلد ا صفحہ ۲۲۳۔

نواب نظام الملک نے کرناٹک میں مارچ ۱۷۴۴ء تک قیام کیا اور قرار واقعی انتظامات کئے۔ اس اثنا میں انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی اور فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کے نمایندوں نے پوری کوشش کی کہ نواب عالی جناب سے مشرقی ساحل پر کچھ رعایات و حقوق حاصل کریں اور اپنی تجارت کو فروغ دینے کا سامان بہم پہنچائیں۔ چنانچہ فورٹ سینٹ جارج کی کونسل نے نواب نظام الملک کی خدمت میں ایک وفد بھیجا اور تیرہ ہزار پگوڈا کی قیمت کے تحائف پیش کئے۔ اسی طرح فرانسیسیوں نے بھی نواب عالی جناب کی خدمت میں وفد بھیجا اور تحفے تحائف نذر گزرانے۔ نواب نظام الملک نے دونوں قوموں کی گزارشات پر غور فرمانے کا وعدہ کیا۔ وہ جانتے تھے کہ ان دونوں میں سخت رقابت اور کشمکش جاری ہے اگر ایک کو مراعات دی گئیں تو دوسرے کو بھی دینا پڑیں گی۔ اس واسطے انھوں نے غیر جانبداری اختیار فرما کر دونوں میں سے کسی کو کوئی خاص رعایات نہیں دیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی مجلس نظما کو نواب عالی جناب کے اس طریق کار پر بہت مایوسی ہوئی۔ انھیں قلق اس بات کا بہت زیادہ تھا کہ اس قدر قیمتی تحفے تحائف دینے کے باوجود کچھ حاصل نہ ہوسکا۔ چنانچہ انھوں نے مدراس کونسل کو اس کی نسبت ان الفاظ میں فہمائش کی:-

ا؎ کونسل فورٹ سینٹ جارج کے صدر نے نواب نظام الملک کو جو خط لکھا تھا وہ مناسب تھا۔ اگرچہ اس کا اتنا اثر نہ ہوا جتنی کہ ہمیں توقع تھی۔ بلاشبہ آیندہ سے آپ لوگوں کا اور آپ کے جانشینوں کا یہ اصول ہونا چاہئے کہ کمپنی کو تحائف کے اخراجات سے اس وقت تک زیر بار نہ کیا جائے جب تک پہلے سے کوئی حقیقی فایدہ نہ حاصل ہو جائے۔ ابھی حال ہی میں جو کچھ پیش آیا اور جس طرح سے ہمارے مفاد کو نظر انداز کر دیا گیا اس کے بعد مسلمان حکمرانوں کو ہمارے اس طریق کار پر تعجب نہ کرنا چاہئے۔ مجلس نظما کی اس فہمائش

Despatches from England, 1744--47 (Records of Fort St. George) ا؎

سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے نقطۂ نظر کی کافی وضاحت ہوتی ہے۔ کم و بیش یہی نقطۂ نظر فرانسیسیوں کا بھی تھا۔

نواب نظام الملک نے خواجہ عبداللہ خان کو کرناٹک پائین گھاٹ کا ناظم مقرر کیا لیکن اس کے اچانک انتقال کے باعث انورالدین خاں گوپاموی کو اس خدمت پر سرفراز کیا گیا۔ انورالدین خاں بڑے ذی فہم اور تجربہ کار عہدہ دار تھے اور ایلور اور راجمندری کی فوجداری پر عرصے تک فائز رہنے کے باعث کرناٹک کے معاملات کا کافی وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ کرناٹک بالاگھاٹ کی نظامت پر نواب عالی جناب نے اپنے نواسے ہدایت محی الدین خاں کو نواب مظفر جنگ کا خطاب دے کر مقرر کیا۔ کرناٹک سے روانگی سے قبل نواب عالی جناب نے اعلان کر دیا تھا کہ کرناٹک کے نوابوں کے پرانے خاندان کے رکن سعید محمد خاں پسر صفدر علی خاں کو جب وہ سن بلوغ کو پہنچ جائے تو ناظم مقرر کر دیا جائے گا۔ لیکن سعید محمد خاں کے خلاف سازش ہوئی اور وہ قتل کر دیا گیا۔ جب اس حادثے کی اطلاع نواب نظام الملک کو ہوئی تو وہ انورالدین خاں پر بہت ناراض ہوئے اور کچھ برا بھلا بھی کہا اس واسطے کہ وہ سعید محمد خاں کو اس کی نگرانی میں چھوڑ آئے تھے۔ نواب نظام الملک انورالدین خاں پر اس قدر برہم تھے کہ وہ اس کو کرناٹک کی نظامت سے برطرف کرنا چاہتے تھے لیکن چونکہ کوئی دوسرا شخص امور کرناٹک میں تجربہ رکھنے والا موجود نہ تھا اس لئے اس کی نظامت کی توثیق کر دی گئی۔

جب سنہ ۱۷۴۴ء میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں یورپ میں جنگ چھڑی اور مدراس پر فرانسیسیوں نے قبضہ کر لیا تو شروع میں انورالدین خاں فرانسیسیوں کے طرف دار تھے۔ اس واسطے کہ موسیو ڈوپلے نے انورالدین خاں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ شہر مدراس کو اس کے حوالے کر دے گا لیکن چونکہ اس نے وعدہ خلافی کی اس لئے انورالدین خاں انگریزوں کے موافق ہو گئے۔ اس کے علاوہ انورالدین خاں کے انگریزوں کے موافق ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی

Despatches to England, 1743—45 (Records of Fort St. George) ۵؎

کہ انگریزوں نے اپنی مظلومیت ظاہر کرکے نواب نظام الملک اور نواب ناصر جنگ کو بڑی حد تک اپنا طرفدار بنا لیا تھا۔ مدراس کی بحری فوج کے کمانڈر اور فورٹ سینٹ ڈیوڈ کے گورنر کموڈور گریفن نے ۷ مارچ ۱۷۴۷ء نواب نظام الملک کو ایک عرضداشت بھیجی اور اس میں فرانسیسیوں کے ظلم و زیادتی کی شکایت کی اور ان سے اپیل کی کہ وہ انصاف کریں[1]۔ چنانچہ نواب نظام الملک نے انورالدین خاں کی توجہ اس جانب مبذول کرائی۔

ادھر پانڈی چیری کے فرانسیسی گورنر موسیو ڈوپلے نے بھی نواب نظام الملک کو انگریزوں کی زیادتیوں کے متعلق لکھا اور اپنے ایجنٹ امام صاحب کے ذریعے نواب عالی جناب اور نواب ناصر جنگ کو اپنے موافق کرنے کی کوشش کی[2]۔ لیکن مدراس پر فرانسیسیوں کا قبضہ ہو جانے سے صریحاً ان کی زیادتی تسلیم کی گئی اور انورالدین خاں کو اس کا تدارک کرنے کی ہدایات بھیج دی گئیں۔

نواب نظام الملک کے دربار میں فرانسیسیوں کا ایجنٹ امام صاحب تھا اور انگریزوں کا ایجنٹ متیا یا لونا مکم تھا۔ ثانی الذکر نے نواب ناصر جنگ کو ایک لاکھ پچوڈا نذرانے کے طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے پیش کیے تاکہ انورالدین خاں کو انگریزوں کی موافقت میں دربار دکن سے ہدایات بھیجی جائیں کہ وہ مدراس انگریزوں کو واپس دلانے کی کوشش کرے۔ اور اپنے علاقے میں سے کسی قسم کی رسد پانڈی چیری نہ جانے دے[3]۔

کرناٹک میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی کشمکش میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا جس کے نتائج بعد میں ہندوستان کی تاریخ کے لئے نہایت اہم ثابت ہوئے ۱۷۴۸ء میں نواب نظام الملک آصف جاہ اول نے برہان پور میں کچھ روز کی علالت کے بعد ۷۸ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ تاریخ وفات

---

[1] Mill, History of India Vol. 111. P. 73

[2] Martineau, Dupleix et L' Inde Francaise, 11, P. 283

[3] Country Correspondence, 1748 P. 4

متوجہ بہشت (۱۱۶۱ ہجری) سے نکلتی ہے۔ نواب ناصر جنگ بستر مرگ کے قریب تھے نواب ناصر جنگ کے علاوہ ضیاء الدین حسین خاں صدر الصدور، درگاہ قلی خاں داروغہ پیشکارہ اور منشی منسارام پیشکار بھی موجود تھے جن کے سامنے نواب مغفرت مآب نے اپنا وصیت نامہ تحریر کرایا۔ یہ وصیت نامہ اس سلطنت ابد مدت کا دستور اساسی ہے جس نے آئندہ خاندان آصف جاہی کے لیے مشعل ہدایت کا کام دیا۔ یہ وصیت نامہ نواب ناصر جنگ کے نام ہے اور بارہ کلمات پر مشتمل ہے جن کی تفصیل مندرجۂ ذیل ہے:-

(۱) رئیس دکن کو چاہیئے کہ وہ مرہٹوں سے جو اس ملک کے زمیندار ہیں موافقت اور صلح و آشتی سے پیش آئے۔

(۲) خدا کی مخلوق کے قتل و خون اور ان کی تباہی سے بچے کیونکہ وہ گیہوں اور جوار نہیں ہیں جن کی ہر سال کاشت کی جاتی ہے۔ مجرم کو قاضی کے حوالے کرنا چاہیئے جو اپنے فرائض منصبی کو عدل کے ساتھ بجا لائے۔

(۳) اپنی عمر کا بیشتر حصہ ملک کے دورے میں گزارنا چاہیئے کیونکہ سفر میں نئے مقامات اور نئے واقعات سے سابقہ پڑے گا۔ خیموں میں رہنے کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ اور وہیں انتظامی امور کا بندوبست کرنا چاہیئے۔ اہل فوج کو اپنے گھروں کو جانے کے لئے رخصت دینی چاہیئے تاکہ قطع نسل نہ ہونے پائے اور جہاں تک ہو سکے انھیں ان کے وطن سے قریب متعین کرنا چاہیئے۔

(۴) اپنے دینی فرائض ادا کرنے کے بعد خدا کا شکر کرو کہ اس نے تم کو حکومت سے نوازا اور انسانوں کے معاملات تمھارے سپرد کیئے۔ اپنے شاہی اقتدار کے نشہ میں حکومت کی ناپائداری اور بے ثباتی کو نہ بھول جاؤ۔ اپنے اوقات کو ایک نظام العمل کے تحت تقسیم کرو تاکہ کوئی وقت بیکار نہ جائے۔ کسی کام کو کل کے لئے اٹھا نہ رکھو۔ ایک کام میں الجھ کر دوسرے کو نظر انداز نہ کرو اور خاص طور پر نظم و نسق کے اصول اور تفصیلات پر نگاہ رکھو اس واسطے کہ تفصیلات کل ہی کا جزو ہوتی ہیں۔

(۵) ہمارے خاندان کی بنا اس وقت پڑی جب کہ بادشاہ (اورنگ زیب) نے ہمارے جد نواب عابد خاں مرحوم (قلیچ خاں) کو عہدۂ صدارت پر فائز کیا تھا اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس عہدے کا احترام کریں۔ مہمات کے وقت بزرگوں اور اولیاء سے استمداد کرو۔ سنت نبوی کے بموجب سلام میں پیش قدمی کرو۔ کیونکہ یہ ایمان کی تقویت کا باعث ہے اور اس سے دنیا میں اور عاقبت میں اجر عظیم حاصل ہوگا۔

(۶) زمین اور آسمان اور مخلوقات کو خدائے بزرگ و برتر نے پیدا کیا ہے اس لئے بادشاہ کے لئے لازم ہے جو دنیا میں خدا کا نائب ہے کہ وہ خدائے قدوس کی شان و جبروت پر غور و فکر کرے اور تمام روئے زمین کو اپنا سمجھ کر کسی کا حق تلف نہ کرے۔ حکمراں بہ حیثیت امین ہے لہذا اس کا فرض ہے کہ وہ شکر گزار ہو اور کسی کی میراث پر جبر و استبداد سے خود تصرف حاصل نہ کرے ورنہ قیامت کے دن اس کو جواب دہ ہونا پڑے گا۔

(۷) دکن چھ صوبوں پر مشتمل ہے جو قدیم زمانے سے علحدہ علحدہ حکمرانوں کے تحت رہے ہیں۔ ان صوبوں کے وزراء امرا اور عہدہ دار علحدہ علحدہ ہوا کرتے تھے اور ان میں ہر ایک کی الگ الگ فوجیں تھیں لیکن حضرت خلد مکاں (اورنگ زیب عالمگیر) نے ان صوبوں کو ایک حکمراں کے تحت کر دیا اس لئے ضروری ہے کہ قدیم حکمراں خاندانوں کی عزت افزائی کی جاتی رہے اور ان کے افراد کو بلا ترجیح ملازمت میں لیا جائے۔ لیکن کسی کو ایک خدمت سے زیادہ پر مامور نہ کیا جائے ورنہ کام میں خلل پڑے گا۔ اپنے مشیروں کو متنبہ کرو کہ وہ شخصیں رعیت کے معاملات کے متعلق برابر مطلع کرتے رہیں۔

(۸) حکومت دکن سلطنت مغلیہ کے زیر اقتدار ہے اس لئے مغل شہنشاہوں کا احترام کرنا چاہیئے کہ وہ ظل اللہ ہیں۔ اس کے خلاف عمل کر کے اپنے آپ کو گنہگار نہ بنا و۔ جب نادر شاہ والی ایران دہلی میں آیا تھا تو اس نے اپنی عنایت سے مجھے ہندوستان کی سلطنت دینی چاہی تھی مگر میں نے اس کے استفسار کے جواب میں کہا تھا کہ مجھے اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا سوائے اس کے

کہ میں حکمراں مشہور ہو جاؤں اور آپ پر بھی بدعہدی کا داغ لگ جائے" میرے اس جواب پر اس نے بہت آفریں کی تھی۔ دوسرے روز نادر شاہ مجھے مختار کل بنا کر دہلی سے روانہ ہو گیا۔

(۹) اعلیٰ عہدوں پر کم رتبہ لوگوں کو اور ادنیٰ قسم کے کاموں پر اعلیٰ لوگوں کو مقرر نہ کرو کہ ان دونوں حالتوں میں مملکت کے کاموں میں خلل واقع ہوگا۔ لیکن شاید تم مجھ سے پوچھو کہ میں نے پورن چند کو جو کم رتبہ شخص تھا دیوانی کی خدمت پر کیوں مقرر کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امرا میں سے کوئی بھی اس خدمت کو قبول کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ اس لئے کہ دیوان کو بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ ان امرا کی ناشکرگزاری اور خودغرضی کے سبب سے انھیں سزا دینے کی خاطر پورن چند کو دیوان مقرر کیا گیا۔ پورن چند نے اپنے آپ کو نہایت کارگزار شخص ثابت کیا اور اپنے پیشروؤں سے زیادہ مالگزاری جاگیرداروں سے وصول کی۔ میری رائے میں ابھی اس کو تین سال اور کام کرنے کا موقع ملنا چاہئے۔

(۱۰) جنگ میں حتی المقدور سبقت نہیں کرنی چاہئے چاہے وہ جنگ حصول دولت کے لئے کی گئی ہو یا فتوحات کے لئے۔ ظاہری شان دکھانے یا اپنے جنگجویانہ جذبات کو ظاہر کرنے کی غرض سے کبھی جنگ نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ بات خدائے عزوجل کو پسند نہیں ہے۔

جہاں تک ہو سکے جھگڑوں اور فسادکو رفع دفع کرتے رہو تاکہ معاملات روبراہ رہیں۔ لیکن اگر ایسا کرنے سے کوئی نتیجہ نہ نکلے اور فریق ثانی اسے کمزوری پر محمول کرے تو سوائے مقابلے کے کوئی چارہ باقی نہیں رہتا۔ ایسی صورت میں خدا سے مدد مانگو اور دشمن کو میدان جنگ میں نیچا دکھانے کی سعی کرو۔ تمھاری کوشش ہونی چاہئے کہ تمھارے سپاہیوں کی جانیں حتی الامکان ضائع نہ ہوں۔ مستقل مزاجی سے تائید ایزدی کے طلبگار ہو کر میدان جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرو۔

(۱۱) جب سے میں سن تمیز کو پہنچا ہوں اس وقت سے میرا تجربہ یہ ہے کہ دکن کے باشندوں میں برہان پور اور بیجاپور کے لوگ سب سے کم قابل اعتماد

ہوتے ہیں جس طرح ہندوستان میں کشمیر، گجرات اور سرحد کے لوگ۔ ان سے دور رہنا اچھا ہے اور ان کی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔

(۱۲) حکومت کے وسائل اور خزانے کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے اور اُن پر نگرانی رکھنی چاہیے۔ اگر میرے طریق کار پر عمل کیا گیا اور حکومت کے اخراجات اتنے رہے جتنے اب ہیں تو یہ وسائل اتنے کافی ہیں کہ آیندہ سات پشتوں تک کفایت کریں گے۔ لیکن اگر اس ضمن میں تم نے اپنی جداگانہ راہ اختیار کی تو سال دو سال میں جو کچھ خزانے میں موجود ہے وہ سب ختم ہو جائے گا۔

(۱۳) خزانے کو اپنے ساتھ رکھنا اس واسطے ضروری ہے کہ فتنہ و فساد کے وقت سپاہ اپنی تنخواہ مانگتی ہے۔ اگرچہ سپاہ کی تنخواہ تین مہینے سے زیادہ بقایا کبھی نہیں رہی لیکن ضرور ہے کہ ان کی دلجمعی کے لیے ہر وقت اس کی ادائی کا انتظام رہنا چاہیے۔

(۱۴) میری اولاد اور جانشینوں کا یہ فرض ہے کہ میری عزت کی خاطر میرے محل کا بدستور احترام رکھیں۔

(۱۵) دکن کے برہمنوں کے دو قاید ہیں سورج اور رام داس جو حکومت کی عمارت کو منہدم کرنے والے ہیں۔ میں نے انھیں قلعہ ظفر نگر (گول کنڈہ) میں قید کر دیا ہے۔ انھیں قید رکھنا حکومت کی خوش انتظامی اور امن کے لیے ضروری ہے۔

(۱۶) اپنے چھوٹے بھائیوں کے ساتھ اسی طرح سلوک کرنا جیسا اپنے بیٹوں کے ساتھ کرتے ہو۔ ان کی تعلیم و تربیت کا پورا خیال رکھو اور انھیں اپنا ہی خواہ بنا کر ان کے مرتبے کو بڑھاؤ۔ وہ سلطنت کے لیے قوت اور عزت کا موجب ہیں۔ ہدایت محی الدین خان ہماری ہی اولاد میں سے ہے۔ وہ تمہارے لیے قوت کا موجب ہوگا۔

لطف و کرم سے اُس کو اپنا طرفدار بنا لو۔ غیبت کرنے والوں کی باتوں پر کان مت دھرو اور بدنما کو اپنی قربت کا موقع نہ دو۔ شرعی احکام کی ہمیشہ پابندی کرو۔

(۱۷) اے بابا! ممالک کے کاروبار کو سنبھالنے کے لیے اپنے آدمی مقرر کرو اور اُن پر بھروسا کرو۔ اب تمھیں خدا کے سونپا، وہی تمھیں ہدایت کرے گا اور تمھارا اصلی مددگار رہے گا۔

نواب نظام الملک کے اخلاق کریمانہ اور آپ کے خصائل و عادات امیرانہ تھے۔ وضع داری کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ طبیعت میں انتہائی سیر چشمی اور فیاضی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ لیکن باوجود اس کے سلطنت کا خزانہ ہمیشہ بھرا ہوا رہا جو آپ کی خوش انتظامی پر دلالت کرتا ہے۔ آپ کو رعایا پروری اور آسائش خلق کا ہمیشہ خیال رہتا تھا۔ زندگی میں سادگی پائی جاتی تھی۔ نمود و نمائش سے نفرت فرماتے تھے۔

نواب نظام الملک کی ابتدائی زندگی اورنگ زیب کے زیر تربیت رہی تھی چنانچہ جب نواب مغفرت مآب صاحب اقتدار ہوئے تو بھی ہمیشہ اورنگ زیب کی زندگی کے نمونے کو اپنے سامنے رکھا۔ اورنگ زیب کی طرح نواب نظام الملک بھی اعلیٰ درجے کے سپہ سالار اور مدبر تھے اور اُسی کی طرح نہایت جفاکش اور محنتی تھے۔ بڑھاپے میں بھی سینکڑوں میل سفر کرتے اور مہمات کا انتظام کرتے تھے۔ اورنگ زیب کی طرح نواب مغفرت مآب کے مقاصد حیات شخصی نہ تھے بلکہ مفاد مملکت سے وابستہ تھے۔ مملکت کے مفاد کے آگے اپنے اور پرائے میں کوئی فرق نہ کرتے تھے جو عدل کی بنا ہے۔

نواب نظام الملک کو اپنی ذات پر کامل طور پر اعتماد تھا۔ انھیں یقین تھا کہ دکن کو مرہٹوں کے تسلط سے سوائے اُن کے اور کوئی دوسرا امیر نہیں بچا سکتا۔ اسی لیے انھوں نے اپنی مساعی کا مرکز دکن کو قرار دیا

اور سلطنت ابد مدت کی بنا ڈالی۔ اگر وہ دکن کے نظم و نسق کو اپنے ہاتھ میں نہ لیتے تو چند سال میں مرہٹے یہاں پوری طرح حاوی ہو جاتے۔ دراصل ذوالفقار خاں اور امیر الامرا حسین علی خاں نے راجا ساہو سے جو معاہدے کیے تھے ان کی رو سے مرہٹوں کو دکن میں بہت کچھ اختیارات حاصل ہو گئے تھے جنھیں نواب نظام الملک نے اپنی خوش تدبیری سے بے اثر کر دیا۔ دکن کے سیاسی حالات کا انھیں بچپن سے تجربہ حاصل تھا جس سے انھیں اپنے قیام اقتدار میں بڑی مدد ملی۔ اگرچہ انھوں نے کوئی نئے علاقے فتح نہیں کیے اس لیے کہ اورنگ زیب کے عہد میں فتوحات کی تکمیل ہو چکی تھی لیکن ان کا سب سے زبردست کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے دکن اور جنوبی ہند کے مفتوحہ علاقوں کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

نواب نظام الملک طبعاً علم دوست تھے اور علما کی صحبت کو پسند فرماتے تھے۔ ترکی اور فارسی میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ تورانی سپاہ سے ہمیشہ ترکی زبان میں گفتگو فرماتے تھے۔ فارسی میں شعر کہتے اور شاکر تخلص فرماتے تھے۔ فارسی دیوان شایع ہو چکا ہے۔ طبیعت رحم و کرم کی طرف زیادہ مائل تھی۔ حتی المقدور لڑائی سے بچتے تھے لیکن اگر مجبور ہو جاتے تو تلوار اٹھاتے اور تدابیر جنگ اختیار فرماتے تھے۔ ماتحتوں کے قصوروں سے چشم پوشی فرماتے۔ آپ نے نہ صرف نواب ناصر جنگ کے قصوروں کو معاف فرما دیا تھا بلکہ ان کے رفقا کے جرایم سے بھی درگزر کی۔ جب دیوان نے ان امرا کے خطوط پیش کیے جنھوں نے نواب ناصر جنگ کو نواب نظام الملک کے خلاف اکسایا تھا تو آپ نے بغیر دیکھے ہوئے ان خطوط کو پانی سے دھلوا دیا تاکہ کسی کو بعد میں پتا نہ چل سکے کہ ان میں کیا لکھا تھا۔

نواب نظام الملک کاردان لایق اور محنتی لوگوں کو اعلیٰ خدمات پر مامور فرماتے اور اہل کمال کی بڑی قدر افزائی فرماتے تھے۔ خود اندرونی علاقوں کا باوجود پیرانہ سالی کے دورہ فرماتے اور عمال کو تاکید فرماتے کہ

دورہ کرکے رعایا کی اصلی حالت کا پتا چلائیں اور اُن کی شکایات کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ وصیت نامے میں بھی اپنے جانشینوں کو ملک کا دورہ کرنے کی تاکید کی ہے کہ عدل و انتظام دونوں میں اس سے مدد ملتی ہے۔ نواب مغفرت آب نے عدل و نظم کی جن مضبوط بنیادوں پر اپنی سلطنت ابد مدت کی عمارت کھڑی کی وہ بحمد اللہ باوجود گردش روزگار کے جھٹکوں اور طوفانوں کے آج تک قایم و برقرار ہے۔



تیسرا باب

نواب نظام الملک آصفجاہ اوّل کی جانشینی کا جھگڑا اور اہلِ یورپ کی مداخلت

آنندرنگا پلے کی یہ پیشین گوئی بالکل صحیح نکلی کہ نواب نظام الملک آصفجاہ اوّل اگر نہ رہے تو دکن اور جنوبی ہند سخت بدنظمی کا شکار ہو جائے گا۔[۱] نواب مغفرت مآب کی شخصیت اور اقبال کی بدولت بہت سے فتنے دبے ہوئے تھے۔ جب وہ نہ رہے تو سوتے ہوئے فتنے جاگ اُٹھے اور بدنظمی کی بجھی ہوئی چنگاریاں بھڑک اُٹھیں جنھوں نے آیندہ کئی سال تک دکن اور جنوبی ہند کے خرمنِ امن کو جلاکر خاکستر کر دیا۔ اس ابتری سے اہلِ یورپ نے جو اب تک اپنی کوٹھیوں میں تجارت

---

۱ The Diary of Ananda Ranga Pillai, V,p. 41.

کیا کرتے تھے پورا فایدہ اُٹھایا اور ہندوستان میں اپنے اقتدار کا ڈول ڈالا۔

نواب مغفرت مآب کے انتقال کے وقت اُن کے دوسرے فرزند نواب ناصر جنگ بستر مرگ کے قریب موجود تھے۔ امرائے سلطنت اور فوج نے اُنھیں صوبہ دار دکن تسلیم کر لیا۔ نواب مغفرت مآب نے جو خزانہ چھوڑا تھا اُس پر بھی اُنھیں تصرف حاصل ہوا۔ باپ کی موت کی وجہ سے تین دن نوبت کا بجنا موقوف رکھا گیا تھا۔ چوتھے دن نواب ناصر جنگ نے نوبت بجوا کر اپنی دکن کی صوبہ داری کا اعلان کیا اور برہان پور سے اورنگ آباد روانہ ہو گئے۔ اُنھوں نے شاہ نواز خاں صمصام الدولہ کو جو امور ملکی و مالی کا وسیع تجربہ رکھتے تھے اپنا دیوان اور رمور دہنڈت کو نائب دیوان مقرر کیا۔

نواب ناصر جنگ کے بڑے بھائی نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ اُس زمانے میں دہلی میں امیر الامرا کے عہدے پر فایز تھے۔ وہ مرکزی حکومت کے سیاسی معاملات میں اس بُری طرح اُلجھے ہوئے تھے کہ اُنھیں دکن کی طرف توجہ کرنے کی فرصت نہیں ملی چنانچہ نواب ناصر جنگ نے اپنے حقوق کو مرجح کرنے کے لیے یہ بھی اعلان کرادیا کہ نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ دکن کی صوبہ داری سے دست بردار ہو گئے ہیں۔ حالاں کہ یہ درست نہ تھا جیسا کہ بعد کے واقعات سے ثابت ہوگا۔ نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ نے شروع میں دکن کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی اس واسطے کہ وہ دہلی میں اعلیٰ مرتبے پر فایز تھے لیکن جب درباری سازشوں کی بدولت وہاں ان کی حیثیت کچھ گرنے لگی تو وہ دکن کی نظامت اور صوبہ داری کے دعویدار ہوئے لیکن یہ نواب ناصر جنگ کے شہید ہونے کے بعد کے واقعات ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ نواب ناصر جنگ کی زندگی میں نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ نے دکن کی طرف سے بے توجہی برتی اور نواب ناصر جنگ کے صوبہ داری کے دعوے کی کبھی تردید نہیں کی جس سے پتا چلتا ہے کہ دونوں بھائیوں میں یہ طے ہو چکا تھا کہ نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ دہلی میں رہیں اور نواب ناصر جنگ دکن میں۔

نواب ناصر جنگ کے مقابلے میں نواب نظام الملک آصف جاہ اوّل کے نواسے

نواب ہدایت محی الدین خاں مظفر جنگ نے اپنے نانا کی جانشینی کا دعویٰ پیش کیا۔ نواب مظفر جنگ کو نواب مغفرت مآب نے اپنی زندگی ہی میں بیجاپور اور ادھونی کا حاکم مقرر کر دیا تھا اور اپنی وصیت میں بھی ان کے حقوق کا پورا خیال رکھنے کی تاکید کی تھی۔ دوسرے امرا اور حکام کی طرح جب نواب ناصر جنگ نے نواب مظفر جنگ کو اورنگ آباد طلب کیا تو انھوں نے جانا ترک کر دیا اور مشتبہ خواہ ہو گئے۔ اورنگ آباد جانے کا مطلب یہ ہوتا کہ وہ نواب ناصر جنگ کے اقتدار کو تسلیم کرتے ہیں۔ نواب مظفر جنگ نے بیجاپور اور ادھونی کے علاقوں میں فوج بھرتی کرنی شروع کر دی اور کھلم کھلا ریاست دکن کے دعویدار ہو گئے۔ بعض فرانسیسی مورخوں کے نزدیک نواب مظفر جنگ نے نواب مغفرت مآب کی زندگی میں دکن کی صوبہ داری کی سند بادشاہ دہلی سے حاصل کر لی تھی[۱] لیکن اس دعوے کی تائید میں ہمارے پاس کوئی ایسا ثبوت موجود نہیں جو ہمعصر تاریخوں میں موجود ہو۔ البتہ اس کا ذکر ضرور ملتا ہے کہ نواب ناصر جنگ کو اپنی صوبہ داری کی سند حاصل کرنے میں کافی کاوش و کوشش کرنی پڑی تھی۔ اگرچہ زمانہ وہ تھا جب کہ مغل بادشاہ کی حیثیت شاہ شطرنج سے زیادہ نہ رہی تھی اور دور دراز صوبوں کے معاملات میں اس کا عمل دخل بھی برائے نام ہی رہ گیا تھا لیکن پھر بھی اس کے نام کا اثر باقی تھا، خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ جانشینی کا تصفیہ نہ ہوتا تھا تو مختلف دعویدار بادشاہ دہلی کی سند کو اپنے دعوے کی تائید میں پیش کرتے اور اس طرح اپنی اخلاقی حیثیت کو مستحکم کرنے کی صورت نکالتے تھے۔

جس وقت نواب ناصر جنگ دکن کا نظم و نسق درست کر رہے تھے تو بادشاہ دہلی نے انھیں طلب کیا۔ اگرچہ نواب مظفر جنگ کی فوجی تیاریوں کی اطلاع نواب ناصر جنگ کو پہنچ چکی تھی اور وہ جانتے تھے کہ ان کی غیر موجودگی میں دکن میں فتنہ و فساد کا سخت اندیشہ ہے لیکن شاہی فرمان کی بجا آوری کو انھوں نے اپنا فرض

۱؎ Martineau, Dupleix et, l' Inde Francoise. III, p.86

خیال کیا۔ پھر شاہی فرمان کی تعمیل میں یہ مصلحت بھی تھی کہ وہ خود دہلی پہنچ کر دکن کی صوبہ داری کی سند حاصل کر لیں اور واپسی پر نواب مظفر جنگ کے باغیانہ دعووں کا تدارک کریں۔

بعض مورخوں کا خیال ہے کہ احمد شاہ ابدالی کے سرحد پر حملے کے خوف سے بادشاہ دہلی نے نواب ناصر جنگ کو طلب کیا تھا۔ لیکن یہ خیال غلط معلوم ہوتا ہے۔ ان کے دہلی طلب کیے جانے کی اصلی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ اپنے وزیر صفدر جنگ سے کسی طرح چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ صفدر جنگ نے احمد شاہ کو بالکل بے دست و پا کر دیا تھا۔ جو وہ چاہتا تھا وہ ہوتا تھا۔ بادشاہ اُس کی مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مغل بادشاہ احمد شاہ نے سوچا کہ ناصر جنگ کے سوا اور کوئی ایسا شخص سلطنت مغلیہ میں موجود نہیں جو صفدر جنگ کا مقابلہ کر سکے۔ نواب ناصر جنگ کے پاس زبردست فوج اور خزانہ موجود تھا جو نواب نظام الملک آصف جاہ اول نے چھوڑا تھا۔ ان وسایل سے صفدر جنگ کو زیر کرنا ممکن تھا۔ لیکن صفدر جنگ بلا کا ہوشیار تھا۔ اُس کو جب معلوم ہوا کہ بادشاہ نواب ناصر جنگ سے خط و کتابت کر رہا ہے تو اُس نے مرہٹوں سے ساز باز شروع کر دیا اور انھیں آمادہ کر لیا کہ اگر نواب ناصر جنگ دکن کی طرف سے شمال کا رخ کریں تو راستے ہی میں انھیں روک لیا جائے۔

غرض کہ نواب ناصر جنگ مئی ۱۷۵۱ء میں اورنگ آباد سے فوج گراں اور توپ خانۂ فراوان کے ساتھ عازم دہلی ہوئے۔ کوچ پر کوچ کرتے ہوئے برہان پور ہوتے ہوئے دریائے نربدا کے کنارے تک پہنچے تھے کہ دوسرا شاہی فرمان ملا جس میں تاکید کی گئی تھی کہ ابھی دہلی آنا ملتوی رکھو اور دکن کے درو بست کی طرف اپنی پوری توجہ مبذول رکھو۔ دکن کی صوبہ داری کا فرمان بھی اس فرمان کے بعد دہلی سے روانہ کر دیا گیا تاکہ نواب ناصر جنگ کے لیے شمالی ہند آنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہے۔ اصل میں ہوا یہ کہ جب صفدر جنگ کو نواب ناصر جنگ کے دکن سے روانہ ہونے کا حال معلوم ہوا تو اُس نے بادشاہ کو اور بھی بے بس کر دیا۔ اور اُس پر مرہٹوں کے ذریعے سے زور ڈلوایا کہ وہ

نواب ناصر جنگ کو نربدا کے کنارے سے دکن واپس جانے کا حکم بھیج دے ورنہ ان سے بھی مقابلہ کیا جائے گا۔ بادشاہ اس قدر خائف ہوا کہ اس نے سوائے صفدر جنگ سے موافقت پیدا کرنے کے اور کوئی چارہ کار اپنے سامنے نہ دیکھا چنانچہ اس نے صفدر جنگ کے اشارے سے نواب ناصر جنگ کو فرمان روانہ کیا جس میں شمالی ہند آنے سے انھیں منع کیا گیا تھا۔ چوں کہ اس اثنا میں نواب ناصر جنگ کو نواب مظفر جنگ کی بغاوت کی خبریں پہنچ رہی تھیں انھوں نے بھی دکن میں رہنے کو غنیمت جانا اور دریائے نربدا سے اورنگ آباد واپس آ گئے۔ واپسی پر انھیں بادشاہ دہلی کی طرف سے دکن کی صوبہ داری کی سند ملی۔ اب نواب ناصر جنگ نے ریاست کے نظم و نسق کی طرف اپنی توجہ مبذول کر دی۔ اس اثنا میں انھیں کرناٹک کی بدنظمی کی اطلاع ملی جو نواب مظفر جنگ اور حسین دوست خاں عرف چندا صاحب کے حملے اور نواب انورالدین خاں کے مارے جانے کے سبب سے پیدا ہو گئی تھی۔ پانڈی چری کے فرانسیسی گورنر موسیو ڈوپلے کی حمایت نواب مظفر جنگ اور چندا صاحب کو حاصل ہو گئی تھی جس کے باعث صورت حالات میں مزید پیچیدگی پیدا ہو گئی اور نواب ناصر جنگ کو یقین ہو گیا کہ دکن کی صوبہ داری کا فیصلہ کرناٹک میں ہو سکا۔ چنانچہ انھوں نے کرناٹک کی مہم کے لیے تیاری شروع کر دی۔

نواب نظام الملک آصف جاہ اول نے جب انورالدین خاں کو کرناٹک کا نواب مقرر کیا تو وہاں کے سابق نواب کے خاندان کی طرف سے تھوڑی بہت مخالفت ہوئی تھی لیکن انورالدین خاں نے اپنی قابلیت اور حسن انتظام سے بہت ساری مخالفتوں کو دور اور مخالفوں کو رام کر لیا تھا۔ پھر نواب نظام الملک کا اقبال ایسا تھا کہ ان کے کسی انتظام کو درہم برہم کرنا آسان کام نہ تھا۔ نواب مغفرت مآب کی آنکھیں میچتے ہی کرناٹک میں انورالدین خاں کی نوابی خطرے میں پڑ گئی۔ کرناٹک کے سابق حکمران خاندان سے تعلق رکھنے والوں میں صرف چندا صاحب ہی ایک شخص تھا جو اپنی اولوالعزمی کے لیے مشہور تھا اور جو کرناٹک کا نواب بننا چاہتا تھا۔ چندا صاحب نواب صفدر علی کا بہنوئی تھا۔

مرہٹوں نے جب ۱۷۴۱ء میں ترچناپلی پر حملہ کیا تھا تو چندا صاحب نے بڑی بہادری سے ان کا مقابلہ کیا لیکن مرہٹوں نے اُس کو شکست دے کر گرفتار کر لیا تھا۔ مرہٹے اُس کو گرفتار کر کے ستارہ لے گئے اور برسوں تک اُس کو قید رکھا اس واسطے کہ انھیں اندیشہ تھا کہ اگر اُس کو رہا کر دیا گیا تو وہ کرناٹک میں مرہٹوں کے کہیں قدم نہ جمنے دے گا۔ چندا صاحب نے قید کے زمانے میں ڈوپلے سے خفیہ طور پر خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھا اور اُس کو انگریزوں کے مقابلے میں تجارتی مراعات دینے کا وعدہ کیا۔ ڈوپلے نے بھی دیکھا کہ چندا صاحب اُس کے مطلب کا آدمی ہے اُس کو انورالدین خاں کے مقابلے میں کرناٹک کی نوابی کے لیے پیش کرنے میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ چنانچہ ڈوپلے کی متواتر کئی سال کی کوشش سے مرہٹوں نے ۱۷۴۸ء میں چندا صاحب کو سات لاکھ روپے کے معاوضے میں رہا کر دیا۔ چندا صاحب نے رہا ہونے کے بعد ادھر اُدھر سے کچھ قرض لے کر تھوڑی سی فوج جمع کر لی اور نواب مظفر جنگ کے ساتھ شریک ہو گیا۔ اُس نے نواب مظفر جنگ کو دکن کا صوبہ دار مان لیا بشرطیکہ وہ اُسے کرناٹک کا نواب تسلیم کریں۔ دونوں نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے مقاصد و مفاد سے وابستہ کر لیا اور یہ طے ہوا کہ پہلے کرناٹک کے معاملے کا فیصلہ ہو جائے اور انورالدین خاں کو وہاں کی نوابی سے بے دخل کر دیا جائے اس کے بعد فرانسیسی ہو کے نواب ناصر جنگ کے خلاف فوج کشی کی جائے گی۔

جس زمانے میں نواب ناصر جنگ دہلی جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے اُس وقت نواب مظفر جنگ اور چندا صاحب نے ادھونی اور بیجاپور کے قریب بہت بڑا زبردست لشکر جمع کر لیا تھا۔ چندا صاحب کا بیٹا رضا صاحب ڈوپلے کے پاس اپنے باپ کی طرف سے ایلچی بن کر گیا اور امداد طلب کی۔ اُس وقت چندا صاحب اور نواب مظفر جنگ کو فوجی مدد اور مالی مدد دونوں کی سخت ضرورت تھی۔ چندا صاحب نے رضا صاحب کے ہاتھ ایک پروانہ بھیجا تھا جس میں صراحت سے مذکور تھا کہ کرناٹک کا آئندہ نواب ہونے والے کی حیثیت سے وہ

فرانسیسیوں کو ولیانلور، والدور اور اُس کے آس پاس کے گاؤں بطور انعام عطا کرتا ہے۔ ان علاقوں پر فرانسیسی کمپنی کو دائمی حقوق حاصل رہیں گے۔ چنانچہ اس پروانے کو ڈوپلے نے اپنی کونسل میں پیش کیا جس نے فیصلہ کیا کہ "چندا صاحب کی شکرگزاری کے لیے گورنر (ڈوپلے) کو مجاز کیا جاتا ہے کہ وہ ہر مناسب طریقے سے جو ہمارے بس میں ہے اس وقت تک اُس کی مدد کرے جب تک کہ وہ اطمینان سے مسند نشین نہ ہو جائے اور اپنی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں نہ لے لے[۱]"

ڈوپلے نے رضا صاحب کے ساتھ فرانسیسی فوج اور اُس کے اخراجات کی پابجائی کے لیے چندا صاحب کے حساب میں ۷۹ ہزار چھ سو اکاون روپے روانہ کیے۔ ارکاٹ سے ۵۰ میل کے فاصلے پر فرانسیسی فوج چندا صاحب اور نواب مظفر جنگ سے جا کر مل گئی اور امبور کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا جہاں انورالدین خاں پہلے سے بارہ ہزار سوار، چھ ہزار پیدل، ۲۶ توپوں اور بہت سے ہاتھیوں سمیت نواب مظفر جنگ اور چندا صاحب کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ امبور کا قلعہ کرناٹک میں اپنے محل وقوع کے اعتبار سے نہایت اہمیت رکھتا تھا یہ ایک پہاڑ پر واقع تھا۔ اس پہاڑ اور قریب کی جھیل کے درمیان جو درہ ہے اُس پر اگر کوئی فوج قبضہ کر لے تو کرناٹک کی سب راہیں اُس کے سامنے کھل جائیں گی۔ اس قلعے پر نواب انورالدین خاں نے پہلے سے اپنی توپیں آراستہ کر رکھی تھیں اور درے اور جھیل کے درمیان جو راستہ باقی رہ گیا تھا اُس کو زیر آب کر دیا تھا تاکہ وہاں سے فوج نہ گزر سکے۔ فرانسیسی کماندان موسیو دوتی نے نواب انورالدین خاں کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ دوتی کے تحت موسیو بوسی بھی اس لڑائی میں شریک تھا جس نے بعد میں دکن میں بڑی شہرت اور قوت حاصل کی تھی۔ نواب انورالدین خاں نے نواب مظفر جنگ سے گفت و شنید شروع کی اور جنگ سے باز رہنے کی درخواست کی[۲] لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ دونوں طرف سے

---

[۱] Martineau, Dupleix et l ' Inde Francaise,III, P. 86

[۲] توزک والاجاہی (قلمی کتب خانۂ آصفیہ ص ۲۸۲) (تاریخ)۔

پیش قدمی ہوئی گھمسان کا رن پڑا۔ انورالدین خاں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور لڑائی میں شہید ہوا۔ اُس کا بیٹا محفوظ خاں گرفتار ہوا اور چھوٹے بیٹے محمد علی نے بھاگ کر ترچناپلی کے قلعے میں پناہ لی۔ اس لڑائی میں نواب مظفر جنگ اور چندا صاحب کو بہت سامان جنگ ہاتھ آیا۔ فرانسیسی افسروں اور سپاہ کو انعام و اکرام عطا ہوئے۔ امبور کی فتح کے بعد نواب مظفر جنگ اور چندا صاحب ارکاٹ روانہ ہوئے۔ ارکاٹ پر بلا کسی مزاحمت کے اُن کا قبضہ ہوگیا۔ یہاں نواب مظفر جنگ نے صوبہ دار دکن کے تمام ظاہری فرائض انجام دیئے اور چندا صاحب کے نواب کرناٹک ہونے کا باضابطہ اعلان کردیا گیا۔ اسکے بعد دھوم دھام سے فتح کے جشن مناکر نواب مظفر جنگ اور چندا صاحب پانڈیچری روانہ ہوگئے تاکہ ڈیوپلے سے ملاقات کریں۔ ڈیوپلے نے ان دونوں مہمانوں کا شاندار استقبال کیا۔ نواب مظفر جنگ کے ولیانور کے انعام کی حیثیت صوبہ دار دکن توثیق کردی اور اس کے ساتھ باہور کے ۸۰ گاؤں کے انعام کا اور اضافہ کیا۔ شہر مسولی پٹم (مچھلی بندر) اور جزیرہ ڈیوی کو بھی فرانسیسیوں کے تصرف میں دے دیا گیا جن کی مجموعی آمدنی ۸ لاکھ روپے سالانہ تھی[1]۔ ڈیوپلے نے نواب مظفر جنگ اور چندا صاحب سے وعدہ کیا کہ اُن کی ہر ممکن طور پر مدد کی جائے گی۔ اُس نے اُن کے ساتھ ۸۰۰ فرانسیسی سپاہ ۴۳ افسر، ۳۰۰ دیسی تربیت یافتہ فوج اور توپ خانہ کردیا تاکہ وہ محمد علی کو ترچناپلی سے بے دخل کردیں پیشتر اس کے کہ نواب ناصر جنگ دکن سے کرناٹک پہنچ جائیں لیکن نواب مظفر جنگ اور چندا صاحب نے تنجور کے محاصرے میں بہت وقت ضائع کردیا۔ چندا صاحب پہلے تنجور کے راجہ سے نپٹنا چاہتا تھا جس نے ۱۷۴۱ء میں مرہٹوں کو کرناٹک پر حملہ کرنے کی دعوت دی تھی جس کا نتیجہ

[1] Orme, Military Transactions of the British Nation in Indostan, I, P. 127.

[2] Martineau, Ibid, P. 98.

یہ نکلا تھا کہ چندا صاحب کو ترچناپلی اور مدورا کی حکومت سے محروم ہونا پڑا اور سات سال قید کی کڑیاں جھیلنی پڑیں۔ راجا تنجور نے جب چندا صاحب کے کرناٹک پہنچنے کی خبر سنی تو جھٹ سے اُس نے انگریزوں اور محمد علی سے معاہدہ کر لیا اور دیوی کوٹہ انگریزوں کے حوالے کر دیا۔

شروع میں انگریز باوجود نواب ناصر جنگ کے حامی ہونے کے نواب مظفر جنگ اور چندا صاحب سے بگاڑ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ گورنر مدراس نے نواب مظفر جنگ سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھا اور چندا صاحب کو امبور کی کامیابی پر ایک طرف مبارکباد دی اور دوسری طرف محمد علی کو اُس کے والد کے مارے جانے پر تعزیت نامہ روانہ کیا۔ لیکن جب انگریزوں کو معلوم ہوا کہ نواب مظفر جنگ نے فرانسیسیوں کو کرناٹک میں خاص مراعات دی ہیں تو وہ اپنے متعلق متردد ہوئے۔ نواب مظفر جنگ نے دیوپلے کو دریائے کرشنا کے جنوب میں اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ فرانسیسی من مانے طور پر انگریزوں کی تجارت کو ختم کرنے کی تدابیر اختیار کر سکتے تھے اور اُن کے کرناٹک کے مقبوضات کی تجارتی اور سیاسی اہمیت کو گھٹا سکتے تھے۔ انھوں نے سوچا کہ اگر اس وقت خاموشی اختیار کی گئی تو فرانسیسی لوگ کرناٹک اور دکن میں پوری طرح حاوی ہو جائیں گے اور اگر ایک دفعہ ان علاقوں میں اپنی جڑیں مضبوط کر لیں تو انھیں بے دخل کرنا بہت مشکل ہوگا۔ چنانچہ انھوں نے اب محمد علی کی مدد کرنی شروع کی اور اپنے مقاصد کو اُس کے مفاد سے وابستہ کر دیا[1]۔ ۱۷۴۹ء میں مدراس کونسل نے فیصلہ کیا کہ انگریزوں کو چاہیے کہ اپنی بہترین فوج کپتان کوپ کے تحت محمد علی کی امداد کے لیے فوراً ترچناپلی روانہ کر دیں تاکہ چندا صاحب اور اُس کے فرانسیسی حامیوں کا مقابلہ ہو سکے[2]۔ محمد علی نے فورٹ سینٹ ڈیوڈ

---

[1] Country Correspondence. 1749.

[2] For , St. David Consultations, Oct. 2, 1749.

کے قریب انگریزوں کو دو گاؤں بطور انعام عطا کیئے۔ انگریزی فوج کے سہارے محمد علی ترچناپلی کے قلعے میں مع اپنے خاندان اور خزاین کے جو اُس کے باپ انور الدین خاں نے چھوڑے تھے قلعہ بند ہوکر چندا صاحب کے اقدام کا انتظام کرنے لگا لیکن نواب مظفر جنگ اور چندا صاحب نے باوجود دیو پلے کی تاکید کے تنجور کے محاصرے میں بہت تاخیر کر دی۔ راجا تنجور کی محمد علی نے تھوڑی بہت مدد کی اور نواب ناصر جنگ کے حملے کے بعد کرناٹک کے حالات کے بدلنے کی امید دلائی۔ بالآخر چندا صاحب نے فرانسیسی توپ خانے کی مدد سے تنجور کے قلعے پر سخت گولہ باری کی اور راجا کو مجبور کیا کہ وہ جلد معاملات طے کر لے۔ راجا دیدہ و دانستہ لیت و لعل کر رہا تھا تاکہ نواب ناصر جنگ کرناٹک میں پہنچ جائیں لیکن جب چندا صاحب نے بہت مجبور کیا تو اُس نے ۷۰ لاکھ روپے بااقساط دینے کا وعدہ کیا اور اُس کو کرناٹک کا نواب تسلیم کر لیا جس کو آیندہ وہ پابندی سے محاصل کی رقم ادا کیا کرے گا۔ راجا نے فرانسیسی افسروں کو دو لاکھ روپے نقد ادا کیئے اور فرانسیسی کمپنی کو کاریکال کے قریب ۸۱ گاؤں بطور معافی عطا کیئے۔ ابھی راجا نے رقم کی ایک ہی قسط ادا کی تھی کہ چندا صاحب کو دیو پلے کے پے در پے خطوط ملے کہ تنجور کے قلعے پر فوراً قبضہ کر لو تاکہ بعد میں نواب ناصر جنگ کا مقابلہ کرنے میں سہولت ہو۔ نواب مظفر جنگ اور چندا صاحب دونوں نواب ناصر جنگ کے کرناٹک میں داخل ہونے کی خبر سے ایسے بدحواس ہوئے کہ وہ مع فوج کے پانڈیچیری روانہ ہو گئے۔

نواب مظفر جنگ اور چندا صاحب جس وقت تنجور کے الجھیڑے میں پھنسے ہوئے تھے اُس وقت انگریزوں اور محمد علی نے نواب ناصر جنگ کو کرناٹک پر حملہ کرنے کی دعوت دی تاکہ فرانسیسی اثر مستحکم نہ ہونے پائے۔ نواب ناصر جنگ کو امبور کی لڑائی اور انور الدین خاں کے مارے جانے کی اطلاع ملی تو وہ سخت مضطرب ہوئے اور دکن اور کرناٹک کے فوجداروں کو فوجی امداد کے مراسلے روانہ کیئے اور تاکید کی کہ جب وہ کرناٹک کی طرف بڑھیں تو اُن میں سے ہر ایک اپنی اپنی

فوج سمیت راستے میں آکر مل جائے۔ نواب ناصر جنگ نے جنوری ۱۷۵۰ء میں دریائے کرشنا کو پار کیا۔ مراری راؤ اور دوسرے مرہٹہ سردار بھی نواب ناصر جنگ کی کرناٹک کی مہم میں ان کے ساتھ ہو گئے۔ مرہٹہ فوج سب سے آگے روانہ کی گئی اور وسط فروری میں دریائے کولیرون کے کنارے پہنچ گئی جو کرناٹک کے جنوب میں ہے۔ چدمبرم کے قریب مراری راؤ کی مرہٹہ فوج نے نواب مظفر جنگ اور ان کی فرانسیسی فوج کو آ لیا جب کہ وہ تیزی سے پانڈی چیری واپس ہو رہی تھی۔ لیکن فرانسیسیوں کے پاس زبردست توپ خانہ تھا۔ ان کے گولہ اندازوں نے مرہٹوں کو پاس پھٹکنے نہیں دیا۔ چندا صاحب اور نواب مظفر جنگ پانڈی چیری پہنچے تاکہ کرناٹک کی نئی صورت حالات کے متعلق مشورہ کریں۔

کرناٹک میں داخل ہونے کے بعد نواب ناصر جنگ نے محمد علی کو ترچناپلی سے بلا بھیجا اور انگریزوں کو بھی لکھا کہ وہ فرانسیسیوں کے خلاف ان کی امداد کریں۔ کرناٹک کے ان فوجداروں کو جو اب تک نواب ناصر جنگ کے لشکر میں شامل نہیں ہوئے تھے ہدایتیں روانہ کی گئیں کہ وہ سب جنجی کے قریب آکر مل جائیں۔ اس وقت نواب ناصر جنگ کی فوج کی کل تعداد ۳ لاکھ کے لگ بھگ تھی جس میں سے نصف سوار تھے اور نصف پیدل۔ ان کے ساتھ ۸۰۰ توپیں اور چند سو ہاتھی بھی تھے[1]۔ جب نواب ناصر جنگ کے لکھنے سے انگریزوں نے صرف ۶۰۰ آدمیوں کی کمک بھیجی اور لارنس اور ڈالٹن کو بطور سفیر روانہ کیا تاکہ وہ نواب ناصر جنگ سے انگریزوں کے لیے خاص مراعات حاصل کریں۔ لارنس اور ڈالٹن نے شاہ نواز خاں صمصام الدولہ کے ذریعے سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ضروریات اور مفاد کے متعلق معروضات پیش کیے جن کی نسبت کوئی قطعی جواب نواب ناصر جنگ کی جانب سے نہیں دیا گیا۔ لارنس نے نواب ناصر جنگ کو مشورہ دیا کہ پانڈی چیری پر فوراً چڑھائی کر دینی چاہیے۔ لیکن نواب ناصر جنگ اور ان کے مشیروں کی رائے ہوئی کہ مقابلے کے لیے ولیانلور کی طرف بڑھنا چاہیے جہاں نواب مظفر جنگ اور چندا صاحب مع اپنے فرانسیسی حامیوں کے

1. Orme, I, P. 138.

پہلے سے پڑاؤ ڈالے پڑے تھے۔ دونوں طرف سے گولہ اندازی ہونے لگی۔ فرانسیسی فوج میں کچھ ایسی بد دلی پھیلی ہوئی تھی کہ بہت جلد اُس کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ نواب ناصر جنگ کی فوج نے پانڈی چری تک فرانسیسیوں کا پیچھا کیا۔ اس افرا تفری اور ہڑبونگ میں فرانسیسی نواب مظفر جنگ کو پیچھے چھوڑ گئے جنھیں نواب ناصر جنگ کی فوج نے گرفتار کر لیا۔ نواب مظفر جنگ کے ساتھ نواب ناصر جنگ کے بعض امرا کو ہمدردی تھی۔ اُن کی سعی سفارش پر نواب مظفر جنگ کی جان بخشی کی گئی لیکن اُن کو احتیاطاً قید میں رکھا گیا۔ نواب مظفر جنگ نے نواب ناصر جنگ کی اطاعت قبول کر لی اور وفاداری کا عہد و پیمان کیا۔ اس موقع پر فرانسیسی فوج میں بد دلی کا اصلی سبب یہ تھا کہ تنجور سے جو فرانسیسی افسر اور سپاہ پانڈی چری آئی تھی اُس کو خوب انعام و اکرام دیا گیا۔ ڈیو پلے نے اُن کی بجائے دوسری سپاہ اور دوسرے افسر موسیو دوتی کی سرکردگی میں نواب ناصر جنگ کے مقابلے کے لیے روانہ کیے۔ انھیں ڈیو پلے سے شکایت تھی کہ جان دینے کے لیے ہم لوگوں کو بھیجا گیا اور انعام و اکرام کے لیے دوسروں کو بھیجا گیا تھا۔ چنانچہ جس وقت نواب ناصر جنگ سے مقابلہ ہوا تو ۱۳، افسروں نے اپنے کمیشن واپس کر دیے۔ عین معرکے کے وقت جب موسیو دوتی نے دیکھا کہ فرانسیسی فوج کا دل لڑائی میں نہیں ہے تو اُس نے انھیں پانڈی چری واپس جانے کا حکم دے دیا۔ نواب مظفر جنگ اور چند اصحاب کو اگرچہ فرانسیسی افسروں اور سپاہ کی بد دلی اور ناراضگی کا علم تھا لیکن انھیں یہ اندیشہ نہ تھا کہ وہ اس طرح انھیں بیچ منجدھار میں چھوڑ کر چلتی بنے گی۔ انھوں نے دوتی کو بہت کچھ سمجھایا بجھایا کہ جو فوج باقی رہ گئی ہے اُس سے نواب ناصر جنگ کا مقابلہ کرے لیکن اُس کی ہمت نہ بندھی اور راتوں رات اُس نے پیچھے ہٹ کر پانڈی چری میں پناہ لینے کا تہیہ کر لیا۔[1]

نواب ناصر جنگ نے والدور کے مقام پر جب پڑاؤ ڈالا تھا تو اُسی وقت سے اُن کے اور نواب مظفر جنگ کے درمیان نامہ و پیام کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور

لہ Omer, I, P. 140.

دونوں طرف سے ایلچی آنے لگے تھے۔ نواب ناصر جنگ نے نواب مظفر جنگ کو اس بات کا یقین دلایا تھا کہ اگر وہ اپنے آپ کو حوالے کر دیں گے تو نواب آصف جاہ اول کے زمانے میں ادھونی اور بیجاپور کے حاکم کی حیثیت سے اُن کے جو حقوق قایم ہو گئے ہیں وہ اُنھیں بحال کر دیے جائیں گے اور اُن کی جان کی حفاظت کا ذمہ لیا جائے گا لیکن نواب مظفر جنگ کو اپنے فرانسیسی حامیوں پر پورا بھروسا تھا۔ چنانچہ مصالحت کی کوئی کوشش بار آور نہ ہو سکی۔ لیکن عین معرکے کے وقت جب فرانسیسی فوج پانڈی چری چلتی بنی تو نواب مظفر جنگ نے اپنے تئیں نواب ناصر جنگ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ چندا صاحب کی طرح اگر وہ چاہتے تو فرانسیسی فوج کے ساتھ بچ نکلتے اور پانڈی چری چلے جاتے لیکن غالباً نواب ناصر جنگ کے زبردست لشکر اور اُن کی تیاریوں اور وسایل کو دیکھ کر وہ اس قدر مرعوب ہو گئے کہ اُنھیں یقین ہو گیا تھا کہ فرانسیسی نواب ناصر جنگ کو شکست نہیں دے سکیں گے۔

نواب ناصر جنگ کے مقابلے سے اس طرح فرانسیسی فوج کے فرار ہو جانے سے دوپلے کی بہت سبکی ہوئی لیکن دوپلے کا مزاج کچھ اس قسم کا تھا کہ جس قدر سخت پریشانیوں کا اُس کو سامنا کرنا پڑتا تھا اُسی قدر اُس کی سیاست کاری اور تدبیر کے جوہر کھلتے تھے۔ اُس نے فوراً نواب ناصر جنگ سے گفت و شنید کا سلسلہ شروع کر دیا اور اُنھیں لکھا کہ میں نے فرانسیسی سپاہ کو واپس بلا لیا ہے تاکہ ہمارے اور آپ کے درمیان صلح و صفائی ہو جائے اور کرناٹک کے متعلق کوئی قطعی تصفیہ کرنے میں سہولت ہو۔ خود نواب ناصر جنگ کے دربار میں بعض امرا اور افسر ایسے موجود تھے جو چاہتے تھے کہ فرانسیسیوں سے سمجھوتہ ہو جائے اور نواب مظفر جنگ کو اُن کی سابق خدمت پر بحال کر دیا جائے۔ ان لوگوں کی کوشش سے نواب ناصر جنگ اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ فرانسیسی سفارت کو شرف باریابی بخشیں۔ چنانچہ آنری دے لارس اور موسیو دیلو سے پانڈی چری سے نواب ناصر جنگ کے

Lettres edifiantes et curieuses(ed. Anne - Martin) Vol. 11, P. 735. al

لشکر میں گفت وشنید کے لیے آئے۔ موسیو دیوپلے فارسی زبان پر پوری قدرت رکھتے تھے اور اچھی طرح بلا تکلف گفتگو کر سکتے تھے۔ جب نواب نظام الملک آصف جاہ اول ۱۷۴۳ء میں کرناٹک تشریف لے گئے تھے تو وہ فرانسیسی سفارت کے بحیثیت ترجمان رکن تھے۔ اس فرانسیسی سفارت نے نواب ناصر جنگ سے مطالبہ کیا کہ نواب مظفر جنگ کو ادھونی کا اور چندا صاحب کو ارکاٹ کا نواب مان لیا جائے۔ اس گفت وشنید کے دوران میں فرانسیسی سفارت نے کڑپہ، کرنول اور ساونور کے نوابوں سے خاص تعلقات پیدا کر لیے اور نواب ناصر جنگ کے دربار میں جو مختلف فریق تھے ان کے اثر کا صحیح اندازہ کر لیا۔ یہ تینوں نواب ناصر جنگ کے سلوک سے مطمئن نہیں تھے۔ سفارت بھیج کر دینے پلے نے نواب ناصر جنگ کے لشکر میں ایک گونہ اطمینان کی کیفیت پیدا کر دی اور اس کے ساتھ اچانک حملے کی تیاری شروع کر دی۔ چنانچہ لاتوش کی سرکردگی میں رات کے وقت ایک دم سے فرانسیسیوں نے نواب ناصر جنگ کے لشکر پر ہلہ بول دیا۔ یہ اس قدر غیر متوقع تھا کہ نواب ناصر جنگ کے تمام لشکر میں حیرانی اور سراسیمگی پھیل گئی۔ نواب ناصر جنگ پیچھے ہٹ کر ارکاٹ میں خیمہ زن ہو گئے تاکہ موسم گرما وہاں گزاریں۔ اگرچہ فرانسیسیوں کے اس حملے سے کوئی اہم نتیجہ نہ نکلا لیکن یہ ضرور ہوا کہ ان کی سپاہ نے اپنا کھویا ہوا اعتماد حاصل کر لیا۔

انگریزوں نے اب تک نواب ناصر جنگ کو جو امداد بھیجی تھی وہ اتنی کم تھی کہ اس کا حالات پر کوئی اچھا اثر نہیں ہوا۔ پھر انگریز اس تھوڑی سی مدد کے بہانے کرناٹک میں جو خاص مراعات نواب ناصر جنگ سے چاہتے تھے وہ بھی انھیں حاصل نہ ہو سکیں۔ لارنس نے ہر چند کوشش کی کہ محمد علی نے مدراس اور فورٹ سینٹ ڈیوڈ کے قریب جو علاقے انگریزوں کو عطا کیے ان کی توثیق نواب ناصر جنگ سے حاصل کر لیں لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ نواب ناصر جنگ کے دیوان شاہ نواز خاں صمصام الدولہ نے ان کی اس کوشش کو بار آور نہیں ہونے دی۔ انھوں نے انگریزوں کو مراعات منظور کرنے کی

یہ شرط مقرر کی کہ انگریزی فوج نواب ناصر جنگ کے ساتھ ارکاٹ میں اس وقت تک رہے جب تک کہ کرناٹک کی نوابی کا کوئی قطعی تصفیہ ہو جائے - لارنس یہ بھی چاہتا تھا کہ نواب ناصر جنگ مدراس کونسل کے پریسیڈنٹ کو خلعت و خطاب سے سرفراز کریں جس طرح نواب مظفر جنگ نے دوپلے کو دریائے کرشنا کے جنوب میں اپنا نائب مقرر کرتے وقت صفدر جنگ کا خطاب دیا تھا اور اس عزت افزائی کے ضمن میں کرناٹک میں کچھ اور علاقے عطا کیے جائیں تاکہ اہل ہند کی نظروں میں انگریزی قوم کے وقار میں اضافہ ہو۔ اور نواب ناصر جنگ کو فوجی مدد دینے کے سلسلے میں جو خرچہ ہوا اُس کی پابجائی ہو سکے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے نواب ناصر جنگ کی خدمت میں جو تحفے تحایف پیش کیے گئے اُن کی قیمت ساٹھ ہزار پونڈ (تقریباً ۱۸ ہزار پگوڈا) بتائی جاتی ہے [1]

شاہ نواز خاں صمصام الدولہ کی خلل اندازی کی وجہ سے لارنس کی کوششیں جب ناکام رہیں اور اُس کو نواب ناصر جنگ سے کوئی خاص توقع باقی نہیں رہی تو اُس نے انگریزی فوج کو فورٹ سینٹ ڈیوڈ واپس جانے کا حکم دے دیا۔ لارنس کا بیان ہے کہ نواب ناصر جنگ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ انگریزی فوج کا خرچہ برداشت کریں گے لیکن چوں کہ نواب ناصر جنگ نے ایسا کرنے کی بجائے حیلے حوالے شروع کر دیئے اس لیئے کوئی ضرورت نہیں کہ انگریزی فوج اُن کی مدد کے لیئے اُن کے ساتھ رہے - اس ضمن میں یہ عجیب بات ہے کہ انگریز سمجھتے تھے کہ نواب ناصر جنگ کے دیوان شاہ نواز خاں صمصام الدولہ اُن کا کاٹ کر رہے ہیں اور فرانسیسی یہ خیال کرتے تھے کہ وہ انگریزوں کے حامی ہیں [2]

ارکاٹ پہنچ کر نواب ناصر جنگ نے اپنا سارا وقت عیش و عشرت میں ضائع کیا حالاں کہ چندا صاحب اور فرانسیسی برابر اپنی تیاریوں اور جوڑ توڑ میں

[1] Fort St. David Consultations, March 3, 1750

(ایک پگوڈا برابر ہے ۳½ روپئے کے)

[2] Lawrence's Narrative of the war on the coast of Coromandal, p. 10 (ed. by Cambridge)

مشغول رہتے نواب ناصر جنگ کے حکم کے بموجب فرانسیسیوں کی مسولی پٹم اور ینام کی کوٹھیاں ضبط کر لی گئیں اور اُن کے ملازموں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ڈیوپلے نے لاتور کے تحت پانڈیچری سے دو سو سپاہ روانہ کی جس نے مسولی پٹم پر پھر قبضہ کر لیا۔ ڈیوپلے نے نواب مظفر جنگ کی عطا کے بموجب چدم برم، ترو تی ،والدور اور باہور پر بھی قبضہ کر لیا۔ ان مقامات پر فرانسیسیوں کا قبضہ ہو جانے سے محمد علی کو پریشانی شروع ہوئی کہ کہیں اسی طرح آہستہ آہستہ فرانسیسیوں اور چندا صاحب کا قبضہ و تصرف مختلف مقامات پر ہو گیا تو بعد میں انھیں بیدخل کرنا بہت دشوار ہو جائے گا۔ انگریزوں نے اس موقع پر جو بے تعلقی کا نقطۂ نظر اختیار کیا تھا وہ اُن کے مفاد کے خلاف تھا اور اس میں اُن کا سخت نقصان تھا اگر وہ فوری فائدے کو دیکھنے کی بجائے دوراندیشی سے کام نہ لیتے۔ محمد علی نے بڑی کوشش سے انگریزوں کو آمادہ کیا کہ وہ فرانسیسیوں کے خلاف اُس کی مدد کریں۔ اُس نے انگریزی فوج کے سب اخراجات برداشت کرنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ کپتان کوپ کے مقابلے پر فرانسیسی افسر لاتوش تھا جس کے ساتھ ۵۰۰ گورا فوج تھی۔ دونوں فوجوں میں چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوتی رہیں لیکن کوئی فیصلہ کن لڑائی کی نوبت نہیں آنے پائی۔ کپتان کوپ نے جب محمد علی سے اپنی فوج کی تنخواہ طلب کی تو اُس سے ادا نہ ہو سکی۔ اس پر میجر لارنس محمد علی سے بہت ناراض ہوا اور کپتان کوپ کو انگریزی فوج سمیت فورٹ سینٹ ڈیوڈ واپس بلا لیا۔ انگریزی فوج کے واپس جاتے ہی ڈیوپلے نے تری وادی کے قریب فوج جمع کر کے محمد علی پر پے در پے حملے کر دئیے اور اُس کی ساری توپیں چھین لیں۔ اب ڈیوپلے نے بوسی اور دوتی کو مزید فوج دے کر جنجی کی طرف روانہ کر دیا جہاں محمد علی کی بارہ ہزار فوج قلعہ بند ہو گئی تھی۔ فرانسیسی فوج نے بوسی کی سرکردگی میں جنجی کے قلعے کو راتوں رات سیڑھیوں پر سے چڑھ کر فتح کر لیا۔ جنجی جنوبی ہند کا نہایت ہی مستحکم اور ناقابل تسخیر قلعہ تصور کیا جاتا تھا۔ اس کامیابی سے انگریزوں اور نواب ناصر جنگ کو تشویش پیدا ہوئی۔ نواب ناصر جنگ نے سوچا کہ اب معاملات کی یکسوئی ہو جانی چاہیے۔ یا تو فرانسیسیوں سے صلح

کرلی جائے یا انھیں نیچا دکھایا جائے۔ نواب ناصر جنگ کا لشکر ارکاٹ کے جنوب میں جنجی کے قلعے کی طرف بڑھنے لگا تاکہ اُس کو تسخیر کیا جائے۔ راستے میں بارش سخت ہوئی۔ دریا چڑھے ہوئے تھے۔ فوج کے لئے کھانے پینے کا سامان پہلے ہی سے کم تھا۔ اس طوفانی بارش میں کہیں سے فوج کے لئے مزید رسد فراہم کرنا ممکن نہ تھا۔ جنجی کے قریب جہاں نواب ناصر جنگ کی فوج نے پڑاؤ ڈالا تھا وہاں بارش کے سبب سے وہ دو مہینے یوں ہی بیکار پڑی رہی۔ اسی عرصے میں دربار کے بعض امرا کے اثر سے دونوں جانب سے ایلچیوں کی آمد و رفت پھر شروع ہو گئی۔ ان دو مہینوں میں ڈوپلے نے نواب ناصر جنگ کے بعض امرا اور مرہٹہ سرداروں کو توڑ لیا۔ خاص طور پر کڑاپہ، کرنول اور ساونور کے نوابوں سے ڈوپلے نے خوب تعلقات بڑھائے۔ ان سے ڈوپلے نے یہ طے کر لیا کہ اگر نواب ناصر جنگ فرانسیسیوں کی شرایط کو تسلیم کرنے سے انکار کریں اور جنگ کی نوبت آئے تو وہ عین معرکے میں فرانسیسیوں سے مل جائیں۔ اس تمام کارروائی کی تفصیلات طے ہو گئیں۔ یہاں تک کہ ایک فرانسیسی سفید جھنڈا بھی نوابوں کو خفیہ طور پر پہنچا دیا گیا جسے وہ لڑائی میں نواب ناصر جنگ سے الگ ہو کر ایک ہاتھی پر بلند کر دیں گے۔ ان نوابوں نے نواب مظفر جنگ سے ساز باز کر لیا جو نواب ناصر جنگ کے لشکر کے ساتھ قید میں تھے اور ان سے یہ طے کر لیا کہ نواب ناصر جنگ کا خزانہ نصف نصف نوابوں اور اُس کے درمیان تقسیم کر لیا جائے گا۔ رام داس پنڈت بھی اس سازش میں شریک تھا۔

فرانسیسیوں اور نواب ناصر جنگ کی فوجیں دو مہینے ایک دوسرے سے قریب پڑی رہیں۔ جب بارش کم ہوئی اور موسم بہتر ہوا تو اقدام اور فیصلے کا وقت آپہنچا۔ نواب ناصر جنگ نے بالآخر ایلچیوں سے ڈوپلے کو کہلا بھیجا کہ اب وہ اُس کی

Cultru, Dupleix, ses idees, sa Politi que et sa chute, p. 251 al.

تمام شرائط ماننے کو تیار رہیں۔ یعنی یہ کہ وہ نواب مظفر جنگ کو رہا کر دیں گے مسولی پٹم فرانسیسیوں کے حوالے کر دیں گے اور چندا صاحب کو ارکاٹ کا نواب تسلیم کر لیں گے[1] نواب ناصر جنگ کا ایلچی دیوپلے کے پاس ابھی پہنچا ہی تھا کہ لاٹوش نے ۱۶ دسمبر ۱۷۵۰ء کی صبح تڑکے نواب ناصر جنگ کے لشکر پر حملہ بول دیا۔ کڑپہ، کرنول اور ساونور کے نوابوں کی فوج کھڑی تماشا دیکھتی رہی اور جب نواب ناصر جنگ کی فوج میں سراسیمگی پھیلی تو انھوں نے فرانسیسی جھنڈا بلند کر دیا۔ بقول سرو آزاد جب نواب ناصر جنگ کا ہاتھی بہادر خاں نواب کرنول کے ہاتھی کے پاس تھا تو نواب ناصر جنگ نے عماری سے بلند ہو کر اپنی سپاہ کی حوصلہ افزائی کی۔ ہمت بہادر خاں اور اس کے ساتھیوں نے اسی وقت گولی کے فیر کیے۔ جو نواب ناصر جنگ کے سینے پر پڑے۔ نواب ناصر جنگ کے شہید ہونے کی خبر سے جو رسالہ دار اور بخشی اب تک مقابلہ کر رہے تھے ان کے پاؤں بھی اکھڑ گئے۔ نواب مظفر جنگ کی صوبہ داری کا اعلان کر دیا گیا۔ یہاں سے نواب مظفر جنگ سیدھے پانڈی چری روانہ ہوئے جہاں بڑے تزک و احتشام سے ان کا استقبال ہوا۔ بڑی دھوم دھام سے مسند نشینی کی رسم ادا کی گئی۔ کئی روز تک عیش و نشاط کی محفلیں گرم رہیں۔ نواب مظفر جنگ نے فرانسیسی افسروں اور سپاہ کو خوب دل کھول کر انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔

جب نواب مظفر جنگ پانڈی چری میں داخل ہوئے تو نواب ناصر جنگ کا سارا خزانہ ان کے ساتھ تھا۔ اٹھارہ صندوق جواہرات کے اور ایک کروڑ روپیہ نقد تھا۔ نواب مظفر جنگ نے فرانسیسیوں کے اعلیٰ افسروں سے لے کر ادنیٰ سپاہیوں تک کو

۱؎ Martineau, Dupleix et L' inde Francaise, III,P. 142

۲؎ اس لڑائی کی تفصیل تاریخ راحت افزا تصنیف محمد علی الحسینی اور تاریخ فتحیہ تصنیف یوسف محمد خاں میں موجود ہے۔ ان کے علاوہ ہمعصر مصنفوں میں میر غلام علی آزاد بلگرامی نے سرو آزاد میں اور شاہ نواز خاں صمصام الدولہ نے مآثر الامرا میں اہم ارکاٹ کا ذکر کیا ہے اور یوروپین ماخذوں سے ان کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔

دِلا دیا جتنا اُن کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ ڈیوپلے کو دریائے کرشنا سے لے کر راس کماری تک کے تمام علاقے کا نائب مقرر کیا گیا اور چندا صاحب کو اُس کے ماتحت ارکاٹ کا نواب تسلیم کیا گیا۔ ڈیوپلے کو ہفت ہزاری منصب اور ماہی مراتب سے سرفراز کیا گیا۔ اُس کی بیوی کو جہاں آرا بیگم کا خطاب ملا۔ ڈیوپلے کو اس موقع پر جو خلعت دیا گیا تھا اُس کو زیب تن کر کے وہ مغل امرا کی صورت بنا کر نواب مظفر جنگ کے دربار میں حاضر ہوتا اور سر جھکا کر مجرا بجا لاتا تھا۔ پانڈیچری کی ٹکسال میں جو فرانسیسی روپیہ بنایا جاتا تھا اُس کا رواج سارے کرناٹک میں منظور کیا گیا۔ فرانسیسی کمپنی کو اس موقع پر ساڑھے تین لاکھ روپے سالانہ آمدنی کا علاقہ کرناٹک میں عطا ہوا۔ ظاہر ہے کہ انگریزوں کے لیئے یہ تمام انتظامات سخت نقصان رساں تھے اس واسطے کہ جن علاقوں میں اُن کی تجارت تھی وہ سب فرانسیسیوں کے تحت آ گئے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہاں اب اُنھیں وہ مراعات اور سہولتیں نہیں رہیں گی جو پہلے حاصل تھیں۔ یہ بھی طے ہو گیا کہ دریائے کرشنا کے جنوب میں تمام علاقوں کی مال گزاری ڈیوپلے کے توسط سے صوبہ دار دکن کو ادا کی جائے گی۔ یہ بات کڑپہ، کرنول اور ساونور کے نوابوں کو بہت ناگوار گزری اس واسطے کہ وہ اس امید میں تھے کہ نئے انتظام کے تحت اُن کی حیثیت کچھ بلند ہو جائے گی لیکن اُن کی یہ امید پوری نہیں ہوئی۔ پھر اُن کے ساتھ ڈیوپلے اور نواب مظفر جنگ نے جو وعدے کیئے تھے وہ بھی پورے نہیں کیئے گئے۔

ڈیوپلے سے عہد و پیمان پکا کرنے کے بعد نواب مظفر جنگ پانڈیچری سے دکن کی طرف روانہ ہوئے۔ اُن کے ساتھ تین سو فرانسیسی گورا فوج اور دس ہزار قواعد داں سپاہیوں کی فوج اور ڈیڑھ سو توپیں تھیں۔ موسیو بوسی کو ڈیوپلے نے اس فوج کا اعلیٰ افسر اور نواب مظفر جنگ کا مشیر مقرر کیا۔ اس کو سیاہ و سفید کے پورے اختیارات حاصل ہو گئے۔ نواب مظفر جنگ نے موسیو بوسی کی بہت خاطر مدارات کی اور اس کو ہفت ہزاری منصب مع علم و نقارہ اور ماہی مراتب عطا کیا۔ ڈیوپلے نے اس موقع پر نواب مظفر جنگ کو راستے کے خرچ

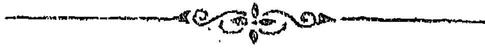
کے لیے ایک کروڑ روپیے قرض دے کر اُس کے بدلے میں قیمتی جواہرات کے صندوق اپنے پاس رکھ لیے۔ موسیو بوسی کو تین لاکھ روپے بطور انعام دیے گئے اور جو فرانسیسی سپاہ اُن کے ساتھ نواب مظفر جنگ کی حفاظت کے لیے روانہ کی گئی تھی اُس کے ہر سپاہی کو تین مہینے کی تنخواہ پیشگی اور حیثیت کے موافق انعام و اکرام بھی دیا گیا۔[۱] یہ بھی طے ہوا تھا کہ بوسی نواب مظفر جنگ کے ہمراہ حیدرآباد تک جائے اور وہاں سے مسولی پٹم چلا جائے۔ بعض محققوں کا خیال ہے کہ یہ ڈوپلے کی غلطی تھی کہ اُس نے بجائے اِس کے کہ کرناٹک میں محمد علی کو ختم کرنے فرانسیسی فوج کو بوسی کے تحت دکن روانہ کر دیا۔ لیکن بقول موسیو مارٹینو وہ محمد علی کو اتنا حقیر سمجھتا تھا کہ اس کی وجہ سے اُن تمام مراعات اور سیاسی اثر کو قربان نہیں کرنا چاہتا تھا جو صوبہ دار دکن سے فرانسیسیوں کو حاصل ہونے والا تھا۔

ڈوپلے نے کڑپہ کرنول اور سادنور کے نوابوں کے ساتھ سازش کیا تو اُن سے وعدہ کیا تھا کہ نواب ناصر جنگ کی دولت میں سے انھیں بھی حصہ ملے گا۔ لیکن نواب مظفر جنگ کی صوبہ داری کے اعلان کے بعد ان نوابوں کو ڈوپلے نے کچھ بھی نہیں دیا۔ اس پر ظاہر ہے کہ وہ بہت برافروختہ ہوئے اور کہنے لگے کہ سب کچھ تو ہم نے کیا لیکن فائدہ دوسروں نے اٹھایا۔ نواب مظفر جنگ کی وعدہ خلافی سے خاص طور پر وہ بہت ناراض تھے اور انتقام لینے کی فکر میں تھے۔ ڈوپلے کی یہ غلطی تھی کہ وہ سمجھا کہ باوجود غیر مطمئن ہونے کے وہ کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یہ درست ہے کہ وہ اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے لیکن انھوں نے نواب مظفر جنگ سے اپنا بدلہ لے لیا۔ نواب مظفر جنگ جب نواب کڑپہ کے علاقے میں داخل ہوئے تو اُن کے خلاف بھی اُس نے اسی طرح سازش کی جس طرح اُن کے ماموں نواب ناصر جنگ کے خلاف کی تھی۔ نواب مظفر جنگ پر اچانک حملہ کر کے انھیں شہید کر دیا گیا۔ اس سے لشکر میں کھلبلی مچ گئی۔ نواب مظفر جنگ کی بیوی نے اُن کے فرزند کو

[۱] Cultru, Deupleix, ses, idees, sa politiqal et sa chute p. 261

فرانسیسیوں کے سپرد کر دیا اور خواہش ظاہر کی کہ اُسے باپ کا جانشین بنادیا جائے۔ لیکن بوسی نے سوچا کہ اگر اُس کو جانشین بنادیا گیا تو بڑی سخت سازشیں اور پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔ چنانچہ اُس نے نواب نظام الملک آصف جاہ اول کے تیسرے بیٹے نواب آصف الدولہ صلابت جنگ کو شاہ نواز خاں صمصام الدولہ کے مشورے سے مسند نشین کرادیا۔ فوج کو بھی یہ انتظام پسند آیا۔ ڈوپلے کو جب اس تمام واقعے کی اطلاع ہوئی تو اُس نے بوسی کے اس انتظام کی تعریف کی اور توقع ظاہر کی کہ نیا صوبہ دار اُن تمام مراعات کی توثیق کر دے گا جو نواب مظفر جنگ نے منظور کیے تھے۔ نواب صلابت جنگ کے مسند نشین ہونے کے بعد راجا رام داس کو راجا رگھوناتھ داس کا خطاب دے کر اپنا وکیل مطلق مقرر کیا۔ راجا رگھوناتھ داس فرانسیسیوں کا خاص شخص تھا جس پر بوسی کو بہت کچھ اعتماد تھا۔ اُس نے بھی اپنے سرپرست فرانسیسی افسروں کی خوشنودی کی پوری کوشش کی۔ موسیو بوسی نے نواب صلابت جنگ کے ساتھ دریائے کرشنا کو پار کیا تو مرہٹوں کو لڑائی کے لئے تیار پایا جو نواب صلابت جنگ کی تاک میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بوسی اگر چاہتا تو مرہٹوں سے لڑ کر اُنھیں تباہ کر سکتا تھا اس واسطے کہ اُس کے ساتھ کافی توپ خانہ موجود تھا۔ لیکن پیشِ نظر یہ تھا کہ فرانسیسی اثر و رسوخ دکن میں مستحکم ہو جائے لڑائی میں خواہ مخواہ پڑنے سے فرانسیسی قوم کو کوئی خاص فائدہ نہ تھا۔ اُس کے کہنے پر نواب صلابت جنگ نے مرہٹوں کے سردار بالاجی راؤ کو دو لاکھ روپے دے کر معاملہ کر لیا اور نواب صلابت جنگ بخیر و عافیت اورنگ آباد پہنچ گئے۔ یہاں سے موسیو بوسی اور اُس کے فرانسیسی ساتھیوں کو مسولی پٹم چلا جانا چاہیے تھا لیکن نواب صلابت جنگ نے اُن سے خواہش ظاہر کی کہ ابھی تھوڑے دنوں وہ اور ان کی حفاظت کے لئے دکن میں رہیں۔ نواب صلابت جنگ محسوس کرتے تھے کہ فرانسیسی امداد کے بغیر وہ نہ تو دربار کی سازشوں اور مرہٹوں کے آئے دن کے نرغوں سے کبھی بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے پھر اُنھیں اپنے سب سے بڑے بھائی نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ

سکا بھی ڈر لگا ہوا تھا جو اُس وقت دہلی میں تھے لیکن اس کا قوی امکان تھا کہ
وہ دکن کی طرف رخ کرنے کا ارادہ کرلیں اس واسطے کہ وزیر صفدر جنگ
کی ریشہ دوانیوں کے سبب سے اُن کا اثر احمد شاہ بادشاہ دہلی کے
دربار میں کم ہوگیا تھا اور اُن کی وہ حیثیت باقی نہیں رہی تھی جو کچھ
عرصے قبل تھی۔



چوتھا باب

نواب صلابت جنگ کے عہد حکومت میں فرانسیسیوں کا دکن میں سیاسی اثر

اورنگ آباد پہنچ کر نواب صلابت جنگ نے محسوس کیا کہ بغیر فرانسیسیوں کی مدد کے وہ اپنی حکومت دکن میں نہیں قائم رکھ سکیں گے۔ بیوسی کا ملکی انتظامات میں دخل دینا لازمی تھا بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ وہ نواب صلابت جنگ کے اصرار پر اورنگ آباد میں ٹھیرا تھا۔ ان حالات میں اگر ڈوپلے کے تخیل کی جولانی بڑھ گئی اور اپنے منصوبوں کو پورا کرنا اُسے قابل عمل معلوم ہوا تو یہ کوئی تعجب کا محل نہیں۔ وہ عرصے سے نہ صرف کرناٹک اور دکن میں بلکہ سارے ہندوستان میں فرانسیسی تفوق واقتدار کا خواب دیکھ رہا تھا۔ لیکن بعد میں جو واقعات پیش آئے انھوں نے اس خواب کو حقیقت نہ بننے دیا۔ ڈوپلے نے اس ضمن میں بیوسی کو اپنے ایک خط میں لکھا تھا۔

"تم نے جو یہ لکھا ہے کہ دکن کی کامیابی سے ہمارے بادشاہ اور ہماری قوم کے وقار میں اضافہ ہوا ہے بالکل صحیح ہے۔ خیال چاہے میرا ہو لیکن اس کو عملی جامہ تو تم نے ہی پہنایا۔ میں تم سے بارہا کہہ چکا ہوں کہ تمھارا شکریہ ادا کرنا ممکن نہیں۔ میری استدعا بس یہ ہے کہ جس کام کا تم نے بیڑا اٹھایا ہے اسے پایۂ اختتام تک پہنچا دو"۔[1]

دکن کی سیاست میں فرانسیسیوں نے جو اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اہل دکن نے بہت جلد یہ محسوس کیا کہ ان کا حکمران کٹھ پتلی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ انھیں فرانسیسیوں کا اقتدار ناگوار تھا۔ اگرچہ نظم و نسق کے مختلف شعبوں پر اب بھی دکن کے امرا ہی کی حکومت تھی لیکن نواب صلابت جنگ بوسی کے اشارے پر چلتے تھے اور اسے اپنا پشت پناہ سمجھتے تھے۔ ڈیوپلے نے بوسی کو ہدایت کر دی تھی کہ فرانسیسی سپاہ کا دکنی عوام کے ساتھ جتنا کم ربط ضبط ہو اتنا ہی اچھا ہے ورنہ اندیشہ ہے کہ کہیں جھگڑے ٹنٹے نہ پیدا ہو جائیں جن کے باعث فرانسیسی غیر مقبول ہوں اور ان کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہوں۔ جب بوسی نے دیکھا کہ دکنی امرا اس کے اثر کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تو وہ بھی بہ نسبت پیشتر کے زیادہ محتاط ہو گیا اور جہاں تک ممکن تھا نواب صلابت جنگ کے دربار میں اپنا آنا جانا کم کر دیا تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف سے حسد و نفرت کی آگ زیادہ نہ بھڑک اٹھے۔ لیکن پھر بھی نواب صلابت جنگ کے تمام اہم فیصلوں میں بوسی کا اشارہ موجود رہتا تھا۔ اور یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ بوسی نے اپنی مقبولیت بڑھانے کے لیے دکنی امرا اور اعلیٰ عہدہ داروں سے اپنے ذاتی تعلقات بڑھانے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ اس نے یہ ترکیب بھی کی کہ جس معاملے میں وہ اپنا اثر استعمال کرنا چاہتا تھا تو اعلیٰ عہدہ داروں اور امرا کو یہ باور کراتا تھا کہ انھیں کی مرضی سے سب کچھ ہو رہا ہے۔ لیکن حکومت کے بعض اعلیٰ عہدہ داروں کی نظر میں

[1] Martineau, Bussy et l' Inde Francaise, p. 38

فرانسیسی اثر کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا اور بوسی نے اس کو چھپانے کی جتنی کوشش کی اسی قدر فرانسیسیوں کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہوئے۔ بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ نواب صلابت جنگ کا اقتدار دکن میں مضبوط بنیادوں پر مستحکم ہو چکا ہے لیکن بہت جلد ایسے واقعات رونما ہوئے جن کی بدولت فرانسیسی اثر کو بہ نسبت پیشتر کے اور زیادہ تقویت حاصل ہو گئی۔

شمالی ہند سے یہ اطلاعیں دکن میں برابر پہنچ رہی تھیں کہ نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ ڈیڑھ لاکھ فوج لے کر عنقریب دکن پر حملہ آور ہونے والے ہیں اور بالاجی راؤ کو انھوں نے اس مہم میں شرکت کے لئے اپنے ساتھ ملا لیا ہے اور اُس سے یہ سمجھوتہ کر لیا ہے کہ جب وہ دکن پر چڑھائی کریں تو وہ بھی ایک لاکھ مرہٹوں سمیت اُن کی مدد کو پہنچ جائے۔ ان افواہوں سے اورنگ آباد میں بڑی دہشت پھیلی ہوئی تھی۔ امرا میں سے بعض کا خیال تھا کہ اورنگ آباد کا تخلیہ کر کے کسی اور محفوظ مقام پر حکومت کو منتقل کر دینا چاہیے۔ لیکن بوسی نے اس رائے سے اختلاف کیا۔ جب وہ پانڈی چری سے اورنگ آباد آرہا تھا تو اس وقت اُس نے بالاجی راؤ سے لڑنا خلاف مصلحت سمجھا تھا اس لئے کہ دکن میں اس وقت تک فرانسیسی اثر پوری طرح قایم نہیں ہونے پایا تھا اور نواب صلابت جنگ نے اُس وقت تک حکومت کی ذمہ داریوں کا جایزہ نہیں لیا تھا۔ اگرچہ دیو پلے کی رائے یہ تھی کہ فرانسیسیوں کو مرہٹوں سے لڑائی نہیں کرنی چاہیے اور اگر ممکن ہو تو اُن سے بیسور، تنجور، اور کرناٹک کی چوتھ کے حق کو تسلیم کر کے مصالحت کر لینی چاہیے۔ لیکن بوسی جانتا تھا کہ دکن میں فرانسیسی اثر قایم رکھنے کے لیے مرہٹوں کے سامنے ہرگز نہیں جھکنا چاہیے۔ اُس نے دیو پلے کی اس رائے پر عمل کیا کہ بالاجی راؤ کے مخالفوں خاص کر تارا بائی سے گفت و شنید شروع کر دی تاکہ مرہٹوں کے نفاق سے جہاں تک ممکن ہو فایدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ تارا بائی نے اس موقع کو غنیمت جان کر اور فرانسیسی امداد کی توقعات قایم کر کے بوسی سے

وعدہ کرلیا کہ اگر بالاجی راؤ کے خلاف فرانسیسی فوج نواب صلابت جنگ کے ساتھ دریائے بھیما کے پار آئے گی تو وہ مدد کرے گی۔ غرض کہ بوسی نے پیشتر اس کے کہ بالاجی راؤ کے خلاف فوجی کارروائی کرے سیاست کاری کے اصول کے مدنظر اپنے حریف کے مخالفوں کو اپنے ساتھ کرنے کی کوشش کی اور خاصکر تارابائی سے اس کی گفت و شنید کامیاب رہی اور دوسرے مرہٹہ سرداروں کو بھی اس نے اپنے ساتھ ملا لیا۔

بوسی یہ نہیں چاہتا تھا کہ نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ اور بالاجی راؤ کی فوجیں دکن میں آکر ملیں۔ وہ دونوں سے الگ الگ نمٹنا چاہتا تھا۔ چنانچہ پیشتر اس کے کہ بالاجی راؤ دکن کی طرف رخ کرے بوسی کے مشورے سے نواب صلابت جنگ کی فوج بیدر ہوتی ہوئی احمدنگر کی طرف بڑھی [۱]۔ لیکن نواب صلابت جنگ کے دربار میں بعض امرا جو فرانسیسیوں کے ہر فعل کو شبہے کی نظر سے دیکھتے تھے بالاجی راؤ سے مصالحت چاہتے تھے۔ بوسی نے نواب صلابت جنگ کو یقین دلایا کہ اگر اُن کی فوج بالاجی راؤ سے نہیں لڑنا چاہتی تو نہ لڑے فرانسیسی اکیلے لڑیں گے اس واسطے کہ ایسا کرنا خود اُن کے مفاد کی حفاظت کے لیے ضروری ہے۔ بوسی کی اولوالعزمی اور جواں مردی سے لوگ بہت متاثر ہوئے اور نواب صلابت جنگ کے دربار کے مخالف امرا بھی اُس کے ہمخیال ہوگئے۔ احمدنگر سے بوسی نواب صلابت جنگ کے ساتھ پونا کی طرف بڑھا۔ نواب صلابت جنگ کی فوج میں ۶۰ ہزار سپاہی تھے۔ ان کے علاوہ بوسی کی ۱۱۴ فرانسیسی سپاہ تھی اور تقریباً ۶ ہزار فرانسیسی افسروں کی تربیت یافتہ دیسی فوج تھی۔ راستے میں بالاجی راؤ کی ۴۰ ہزار مرہٹہ فوج نے نواب صلابت جنگ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ پہلے تو قزاقانہ انداز پر حملے ہوتے رہے لیکن اس کے بعد جم کر لڑائی ہوئی مرہٹوں کو شکست ہوئی اور بالاجی راؤ کی بہت سی سپاہ فرانسیسی

---

[۱] توزک آصفیہ صفحہ ۹۲۔

توپ خانے سے برباد ہوئی (نومبر ۱۷۵۱ء) نواب صلابت جنگ اور بیوسی کی فوج نے مرہٹوں کا پیچھا کیا اور انھیں پسپا کر کے پونا کے قریب تک رگید تی ہوئی لے گئی[1]۔ بالاجی راؤ نے یہاں اپنی منتشر فوج کو پھر جمع کر لیا۔ ایک رات جب کہ چاندگہن پڑ رہا تھا فرانسیسیوں نے پھر مرہٹوں پر شبخون مارا اور مرہٹہ فوج کو تتر بتر کر کے اس کا پیچھا کیا۔ پیچھا کرتے کرتے پونا سے ۲۰ میل پہنچ گئے۔ اس انتشار میں خود بالاجی راؤ گھوڑے کی برہنہ پیٹھ پر بیٹھ کر بھاگ نکلا تھا اور قید ہونے سے بال بال بچ گیا۔ مرہٹوں کا اس معرکے میں بھی بہت نقصان ہوا۔ نواب صلابت جنگ نے اس کامیابی کی خوشی میں بیوسی کی بڑی قدر افزائی کی۔ اپنے خیمے سے پچاس قدم آگے جا کر انھوں نے بیوسی سے ملاقات کی اور اس کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا۔ مظفر خاں شیخ ابراہیم اور ان فرانسیسی افسروں کو جنھوں نے اس لڑائی میں خاص حصہ لیا تھا انعام دیے گئے اور ان کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

لیکن بالاجی راؤ نے باوجود ان شکستوں کے جو اس کو نواب صلابت جنگ اور بیوسی کی فرانسیسی سپاہ کے ہاتھوں کھانی پڑیں پھر ایک دفعہ اپنی منتشر فوج کو منظم کر لیا اور مرہٹوں کی قدیم قزاقانہ طرز کی جنگ سے اپنے مخالف کو زک دینے کی کوشش کی۔ نواب صلابت جنگ اور بیوسی کی فوج اپنے مرکز سے بہت دور نکل آئی تھی۔ مرہٹوں نے بآسانی اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا تاکہ رسد نہ پہنچ سکے۔ غلے اور چارے دانے کی کمی کے سبب سے نواب صلابت جنگ اور بیوسی کی فوج میں سخت پریشانی پھیل گئی۔ سپاہی اور گھوڑے بھوکوں مرنے لگے۔ بیوسی نے پیچھے ہٹنے کا مشورہ دیا۔ ایسا کرنے میں بھی اگرچہ دشواری تھی لیکن بیوسی کو اپنے توپ خانے پر بڑا بھروسا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اپنے توپ خانے کی بدولت مرہٹوں کو پاس پھٹکنے نہیں دے گا۔ غرض کہ

---

[1] حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۲۳۳۔

نواب صلابت جنگ اور بیوسی کی فوج نے پیچھے ہٹ کر احمد نگر میں پڑاؤ ڈال دیا۔ یہاں اورنگ آباد سے ایک مہینے کا سامان رسد پہنچ چکا تھا۔ لیکن اس کے بعد سامان کا پہنچنا ممکن نہ تھا اس واسطے کہ بالاجی راؤ نے یہاں بھی صوبہ دار دکن کی فوج کو چاروں طرف سے گھیر کر رسد کی فراہمی ناممکن کر دی تھی۔ مرہٹوں نے نواب صلابت جنگ اور بیوسی کے لشکر پر قزاقانہ حملے شروع کر دئیے جن سے بڑی ابتری پیدا ہو گئی۔ نواب صلابت جنگ کے دربار میں بعض امرا بالاجی راؤ سے مصالحت کے شروع ہی سے موافق تھے۔ اُن کے اثر سے نواب صلابت جنگ بھی کچھ نرم پڑ گئے۔ خود بیوسی نے دیکھا کہ اسلحہ اور دوسرے سامان جنگ کی قلت ہے اور پیشتر ہی سے فرانسیسی سپاہ بیماری سے مضمحل ہو گئی ہے تو وہ بھی مصالحت پر آمادہ ہو گیا۔ پھر اس کے علاوہ نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کے اورنگ آباد کی طرف بڑھنے کی اطلاع نواب صلابت جنگ کو مل چکی تھی جس کے باعث وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد بالاجی سے مصالحت کر کے اورنگ آباد چلے جائیں۔ خود بالاجی راؤ بھی صلح کرنا چاہتا تھا اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ تارا بائی نواب صلابت جنگ اور بیوسی کی پونا سے قربت سے فائدہ اٹھا کر معاملات میں پیچیدگی پیدا کر سکے گی۔ نواب صلابت جنگ کی مالی حالت خراب تھی۔ اس جنگ میں جس نے کافی طول کھینچا نواب صلابت جنگ نے ۴۰ لاکھ روپے ماہوار خرچ برداشت کیا۔ نواب صلابت جنگ کے دیوان رگھوناتھ داس نے اب تک تو کسی نہ کسی طرح سے ادھر اُدھر سے قرض لے کر کام چلایا لیکن اب مزید قرض لینا بھی ممکن نہ تھا۔ غرض کہ مالی دشواری اور دوسرے اسباب کی بنا پر بالاجی راؤ سے صلح کی گفت و شنید شروع کر دی گئی۔ ۱۷ر جنوری ۱۷۵۲ء بالاجی راؤ کا بھائی نواب صلابت جنگ سے آکر ملا اور صلح نامہ مرتب ہو گیا جس کی رو سے بالاجی راؤ نے وعدہ کیا کہ وہ

---

[1] حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۲۳۲۔

دکن کے ان تمام قصبات اور قلعوں کو نواب صلابت جنگ کو واپس کر دے گا جن پر اس نے نواب نظام الملک آصف جاہ اول کے انتقال کے بعد سے اس وقت تک قبضہ کیا تھا۔ نواب صلابت جنگ کو کرناٹک کی مالگزاری وصول کرنے کا حق حاصل رہے گا لیکن اس کل مالگزاری کی رقم میں سے پیشوا کو بھی حصہ دیا جائے گا۔ بالاجی راؤ نے ایک لاکھ روپے پیشکش نواب صلابت جنگ کو دینے کا وعدہ کیا۔ اس مساویانہ صلح کے بعد نواب صلابت جنگ اور بوسی حیدرآباد کو واپس آگئے تاکہ وہاں جا کر نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کے خلاف جنگ کی تیاری کر کے اورنگ آباد کی طرف بڑھیں۔ راستے میں بعض سرکش زمینداروں کی بغاوت فرو کی اور مالگزاری کا بقایا وصول کیا۔ نواب صلابت جنگ کے مدارالمہام راجا رگھوناتھ داس اور فوج میں بہت دنوں سے تنخواہ کی ادائی کے متعلق جھگڑا چلا آتا تھا۔ چنانچہ سپاہ نے راجا رگھوناتھ داس کو حیدرآباد کے راستے ہی میں قتل کر ڈالا۔ اس واقعے سے نواب صلابت جنگ کے سارے لشکر میں ہلچل مچ گئی۔ راجا رگھوناتھ داس فرانسیسیوں کا زبردست حامی اور ہوا خواہ تھا۔ نواب صلابت جنگ کو مدارالمہامی پر تقرر کرنے کی فکر ہوئی۔ اس وقت دکن میں شاہ نواز خاں صمصام الدولہ اور سید لشکر خاں کی زبردست شخصیتیں موجود تھیں جن پر اس عہدۂ جلیلہ کے لیے نظر پڑتی تھی۔ سید لشکر خاں اگرچہ فرانسیسیوں کا سخت مخالف تھا لیکن کچھ عرصے سے اس نے موسیو بوسی اور دوسرے فرانسیسی افسروں سے اپنا ربط ضبط بڑھا لیا تھا اور وہ خوب جانتا تھا کہ بوسی کو رضامند رکھے بغیر مدارالمہام بننا ممکن نہیں۔ حیدرآباد پہنچ کر نواب صلابت جنگ نے سید لشکر خاں کو انعام اکرام سے سرفراز کیا اور رکن الدولہ کا خطاب عطا کر کے وکالت مطلق اور مدارالمہامی کی خدمت پر فائز کر دیا۔ سید لشکر خاں نے الدیار بیگ قلماق کو بہادر دل خاں کا خطاب دے کر اپنا نائب مقرر کیا اور دیوانی کے فرائض اس کے تفویض

گو پہلے سید لشکر خاں نے شروع شروع میں فرانسیسیوں سے دوستانہ تعلقات برقرار رکھے لیکن کچھ عرصے بعد اس نے محسوس کیا کہ فرانسیسی اثر ان کے اقتدار کی راہ میں سنگ راہ ہے تو وہ ان سے کھنچ گئے۔ روز بروز فرانسیسیوں اور سید لشکر خاں میں ناموافقت بڑھنے لگی۔ بوسی کا اثر اس مقابلے میں پیشتر سے اور زیادہ بڑھ گیا اور اس طور پر بڑھا کہ اس کو ہر شخص محسوس کر سکتا تھا۔ آگے چل کر دوپلے کا مشورہ بوسی کو اس ضمن میں یہ تھا کہ "میں ہمیشہ تم سے یہ استدعا کرتا رہا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو نواب صلابت جنگ کو یہ نہ محسوس ہونے دینا کہ اس کا وجود تم پر منحصر ہے۔ تم جس قدر قوی ہو جاؤ اسی قدر زیادہ یہ ظاہر کرو کہ تم اس کے رہین منت ہو اور اس کی حفاظت کے لئے کوشاں اور اس کے احکام کی متابعت کے لئے آمادہ رہو گے" ل

اس اثنا میں نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ نے دکن کی طرف کوچ کر دیا تھا۔ بادشاہ دہلی نے باوجود اس امر کے کہ وہ نواب صلابت جنگ کی صوبہ داری کا فرمان روانہ کر چکا تھا نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کو خلعت صوبہ داری سے سرفراز کیا۔ چنانچہ نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ نومبر ۱۷۵۲ء میں ایک لاکھ پچاس ہزار کا لشکر لے کر دہلی سے روانہ ہو گئے۔ بالاجی راؤ اور رگھوجی بھونسلا کو اس کی پہلے سے اطلاع ہو چکی تھی۔ چنانچہ وہ بھی اپنی اپنی فوجیں لے کر نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ سے راستے میں آ کر مل گئے۔ جب نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کے اورنگ آباد کے قریب پہنچ جانے کی اطلاع دکن میں ہوئی تو کھلبلی مچ گئی۔ بعض بڑے بڑے امرا نے مخفی طور پر ان کی خدمت میں اپنی عرضیاں بھیج دیں جن میں اظہار وفاداری کیا گیا تھا۔ برہان پور کے بیشتر امرا و اعیان نے ان کی آمد پر شہر کے باہر خیمے کھڑے کر کے ان کا

Martineau Bussy et L' Inde Francaise, p. 66 ل

استقبال کیا اس لئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ عنقریب مرہٹوں کی مدد سے نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ دکن کے صوبہ دار بن جائیں گے اور نواب صلابت جنگ ان کے مقابلے کی تاب نہ لا سکیں گے۔

برہان پور سے روانہ ہو کر نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ اورنگ آباد پہنچے۔ وہاں بھی میدان خالی تھا۔ نواب صلابت جنگ حیدرآباد میں تیاری میں مصروف تھے۔ اورنگ آباد میں بھی کم و بیش وہی منظر پیش آیا جس کا مظاہرہ برہان پور میں ہوا تھا۔ نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ بلا کسی مزاحمت کے دکن کے صدر مقام اورنگ آباد میں داخل ہو گئے۔ وہاں اس وقت جو امرا موجود تھے انھوں نے حلف وفاداری لے لیا۔

جب دوپلے کو نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کے دکن کی طرف کوچ کرنے کی اطلاع ہوئی تو اس نے بوسی کو یہ مشورہ دیا کہ اگر ضروری ہو تو تم اپنی خدمات نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کی خدمت میں پیش کر دو۔ اس نے یہ بات بھی بوسی کو واضح کر دی تھی کہ فرانسیسیوں نے نواب صلابت جنگ کی حمایت اس واسطے کی ہے کہ ان کے ذریعے سے آصف جاہی خاندان دکن میں برقرار رہے گا اور فرانسیسی قوم کو اس خاندان سے جو مراعات ملی ہیں ان سے انگریزوں کی قوت کو توڑا جا سکے گا۔ اب اگر نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ بھی انھیں مراعات کی توثیق کو آمادہ ہوں جو فرانسیسیوں نے نواب مظفر جنگ اور نواب صلابت جنگ سے حاصل کی ہیں تو کوئی وجہ نہیں فرانسیسی خواہ مخواہ نواب غازی الدین خاں کی مخالفت مول لے کر اپنے آپ کو مخمصے میں ڈالیں[1]۔ اس خط سے صاف پتا چلتا ہے کہ فرانسیسی نقطۂ نظر کس قدر عملی اور تمام تر اپنے مفاد پر مبنی تھا۔ فرانسیسیوں کو نواب صلابت جنگ سے صرف اس واسطے ہمدردی تھی کہ وہ ان کے ذریعے سے اپنے مفاد کو دکن اور کرناٹک میں مستحکم کرنا اور

[1] Martineau, Bussy et L' Inde Francaise, p . 71

اپنے حریف انگریزوں کو نیچا دکھانا چاہتے تھے۔

نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ نے اورنگ آباد پہنچ کر مزید فوج بھرتی کی تاکہ قوت آزمائی کے لئے اُن کی تیاری مکمل ہو جائے۔ نواب صلابت جنگ اسی اثنا میں حیدرآباد سے بھالکی کی جانب روانہ ہوگئے تھے۔ انھیں اس کا علم ہو چکا تھا کہ اُن کے لشکر کے اکثر افسروں اور امرا نے خفیہ طور پر نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کو عرضیاں بھیجی ہیں اور اطاعت و فرماں برداری کا وعدہ اور وقت پر ساتھ دینے کی آمادگی ظاہر کی ہے۔ لیکن موسیو بوسی اور شاہ نواز خاں صمصام الدولہ نے نواب صلابت جنگ کی دلجمعی کی اور یہ مشورہ دیا کہ ان حالات سے بددل نہ ہونا چاہیے اور اورنگ آباد کی طرف بڑھ کر مردانہ وار مقابلہ کرنا چاہیے۔ اسی دوران میں نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ ہیضے کے مرض میں مبتلا ہو کر اورنگ آباد میں انتقال کر گئے۔ مورخین میں نواب موصوف کی موت کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے بعض کا خیال ہے کہ انھیں زہر دے دیا گیا تھا۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو اُن کے انتقال سے اُن کی فوج میں سخت انتشار کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ بہت سارے سپاہی اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے اور بہت سے مرہٹوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کی نعش دہلی لے گئے۔ اب نواب صلابت جنگ کا کوئی حریف دکن کی صوبہ داری کے لیے باقی نہیں رہا۔ بادشاہ دہلی نے انھیں مدار الملک آصف الدولہ کا خطاب عطا کیا[1]۔

نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ کے انتقال کے بعد بالاجی راؤ مع ہلکر کے نواب صلابت جنگ کے مقابلہ کے لئے بڑھا اور یہ پیغام کہلا بھیجا کہ نواب مرحوم نے خاندیس کا علاقہ ہمیں دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اگر نواب صلابت جنگ یہ علاقہ ہمیں حوالہ کر دیں تو ہمارا ان سے کوئی جھگڑا نہیں لیکن اگر وہ ایسا کرنے سے انکار کرتے ہیں تو ہم لڑیں گے۔ اس پیغام کے بعد

---

[1] تزک آصفیہ صفحہ ۱۰۴۔

مرہٹوں نے نواب صلابت جنگ کے لشکر کو گھیر لیا۔ فرانسیسیوں نے اپنے توپ خانے سے خوب کام لیا۔ طرفین کے دو ہزار آدمی ضایع ہوئے سید لشکر خاں اور اُن کی جماعت نے نواب صلابت جنگ کو رائے دی کہ خاندیس مرہٹوں کے حوالے کر دیا جائے اس واسطے کہ اس سے حکومت دکن کو کچھ زیادہ فایدہ نہیں ہے۔ لیکن شاہ نواز خاں صمصام الدولہ اور موسیو بیوسی اس رائے کے خلاف تھے۔ وہ کہتے تھے کہ بغیر لڑے ہوئے خاندیس کو کبھی حوالے نہیں کیا جا سکتا۔ غرض کہ پانچ روز تک نواب صلابت جنگ کی فوج اور مرہٹوں میں لڑائی جاری رہی۔ مرہٹوں نے حسب معمول اپنی فوج کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم کر کے قزاقانہ طرز پر چھاپے مارنے شروع کیے۔ وہ اس طور پر صفائی سے چھاپے مارتے کہ فرانسیسی توپ خانے کی زد میں نہ آنے پائیں۔ رسد بند ہو جانے کے سبب سے نواب صلابت جنگ اور موسیو بیوسی کو سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا بالآخر گلبرگے کے مقام پر ایک معاہدہ طے ہوا جس کی رو سے یہ طے ہوا کہ برہان پور کے چند اضلاع جن میں بگلانے کا قلعہ بھی شامل تھا مرہٹوں کے حوالے کر دئے جائیں اور اورنگ آباد کے قرب و جوار میں جو علاقے نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ نے اخراجات جنگ کے ضمن میں بالاجی کے حوالے کیئے تھے یا حوالے کرنے کا وعدہ کیا تھا وہ صوبہ دار دکن ہی کے تحت رہیں گے۔ اس صلح نامے کے بعد بالاجی راؤ اپنی فوج سمیت پونا واپس چلا گیا۔ اس موقع پر رگھوجی بھونسلا نے کوشش کی کہ اُس کو برار میں کچھ علاقے مل جائیں لیکن نواب صلابت جنگ نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا اس لیئے کہ بالاجی راؤ سے صلح نامہ ہو جانے کے بعد اُنھوں نے رگھوجی بھونسلا کے مطالبات کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی۔ جس وقت بالاجی راؤ اپنی فوج سمیت گلبرگے سے پونا کی طرف روانہ ہوا تھا تو اُسی وقت رگھوجی بھونسلا بھی ناگ پور کی طرف روانہ ہو گیا لیکن بعد میں وہ راستے میں سے لوٹ آیا اور نواب صلابت جنگ کو پریشان کرنے کے لیئے اورنگ آباد کے قریب

لوٹ مار شروع کردی۔ موسیو بیوسی اور نواب صلابت جنگ دونوں نے محسوس کیا کہ رگھوجی بھونسلا کے خلاف جنگ کا سلسلہ اگر جاری رکھا گیا تو ملکی انتظام میں سخت خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہے چنانچہ جنگ موقوف کرنے کے لئے رگھوجی بھونسلا کو برار کے چند اضلاع حوالے کردئے گئے۔

سید لشکر خاں جو شروع میں فرانسیسیوں کے دوست تھے اب ان کے مخالف ہوگئے تھے۔ انھیں یہ بات سخت ناگوار تھی کہ نواب صلابت جنگ پر موسیو بیوسی کا اثر پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا ہے۔ بیوسی اپنی مرضی اور اپنے مفاد کے مطابق اُن سے جو چاہتا ہے کرالیتا ہے۔ فرانسیسیوں نے پہلے ہی مسولی پٹم اور کونڈویر کے علاقے حاصل کرلئے تھے اور اب اُن کی نیت مشرقی ساحل کے دوسرے علاقوں پر تھی۔ اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ جب کبھی موسیو بیوسی فرانسیسی قوم کے فائدے کے لیے کوئی مطالبہ پیش کرتا تھا تو سید لشکر خاں اُس کو پورا نہیں ہونے دیتے تھے۔ اسی اثنا میں نواب صلابت جنگ کی حکومت کی مالی حالت بد سے بدتر ہوگئی مرہٹوں سے لڑائی کے باعث خزانہ پہلے ہی خالی ہوچکا تھا سنہ۱۷۵۴ء میں جب بیوسی تکلیف میں بیمار ہوگیا اور ڈاکٹروں نے تبدیل آب و ہوا کا مشورہ دیا تو اُس نے مسولی پٹم جانے کا ارادہ کیا اور گوپی کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ اُس کے مسولی پٹم جانے کے بعد دکن میں فرانسیسیوں کی مشکلات بڑھ گئیں۔ گوپی اور دوسرے فرانسیسی افسروں میں وہ قابلیت نہ تھی جس کی بدولت بیوسی نے دکن میں فرانسیسیوں کا سکہ بٹھایا تھا۔ اس وقت فرانسیسی جمعیت کے سو فرنگی اورنگ آباد میں اور آٹھ سو فرنگی اور دیسی سپاہ کی چار پلٹنیں حیدرآباد میں رہا کرتی تھیں۔ اس سب فوج کا سالانہ خرچ ۲۹ لاکھ روپئے تھا۔

بیوسی کے جانشین گوپی کی نخوت اور بے تکے پن کے باعث

دکنی امرا میں فرانسیسیوں کے خلاف سخت نفرت پھیل گئی تھی۔ سید لشکر خاں کو
اب اچھا موقع ملا کہ فرانسیسیوں کو نقصان پہنچائے اور حتی المقدور ان کے
اثر کو دکن کی سیاست میں زائل کرے۔ پھر ایک وجہ ایسا کرنے کی یہ تھی کہ
صوبہ دار دکن کے خزانے پر فرانسیسی فوج کا بڑا بار تھا۔ مالی حالت
خراب ہونے کے باعث حکومت اس بار کو جسے شاید معمولی حالات میں
اتنا محسوس نہ کیا جاتا اب اور بھی زیادہ محسوس کر رہی تھی۔ بوسی کی غیر موجودگی
سے فائدہ اٹھا کر سید لشکر خاں نے نواب صلابت جنگ سے اس کی
منظوری حاصل کر لی کہ فرانسیسی فوج کی تعداد کم کر دی جائے لیکن نواب
صلابت جنگ فرانسیسیوں سے اس قدر مرعوب تھے کہ انھوں نے اس
تجویز کو نہیں منظور کیا۔ اس پر سید لشکر خاں نے فرانسیسی افسر موسیو گوپی کو
لکھا کہ فرانسیسی فوج کی تنخواہ کی ادائگی کی بہترین صورت یہ ہے کہ اضلاع
میں فرانسیسی فوج عمال حکومت کے ساتھ مالگزاری کی رقم وصول
کیا کرے تاکہ اس سے اس کے اخراجات کی پابجائی ہو سکے لیکن پوشیدہ
سید لشکر خاں نے یہ ہدایات بھیج دیں کہ فرانسیسی فوج کے لوگ اگر مالگزاری
وصول کریں تو رقم ادا نہ کی جائے۔ فرانسیسی فوج نے مالگزاری کی
وصولیابی میں سخت تشدد اختیار کیا جس کی وجہ سے رعایا ان کے برتاؤ سے
سخت ناخوش تھی اور فرانسیسیوں کے تشدد کی شکایتیں نواب صلابت جنگ
تک پہنچنے لگیں۔ گوپی نے سید لشکر خاں کی تجویز کو منظور کر کے سخت
غلطی کی۔ اس کا نتیجہ ہوا کہ فرانسیسیوں کا وقار عوام الناس کی نظروں میں
گر گیا۔ دیہات میں زمین داروں اور پولی گاروں سے ان کے جھگڑے شروع
ہو گئے جس کی وجہ سے ان کی غیر مقبولیت میں بہت اضافہ ہوا۔ سید لشکر خاں
نے اس عرصے میں مدراس کے گورنر سانڈرس سے بھی خط و کتابت
شروع کر دی اور اس کو لکھا کہ فرانسیسیوں کو دکن سے بے دخل کرنے
میں اس کی مدد کرے۔ جب دیوپلے کو اس کی اطلاع پہنچی تو اس نے فوراً
بوسی کو تاکیدی خط لکھا کہ فوراً حیدرآباد واپس جاؤ ورنہ بنا بنایا کھیل

بگڑ جائے گا۔ دلو پلے نے اس موقع پر بیوسی کے اختیارات میں مزید اضافہ کیا تاکہ شدید ضرورت کے موقع پر وہ اپنے صوابدید سے فیصلہ کر سکے چنانچہ بیوسی فوراً مسولی پٹم سے حیدرآباد روانہ ہو گیا۔ اُس کی صحت بھی اب اچھی ہو گئی تھی۔

حیدرآباد پہنچنے پر بیوسی نے اپنی ضمانت پر دیسی ساہوکاروں سے قرض لے کر اپنی سپاہ کی تنخواہوں کے بقایے کی ادائی کا انتظام کیا۔ نواب صلابت جنگ کی حکومت میں جو ابتری پیدا ہو گئی تھی اُس کا ذمہ دار بیوسی نے سید لشکر خاں کو ٹھیرایا جس کو برطرف کرا کے وہ کسی ایسے شخص کو مدار المہام بنوانا چاہتا تھا جو فرانسیسی مفاد کا مخالف نہ ہو۔ بیوسی نے سوچا کہ سید لشکر خاں کو نیچا دکھانے کے لیئے وہ بالاجی راؤ سے ساز باز کرے اور اُس سے اگر ضرورت ہو تو فوجی امداد طلب کرے لیکن چوں کہ وقت پر فرانسیسی فوج کی کمک پانڈی چری سے آ گئی تھی اس لیئے اس کی ضرورت نہ پڑی۔ بیوسی بغیر نواب صلابت جنگ کے بلائے ہوئے حیدرآباد سے اورنگ آباد کو روانہ ہو گیا تاکہ وہاں پہنچ کر سید لشکر خاں کو مجبور کرے کہ وہ اپنے عہدے سے دست بردار ہو جائے۔ بیوسی کے اورنگ آباد پہنچنے کی خبر سے نواب صلابت جنگ کے دربار میں ایک تہلکہ سا مچ گیا۔ سید لشکر خاں نے جو بیوسی کی نقل و حرکت سے فکر مند ہو گیا تھا دولت آباد کے قلعے میں قلعہ بند ہو کر پناہ لی اور مدافعت کی تدبیر کرنے لگا۔ جب بیوسی اورنگ آباد کے قریب پہنچا تو سید لشکر خاں نے مقابلے کی تاب نہ لا کر بیوسی کے پاس اپنے ایلچی روانہ کیئے اور معذرت خواہی کے ساتھ موافقت کی خواہش ظاہر کی اور وعدہ کیا کہ وہ اپنے عہدے کی مہریں بیوسی کو بھجوا دے گا جنھیں وہ جسے چاہے تفویض کر دے لیکن بیوسی نے اس موقع پر ہوشمندی اور اعتدال پسندی سے کام لیا۔ اُس نے سید لشکر خاں کو مدار المہامی کی خدمت پر برقرار رکھا اس لیئے کہ وہ اپنے سر ایک اور الزام نہیں لینا چاہتا تھا جس سے امرائے دکن میں اُس کی

غیر مقبولیت میں اور اضافہ ہوتا۔ اس نے سوچا کہ پہلے نواب صلابت جنگ اور سید لشکر خاں سے اپنے حسب منشا مطالبات منوا لینے چاہییں۔ اس کے بعد مدار المہامی کا جو انتظام ہوگا اُسے دیکھا جائے گا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس وقت سید لشکر خاں اُس کے سامنے بالکل بے بس ہے۔ وہ اپنی حیثیت کو برقرار رکھنے کے لیئے اُس کے مطالبات کو چاہے وہ کتنے بڑھ چڑھ کر ہی کیوں نہ ہوں ماننے کو تیار ہو جائے گا۔ بیوسی نے نواب صلابت جنگ کو صاف صاف بتلا دیا کہ فرانسیسی سپاہ کی تنخواہ اُسی وقت پابندی سے ادا ہو سکے گی جب کہ صوبہ دار دکن اپنے بعض علاقوں کو مستقل طور پر فرانسیسیوں کے سپرد کر دے تاکہ وہ اُن کی آمدنی سے اپنے فوجی اخراجات کی پابجائی کر سکیں۔ چنانچہ مشرقی ساحل پر مصطفیٰ نگر، ایلور، راج مندری اور سیکاکول کے اضلاع (سرکارین) نواب صلابت جنگ نے بیوسی کے تفویض کر دئیے اور اُس کو ذاتی طور پر اُن کے جملہ انتظامات کا مجاز گردانا۔ بیوسی نے نواب صلابت جنگ کو یقین دلایا کہ ان اضلاع کو اپنے تحت تصرف لانے سے اُس کا اِس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں کہ جو فرانسیسی سپاہ اُس کی حفاظت کے لیئے دکن میں متعین کی گئی ہے اس کی تنخواہ باقاعدہ ادا کی جائے۔ اس معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد بیوسی نواب صلابت جنگ کو ساتھ لے کر سید لشکر خاں کے مکان پر گیا اور اُس کے بھی دستخط حاصل کر لیئے۔ بیوسی نے شمالی سرکار کی سند موسیو مورا کین کو بھیج دی جو مسولی پٹم کا اعلیٰ افسر تھا اور اس کو نئے علاقوں میں اپنے حسب منشا انتظامات قائم کرنے کا مجاز کیا۔ ان اضلاع کی بدولت ۴۷۰ میل لمبا ساحلی علاقہ فرانسیسیوں کو حاصل ہو گیا جو ۳۰ میل سے لے کر ۱۰۰ میل تک چوڑائی میں ملک کے اندر چلا گیا تھا اور جس میں بعض نہایت اہم تجارتی شہر اور مرکز واقع تھے۔ اس کل علاقے کا رقبہ تقریباً ۱۷ ہزار مربع میل تھا اور کم و بیش ۳۲ لاکھ روپے سالانہ مالگزاری تھی۔ بقول اورمؔ ان اضلاع

کی بدولت فرانسیسیوں کو نہایت وسیع اور زرخیز علاقوں پر تصرف حاصل ہوگیا جواب تک کسی دوسری یوروپین قوم کو ہندوستان میں حاصل نہ ہوا تھا۔ پرتگالی جب ہندوستان میں اپنے انتہائی عروج پر تھے اُس وقت بھی انھیں اتنے وسیع علاقے کبھی حاصل نہ ہوئے تھے[1]

نواب صلابت جنگ اور بیوسی میں جو معاہدہ ہوا اُس کی رو سے یہ بھی طے ہوا تھا کہ دکن کے نظم و نسق کے متعلق بیوسی سے عام طور پر مشورہ لیا جائے گا اور نواب صلابت جنگ آیندہ ارکاٹ کے معاملات میں کبھی دخل اندازی نہیں کریں گے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کرشنا کے جنوب میں نواب صلابت جنگ کا اقتدار فرانسیسیوں کو منتقل ہو جائے گا اور دکن میں بغیر اُن کے اشارے کے کوئی اہم معاملہ طے نہیں کیا جائے گا۔ اس معاہدے کی بدولت دکن میں فرانسیسیوں کی حیثیت بدل گئی۔ اب وہ محض کرایے کی سپاہ نہیں رہی بلکہ اُن کی حیثیت جاگیردار کی ہوگئی جن کو اور دوسرے جاگیرداروں کی طرح فوج رکھنے کی ذمہ داری سپرد کی گئی تاکہ ضرورت کے وقت اُسے استعمال کیا جا سکے اور جس کے اخراجات کی پابجائی کے لیے شمالی سرکار کے علاقے تفویض کیے گئے۔ اب اُن کے اعتبار و وقار میں بہت اضافہ ہو گیا۔ فرانسیسی فوج نواب صلابت جنگ کی جان کی حفاظت کی ذمہ دار قرار دی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فرانسیسی اثر و رسوخ دربار میں اور زیادہ بڑھ گیا۔ بیوسی کے مشورے کے بموجب نواب صلابت جنگ نے سید لشکر خاں کو وکیل مطلق اور مدار المہام کے عہدے سے کچھ دنوں بعد برطرف کر دیا اور اُس کی جگہ شاہ نواز خاں صمصام الدولہ کو اُس پر سرفراز کیا گیا اور صف شکن خاں کی جگہ حیدر یار خاں شیر جنگ کو دیوانی کے فرائض تفویض کیے گئے[2] صمصام الدولہ نے

---

[1] Orme, Vol. I. p.334.

[2] حدیقۃ العالم جلد ۲ - صفحہ ۲۳۹ -

اورنگ آباد اور حیدرآباد کے علاقے میں ۳۰ لاکھ روپے کی جاگیر اپنی تنخواہ میں حاصل کر کے نواب صلابت جنگ سے مہری سند لکھوالی اور اپنی سپاہ علیحدہ نوکر رکھنے کا حق بھی حاصل کرلیا۔

دکن میں نواب نظام الملک آصف جاہ اول کے انتقال کے بعد سے جو ابتری رونما ہو گئی تھی اس سے فایدہ اٹھا کر میسور کے راجا نے صوبہ دار دکن کے بعض علاقوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ اس زمانے میں میسور کا راجا صوبہ دار دکن کو پیشکش ادا کیا کرتا تھا۔ لیکن اس نے نواب صلابت جنگ کے صوبہ دار ہونے کے بعد نہ پیشکش ادا کی تھی اور نہ صوبہ دار دکن کے علاقوں کو واپس کرنے پر آمادہ تھا۔ چنانچہ صمصام الدولہ نے ایک لاکھ سوار اور پیادے اور توپ خانہ لے کر میسور پر فوج کشی کر دی۔ بوسی اور اس کی فرانسیسی فوج بھی ہمراہ تھی۔ راجا میسور کے فرانسیسیوں سے اچھے تعلقات تھے چنانچہ بوسی نے بیچ میں پڑکر راجا میسور کو تیار کرلیا کہ وہ نواب صلابت جنگ کو خود آکر نذرانہ ادا کرے۔ راجا نے صوبہ دار دکن کی بالادستی تسلیم کرلی اور ۵۰ لاکھ روپے ادا کرنے کا وعدہ کیا جس میں سے ۱۲ لاکھ نقد ادا کیے گئے اور ۹ لاکھ آیندہ تین مہینے میں ادا کرنا طے ہوا۔ ۱۱ لاکھ کے جواہرات دیے گئے اور ۱۸ لاکھ کی جو رقم باقی رہ گئی تھی وہ قسط وار ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ نواب صلابت جنگ اور صمصام الدولہ نے اس انتظام کو بہت پسند کیا اس لیے کہ اس وقت انھیں روپے کی سخت ضرورت تھی اور ان کی فوج کے ۷۰ لاکھ روپے سید لشکر خاں کے زمانے سے تنخواہ کا بقایا چلے آتے تھے۔ نواب صلابت جنگ نے موسیو بوسی کی بہت تعریف و توصیف فرانسیسی گورنر دو بے لے کو لکھی اور اپنی خوشنودی کا اظہار کیا۔ بوسی نے راجا میسور کے معاملے میں اپنے اثر کو جس خوبی سے استعمال کیا وہ یقیناً قابل تعریف تھا۔[1]

[1] Martineau, Bussy et L' Inde Francaise, p. 181

ابھی اس نئے نظام کو قایم ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ ساونور کی جنگ کا واقعہ پیش آگیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اُس زمانے میں وہاں عبدالحکیم خاں حاکم تھا۔ اس نے اب تک نواب صلابت جنگ کی صوبہ داری کو تسلیم نہیں کیا تھا اور گزشتہ روایات کے خلاف انھیں پیشکش بھی نہیں ادا کی تھی۔ چنانچہ نواب صلابت جنگ اس سے ناراض تھے۔ ساونور کے نواب کی پشت پناہی پر گوٹی کا حاکم مراری راؤ تھا۔ جس طرح عبدالحکیم خاں نواب صلابت جنگ سے منحرف ہو گیا تھا اسی طرح مراری راؤ نے پیشوا بالاجی راؤ کی پیشوائی کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ عبدالحکیم خاں اور مراری راؤ کی آپس میں خوب بنتی تھی اس لیے کہ دونوں اپنے اپنے علاقوں میں خود مختار ہو جانا چاہتے تھے۔ جب بالاجی راؤ نے اپنے بھائی کو چوتھ وصول کرنے کے لیے کرناٹک بھیجا تو مراری راؤ نے اُس کو چوتھ دینے سے انکار کر دیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اُس نے گوٹی کے علاقے میں جو حقوق حاصل کیے ہیں اُن کا بالاجی راؤ کے اختیارات سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے حقوق سمبھاجی کے اقتدار سے ماخوذ ہیں جن میں بالاجی راؤ کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ لیکن بالاجی راؤ کا یہ دعویٰ تھا کہ شہنشاہ دہلی سے اُس کو چوتھ وصول کرنے کا جو حق حاصل ہوا ہے وہ گوٹی پر بھی اُسی طرح اثر انداز ہوتا ہے جس طرح دکن اور کرناٹک کے دوسرے علاقوں پر۔ پیشوا بالاجی راؤ اور مراری راؤ میں جب کشیدگی زیادہ بڑھی تو پیشوا نے اُس کی سرکوبی کا ارادہ کیا اور اس ضمن میں نواب صلابت جنگ کے نئے مدارالمہام شاہ نواز خاں صمصام الدولہ سے استمداد کے لیے لکھا۔ بالاجی راؤ اور صمصام الدولہ میں پیشوا کے وکیل متعینہ اورنگ آباد پرس رام پنڈت کے ذریعے سے خط و کتابت ہوئی اور بالآخر ۱۷۵۵ء کے اواخر میں یہ طے ہوا کہ نواب صلابت جنگ اپنی فوج سے بالاجی راؤ کی مدد کریں جب کہ وہ مراری راؤ کے خلاف مہم لے جائے۔ صمصام الدولہ نے بالاجی راؤ سے یہ بھی طے کیا تھا کہ گوٹی اور

ساونور کی مہم کے بعد وہ دکن سے فرانسیسیوں کو بے دخل کرنے میں ہر ممکن امداد کرے گا۔ نواب صلابت جنگ نے خیال کیا کہ اس مہم میں بالاجی کا بھی کام نکل جائے گا اور ساونور کے نواب کی بھی قرار واقعی سرکوبی ہوجائے گی۔ چونکہ نواب ساونور کی قوت اس زمانے میں اچھی خاصی بڑھی ہوئی تھی اس لیے یہ فیصلہ ہوا کہ پہلے اس پر چڑھائی کی جائے اور اس کے بعد کوئی اور۔ چنانچہ بالاجی راؤ اور نواب صلابت جنگ کی متحدہ فوجیں ساونور کی طرف ۱۷۵۶ء کے شروع میں روانہ ہوگئیں۔ مراری راؤ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنے حلیف نواب ساونور کی مدد پر خود وہاں مع فوج کے پہنچ گیا۔ نواب صلابت جنگ کی فوج کی کمان جعفر علی خاں کر رہا تھا جو چند سال قبل راج منڈری کا نواب تھا لیکن فرانسیسیوں کو شمالی سرکار کے علاقے تفویض ہوجانے کے بعد وہ اورنگ آباد چلا آیا تھا اور صمصام الدولہ کے خاص معتبر لوگوں میں تھا۔ نواب صلابت جنگ کی فوج کے ساتھ بوسی مع اپنی فرانسیسی جمعیت کے موجود تھا لیکن شروع ہی سے وہ نواب ساونور اور مراری راؤ سے لڑائی کرنے کا مؤید نہ تھا۔ لیکن جب نواب صلابت جنگ نے صمصام الدولہ کے مشورے سے بالاجی راؤ سے اس ضمن میں معاہدہ کرلیا تو وہ خاموش ہوگیا۔

جب نواب صلابت جنگ اور بالاجی راؤ کی متحدہ افواج نے ساونور کا محاصرہ کرلیا تو مراری راؤ نے موسیو بوسی سے خفیہ طور پر گفت وشنید شروع کی تاکہ اس کو بیچ میں ڈال کر مصالحت کی کوئی باعزت صورت نکل آئے۔ مراری راؤ نے ترچناپلی کی لڑائی میں فرانسیسیوں کی مدد کی تھی۔ چنانچہ اس کے پاس ایک دستاویز موجود تھی جس میں ڈوپلے نے ۳ لاکھ روپے بطور معاوضہ دینے کا وعدہ کیا تھا لیکن باوجود کافی عرصہ گزر جانے کے یہ رقم اب تک ادا نہیں کی گئی تھی۔ بوسی نے اس شرط پر مصالحت کرانے کا وعدہ کیا کہ مراری راؤ ۳ لاکھ کی رقم سے ہمیشہ کے لیے دست بردار ہوجائے۔ جب نواب صلابت جنگ کو

شبہہ ہوا کہ بیوسی محاصرے کو کامیاب بنانے میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لے رہا ہے تو انھوں نے مجبوراً حکم دے دیا کہ ساونور کے قلعے پر گولہ باری کی جائے۔ غرض کہ بیوسی کے بیچ میں پڑنے سے ۲۵ اپریل سنہ ۱۷۵۶ء کو صلح ہو گئی مرارئی راؤ نے پیشوا کی اور نواب عبد الحکیم خاں نے نواب صلابت جنگ کی بالادستی تسلیم کر لی۔

صلح ہو جانے کے بعد شاہ نواز خاں صمصام الدولہ اور اُس کے دوسرے حاشیہ نشینوں نے نواب صلابت جنگ کو باور کرایا کہ فرانسیسیوں نے اس معاملے میں تمام تر اپنے مفاد کو پیش نظر رکھا اور مرارئی راؤ کو ۱۴ لاکھ کے دعوے سے دست بردار کرالیا۔ نواب صلابت جنگ نے بالاجی راؤ سے ملاقات کی اور فرانسیسی فوج کو برطرف کرنے کی تجویز کی نسبت اُس سے مشورہ طلب کیا۔ بالاجی راؤ نے اس تجویز کی پُرزور تائید کی اس لیے کہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فرانسیسی فوج کے دکن سے ہٹ جانے کے بعد نواب صلابت جنگ ہر وقت اُس کی مدد کے محتاج ہو جائیں گے۔ ادھر تو اُس نے نواب صلابت جنگ کو فرانسیسی فوج کے برطرف کرنے کا مشورہ دیا اور دوسری طرف دریائے تنگ بھدرا کو پار کر کے اُس نے بیوسی سے ملاقات کی اور اُس کو اپنی ملازمت میں لینے کی دعوت دی اور دو لاکھ روپے ماہوار اُس کے اور اُس کی فوج کے اخراجات کے لیے دینے کا وعدہ کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ بیوسی اور اُس کی فرانسیسی فوج کے ذریعے وہ نہ صرف دکن بلکہ پورے ہندوستان کو تسخیر کرے اور اپنے اقتدار کو مستحکم کرے۔

شاہ نواز خاں صمصام الدولہ نے چار سال وکالت مطلق اور مدار المہامی کے فرائض بڑی خوبی سے انجام دیے۔ اس زمانے میں بعض نہایت اہم سیاسی واقعات دکن میں رونما ہوئے صمصام الدولہ نے ملک کی مالی حالت کو بڑی حد تک سدھار دیا تھا[1] لیکن فرانسیسیوں سے اُن کے

[1] حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۲۳۹۔

تعلقات میں اسی طرح کشیدگی پیدا ہو گئی جیسے سید لشکر خاں کے زمانۂ مدار المہامی میں پیدا ہو گئی تھی۔ صمصام الدولہ نے شروع شروع میں فرانسیسیوں سے موافقت رکھی لیکن بعد میں وہ ان کے اثر اور رسوخ کو جو انھوں نے دربار دکن میں پیدا کر لیا تھا کم کرنے کی فکر میں لگ گئے۔ چنانچہ بالاجی راؤ سے ساونور کے معاملے میں انھوں نے جو گفت و شنید کی اس میں بھی یہی مقصد پیش نظر تھا۔ صمصام الدولہ کے اشارے سے یہ شمالی سرکار کے سابق نواب جعفر علی خاں نے وہاں کے پولی گاروں کو فرانسیسیوں کے خلاف بھڑکا دیا۔ جب وہاں بہت گڑبڑ مچی تو خود بوسی کو دکن سے شمالی سرکار جانا پڑا۔ بوسی نے باغی پولی گاروں (زمین داروں) کی سرکوبی کی۔ راجہ وزیانگرم کو راجمندری کی سرکار ۱۲ لاکھ روپے سالانہ پر سیکاکول کی سرکار ابراہیم خاں گاردی کو نو لاکھ روپے سالانہ ٹھیکے پر دے دیا۔ ایلور اور مصطفیٰ نگر کے اضلاع مختلف زمین داروں کو نو لاکھ روپے ٹھیکے پر دے دیے گئے۔ اس طرح ۳۱ لاکھ روپے سالانہ کی مستقل آمدنی کا انتظام ہو گیا۔ اس وقت بوسی کی دکن کی فوج کا خرچ تقریباً اٹھارہ لاکھ روپے سالانہ تھا۔ اسی طرح فرانسیسیوں کو ۱۳ لاکھ روپے سالانہ کی بچت ہونے لگی۔ پہلے فرانسیسی فوج کا خرچ ۲۹ لاکھ روپے سالانہ تھا لیکن شمالی سرکار حاصل کرنے کے بعد بوسی نے فوجی اخراجات میں معتدبہ تخفیف کی اس واسطے کہ اس سے خود فرانسیسیوں کو فائدہ پہنچتا تھا اور اس طرح انھیں جتنی بچت ہو گئی تھی اسے وہ اپنے دوسرے مقاصد کے لیے استعمال کر سکتے تھے۔ اگرچہ بوسی نے ۵۰۰ یوروپینوں اور ایک ہزار دیسی سپاہ کا بعد میں اپنی جمعیت میں اور اضافہ کر دیا تھا لیکن پھر بھی یہ تخفیف ممکن ہوئی۔ شمالی سرکار میں انتظام درست کرنے کے بعد بوسی حیدرآباد واپس آ گیا۔ بوسی نے ذاتی طور پر اس قدر دولت جمع کر لی تھی کہ اب وہ فرانس جا کر باقی زندگی گزارنا چاہتا تھا لیکن ڈوپلے نے اس کو

ایسا نہیں کرتے دیا اس واسطے کہ اُس کی نظر میں اور کوئی فرانسیسی افسر اُس وقت ہندوستان میں موجود نہ تھا جو دکن میں فرانسیسی اثر و رسوخ کو برقرار رکھ سکتا۔ چنانچہ دیوپلے کے کہنے پر بوسی پھر دکن روانہ ہو گیا۔

اسی اثنا میں یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں میں صلح ہو گئی۔ فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کرناٹک میں دیوپلے کی ناکامی کے باعث اُس کے خلاف ہو گئی تھی۔ فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کے نظما نے دیوپلے کی حکمت عملی کو ہندوستان میں فرانسیسی تجارت کے زوال کا اصلی باعث قرار دیا۔ کمپنی نے اپنے ایک ناظم موسیو گودیو کو ہندوستان روانہ کیا تاکہ وہ ہندوستان جا کر انگریزوں سے فوراً مصالحت کرے اور فرانسیسی کمپنی کے زوال تجارت سے متعلق تحقیقات کرے۔ گودیو کو پھر ایک حکم نامہ بھی دیا گیا تھا جس میں مندرج تھا کہ اگر دیوپلے اُس کی اطاعت سے انکار کرے تو اُس کو گرفتار کر کے فرانس واپس بھیج دیا جائے۔ گودیو نے پانڈیچری پہنچ کر دیوپلے کو فرانس واپس بھیج دیا۔ اُس کو صرف فرانس جانے کے لیے سفر خرچ دیا گیا۔ والار اور کی دس ہزار پونڈ سالانہ کی شخصی آمدنی کو گودیو نے دیوپلے کے لیے تسلیم کیا۔ دیوپلے کا کمپنی پر جو قرض واجب الادا تھا اُسے بیباق تصور کیا گیا۔ لیکن کمپنی کو اختیار دیا گیا کہ وہ اس پورے معاملے پر غور کر کے آخری تصفیہ کر دے اور مناسب سمجھے تو دیوپلے کو کچھ دے دلا دے۔ لیکن بعد میں دیوپلے کی واپسی پر اس کی قوم نے اُس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا اور اُس کی خدمات کی مطلق قدر نہیں کی گئی۔

دیوپلے کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد فرانسیسیوں کا جو اعتبار اور رعب تھا وہ دیسی والیان حکومت کے دل سے اُٹھ گیا۔ پھر انگریزوں کے ہاتھوں فرانسیسیوں کو جو پے در پے

شکستیں کھانی پڑیں ان سے اُن کی بے رعبی میں اور زیادہ اضافہ ہوا۔ چنانچہ ان حالات میں یہ بالکل قدرتی بات تھی کہ آصف جاہی حکومت کے خیرخواہ یہ سوچنے لگے کہ اُن کا مفاد اس میں ہے کہ بجائے فرانسیسیوں کے وہ انگریزوں کے ساتھ اپنے سیاسی تعلقات قایم کریں۔ صمصام الدولہ اور دوسرے دکنی امرا فرانسیسیوں کو دکن کی بد انتظامی کا ذمہ دار ٹھیراتے تھے۔ راجمندری کا سابق نواب جعفر علی خاں تھا جو اب نواب صلابت جنگ کی افواج کا افسر اعلیٰ تھا۔ اُس کو فرانسیسیوں سے سخت نفرت تھی۔ وہ بھی برابر اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ جہاں تک ہوسکے فرانسیسیوں کے اثر کو جو انھوں نے دربار دکن میں حاصل کرلیا تھا زایل کرنے کی صورتیں پیدا کرے۔ وہ صمصام الدولہ کی حکومت کے مشوروں میں شریک ہوتا تھا۔ صمصام الدولہ اور جعفر علی خاں کے علاوہ نواب میر نظام علی خاں کی سرکردگی میں ایک مستقل جماعت دکن میں وجود میں آگئی تھی جو خیال کرتی تھی کہ فرانسیسیوں کی وجہ سے دکن کی دولت و ثروت اور سیاسی حیثیت کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ شاہ نواز خاں صمصام الدولہ نے خفیہ طور پر انگریزوں سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع کردیا اور انھیں دعوت دی کہ وہ فرانسیسی اثر کو دکن سے بے دخل کرنے میں مدد کریں جس طرح انھوں نے کرناٹک میں فرانسیسیوں کو بے دخل کیا تھا۔ انگریزوں نے صمصام الدولہ کو یقین دلایا کہ جس طرح فرانسیسی نواب صلابت جنگ کی مرہٹوں سے حفاظت کرتے ہیں اسی طرح وہ بھی کرنے کو تیار رہیں۔ انگریزی فوج کا دستہ دکن کی طرف روانہ ہونے کے لیئے تیار ہوا تھا کہ بنگال سے اطلاع ملی کہ وہاں کمپنی کو سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔[1] چنانچہ ۳۰۰ یورپین سپاہی جو دکن کو بھیجے جانے والے تھے کلکتے بھیج دیے گئے۔ کلائیو اور واٹسن اس فوج میں شامل تھے جو دکن بھیجی جارہی تھی۔ بالاجی راؤ نے بھی

[1] Orme, I, P. 434.

نواب صلابت جنگ کو یقین دلایا کہ اگر وہ فرانسیسیوں کو اپنے ہاں سے برطرف کردیں گے تو وہ اُن کی حفاظت کے لیئے دکن میں ۱۵ ہزار فوج رکھنے کو تیار ہے۔ نواب صلابت جنگ نے بالاجی راؤ کے کہنے پر اپنے دونوں بھائیوں نواب نظام علی خاں اور نواب بسالت جنگ کو اپنے اقتدار میں شریک کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ بالاجی راؤ نے نواب صلابت جنگ کو سمجھایا کہ آپ بھائیوں پر تو اعتماد نہیں کرتے اور غیر ملکی فرانسیسیوں پر اعتماد کرتے ہیں جن سے وفاداری کی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔ چنانچہ نواب صلابت جنگ نے نواب نظام علی خاں کو برار کا، نواب بسالت جنگ کو بیجاپور کا اور نواب مغل علی خاں کو اورنگ آباد کا انتظام سپرد کردیا۔ بالاجی راؤ اور نواب صلابت جنگ میں یہ بھی طے ہوا تھا کہ اگر فرانسیسیوں کو برطرف کیا گیا اور انھوں نے گڑبڑ مچائی تو بالاجی راؤ خود دکن میں آکر امن وامان قایم کردے گا۔ اس کے ساتھ بالاجی راؤ نے بوسی سے خفیہ طور پر خط وکتابت جاری رکھی اور اُس کو یقین دلایا کہ اگر نواب صلابت جنگ نے اُس کو برطرف کردیا تو وہ اپنے یہاں اُس کو ملازم رکھ لے گا۔ اور جب نواب صلابت جنگ نے بوسی کو خدمت سے برطرف کردیا تو بالاجی راؤ نے اُس کو لکھا کہ تم نے اچھا کیا کہ ایسے ناشکرے شخص کی خدمت سے جیسے کہ نواب صلابت جنگ ہیں تم سبکدوش ہوگئے۔ اب تم چاہو تو میری ملازمت اختیار کرلو۔ لیکن بوسی نے انکار کیا۔[۱]

اسی اثنا میں جب بوسی نے یہ کوشش شروع کی کہ نواب صلابت جنگ سے قلعۂ بیدر حاصل کرے جہاں پہلے سے فرانسیسی فوج رہا کرتی تھی تو صمصام الدولہ نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی۔ صمصام الدولہ کے سمجھانے اور ہمت بڑھانے سے نواب صلابت جنگ آمادہ ہوگئے کہ فرانسیسیوں کو نہ صرف یہ کہ اب کسی قسم کی مراعات نہیں دینی چاہئیں بلکہ

---

[۱] حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۲۴۲۔

اُنھیں فوراً برطرف کر دینا چاہیے۔ چنانچہ بیوسی کو اس کے متعلق احکام بھیج دئے گئے۔ بیوسی اگرچہ بہت برافروختہ ہوا لیکن اُس نے اپنے اوپر ضبط رکھا اور نواب صلابت جنگ کے حکم کے مطابق مع اپنی جمعیت کے دکن سے کوچ کرنے کی تیاری کر دی۔ بیوسی اور اُس کے ساتھ کی فرانسیسی سپاہ نے یہ ظاہر کیا کہ وہ مسولی پٹم واپس جا رہی ہے لیکن دریائے کرشنا پر پہنچنے کے بعد بیوسی پلٹا اور حیدرآباد پر حملہ کرکے شہر میں داخل ہو گیا۔ شہر کے بڑے بڑے ساہوکاروں سے اُس نے اپنی ضمانت پر قرض لے کر فوج کے اخراجات چلائے[1] اُس وقت اُس کے ساتھ ۶۰۰ یورپین اور ۵ ہزار دیسی سپاہ تھی جسے فرانسیسی طرز پر قواعد پریڈ سکھائی گئی تھی۔ بیوسی نے اپنی توپیں چار مینار پر نصب کر دیں اور خود چار محل میں اقامت گزیں ہو گیا۔ شہر میں امن و امان قایم رہا اور روزمرہ کی زندگی میں کسی قسم کا کوئی خلل نہیں واقع ہوا۔ جب بیوسی کی اس چال کی اطلاع اورنگ آباد پہنچی تو صمصام الدولہ فوج لے کر حیدرآباد کی طرف بڑھے اور نواب صلابت جنگ کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا۔ دو مہینے تک بلدہ حیدرآباد کا محاصرہ جاری رہا۔ کچھ مرہٹہ فوج بھی صمصام الدولہ کے ساتھ اس مہم میں شریک تھی۔ نواب صلابت جنگ کا لشکر گولکنڈہ سے چار میل پر تھا جب فرانسیسیوں نے اچانک حملہ کر دیا۔ جانبین کا بہت نقصان ہوا لیکن کوئی فیصلہ کن صورت پیدا نہ ہو سکی۔

بیوسی نے یہ دیکھ کر کہ صمصام الدولہ کے ساتھ جو فوج محاصرہ کئے ہوئے ہے اُس کی تعداد بہت زیادہ ہے اُس کو زچ کرنا دشوار ہوگا اس لئے ایک ایلچی کو پانڈیچری روانہ کر دیا کہ جلد از جلد کمک روانہ کی جائے۔ بیوسی اُس وقت تک جم کر لڑائی کو ٹالتا رہا جب تک کہ کمک نہ پہنچ جائے۔ دونوں طرف سے جھڑپیں ہوتی رہیں لیکن ان سے کوئی قطعی نتیجہ نہیں نکل سکتا تھا۔ اسی عرصے میں

---

[1] حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۲۴۳۔

شمالی سرکار سے موسیولا اور موسیو دارمبور کی سرکردگی میں کمک روانہ کردی گئی۔ صمصام الدولہ نے جانوجی نمبالکر اور راجچندر جادو کو جو مرہٹوں کے مشہور افسر تھے فرانسیسی کمک کو راستے میں روکنے کے لئے پہلے سے روانہ کردیا تھا۔ لیکن یہ دونوں افسر بوسی سے ملے ہوئے تھے انھوں نے جیسی مزاحمت کرنی چاہیے ویسی نہ کی۔ چنانچہ فرانسیسی کمک حیدرآباد سے ۵ میل پر حیات نگر کے قریب آکر رک گئی اس لئے کہ یہاں دوسرے مرہٹہ افسروں نے حملے شروع کردیے تھے۔ یہ وہ مرہٹہ افسر تھے جنھیں بوسی اپنے ساتھ نہیں ملا سکا تھا۔ موسیولا نے خفیہ طور پر اپنی دشواریوں کی اطلاع موسیو بوسی کو بھجوادی۔ چنانچہ بوسی نے ۸۰ یوروپین اور ایک ہزار دیسی سپاہ مع سازوسامان کے حیدرآباد سے راتوں رات روانہ کردی اور اس کے ساتھ ہی نواب صلابت جنگ کی فوج پر جو محاصرہ کئے پڑی تھی حملہ کردیا تاکہ اس فوج کی توجہ بٹ جائے اور حیات نگر میں جو فرانسیسی فوج تھی اس کو وقت پر مدد پہنچ جائے۔ بوسی کی یہ تدبیر جنگ کامیاب رہی۔ فرانسیسی فوج کا ایک آدمی بھی ضائع ہوئے بغیر کمک حیدرآباد پہنچ گئی۔ ان حالات سے نواب صلابت جنگ اور صمصام الدولہ کو پریشانی لاحق ہوئی اور انھوں نے بوسی سے مصالحت کرنے کو قرین مصلحت تصور کیا۔ صمصام الدولہ نے خود جاکر بوسی سے ملاقات کی۔ اگست ۱۷۵۶ء میں نواب صلابت جنگ نے بوسی سے ایک معاہدہ کرلیا جس کی رو سے انھوں نے فرانسیسی فوج کو دکن میں رکھنا منظور کیا اور فرانسیسیوں کے تمام حقوق و مراعات برقرار رکھی گئیں۔ بوسی کو نواب صلابت جنگ نے سیف الدولہ عمدۃ الملک کے خطاب سے سرفراز کیا[1] اس خطاب کی توثیق کے لیے ایک عرضداشت دہلی روانہ کی گئی چنانچہ

[1] حدیقۃ العالم جلد ۲۔ صفحہ ۲۴۳۔

عالمگیر ثانی نے جو اُس زمانے میں مغلیہ تخت و تاج کا مالک تھا بیوسی کے خطاب کی توثیق ایک فرمان کے ذریعے سے کردی اور خطاب کے ساتھ ہفت ہزاری ذات اور ہفت ہزار سوار کا منصب منظور کیا گیا۔[1] حیدر جنگ فرانسیسیوں کا بااختیار وکیل مقرر ہوا جو بقول صاحب حدیقۃ العالم مسلمانوں اور فرنگیوں کے درمیان مثل برزخ کے تھا۔[2]

نواب صلابت جنگ سے معاہدہ کرنے کے بعد بیوسی تین ماہ حیدرآباد میں رہا۔ اگرچہ بنگال میں جو صورت حالات پیدا ہوگئی تھی اس سے فرانسیسی ایک حد تک مطمئن تھے لیکن کرناٹک میں اُن کی پریشانیاں روز بروز بڑھتی جاتی تھیں۔ پانڈی چری کے گورنر ڈوپلے کو روپیہ کی سخت ضرورت تھی۔ اُس نے بیوسی کو لکھا کہ جتنا روپیہ ہوسکے فوراً بھیج دو اور خود بھی دکن سے چلے آؤ۔ اُس نے اپنے ایک خط میں کنٹرولر جنرل موسیو مور اس کو اس طرح لکھا ہے: "نواب صلابت جنگ سے جس دن سے ہمارا اتحاد ہوا ہے اس دن سے میری رائے یہ ہے کہ اب ہمارے لیئے یہ ضروری نہیں ہے کہ موسیو بیوسی صوبہ دار دکن کے پاس رہے۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ موسیو بیوسی سے دکن میں لوگ بہت ڈرتے ہیں محبت نہیں کرتے۔ دکن میں عام طور پر لوگ چاہتے ہیں کہ بیوسی وہاں سے چلا جائے۔ میں نے موسیو بیوسی کو اس کے متعلق جو خط لکھا ہے میں اُن کے جواب کا منتظر ہوں۔ نواب صلابت جنگ کی یہ مرضی ہے کہ ہم جاگیر دار کی حیثیت اختیار کرلیں تاکہ اگر انھیں ضرورت ہو تو ہم اُن کو سپاہ بھیج سکیں اور اُن کی حمایت کو پہنچ سکیں۔ موسیو بیوسی نے نواب صلابت جنگ کی فوج کی تربیت کے لیے جو حکمت عملی اختیار کی ہے اس کی بدولت ہمارے پاس سے بہت کچھ ساز و سامان، اسلحہ، روپیہ اور آدمی

۱؎۔ فرمان ابوالعدل عزیز الدین محمد عالمگیر بادشاہ غازی (دفتر دیوانی مال و ملکی سرکار عالی)

۲؎۔ حدیقۃ العالم۔ جلد ۲۔ ص ۲۴۴

بھیجنے پڑتے رہیں۔"[1]

گورنر پانڈی چری موسیو لے ریت کے بار بار لکھنے پر بوسی نے نومبر ۱۷۵۶ء میں شمالی سرکار جانے کا ارادہ کر لیا۔ اس کے جانے کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ شمالی سرکار میں بد انتظامی روز بروز بڑھ رہی تھی۔ بوسی کے ساتھ ۵۰۰ یوروپین اور چار ہزار دیسی سپاہ تھی۔ ۲۰۰ یوروپین اور ۵۰۰ دیسی سپاہ نواب صلابت جنگ کے ساتھ اورنگ آباد چلی گئی۔ بوسی نے شمالی سرکار کے سرکش زمین داروں اور پولی گاروں کی قرار واقعی تنبیہ کی۔ راجا بوبلی نے فرانسیسیوں کی سخت مخالفت کی لیکن بوسی کے سامنے اُس کی ایک نہ چلی۔ موسیو دے لے ریت کی ہدایات کے بموجب راجا بوبلی کو زیر کرنے کے بعد بوسی نے موسیو لا کو تھوڑی سی یوروپین اور کچھ دیسی سپاہ کے ساتھ بنگال کی طرف روانہ کر دیا اس لیے کہ چندر نگر میں ضرورت تھی۔ بوسی کا خیال تھا کہ وہ خود بھی بنگال جائے لیکن آیندہ جو واقعات پیش آئے اُن کے سبب سے وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ بنگال جانے کے بجائے انھوں نے انگریزوں کی وزیگاپٹم کی کوٹھی پر قبضہ کر لیا۔ شمالی سرکار کے ساحل پر مچھلی پٹنم، بندر ملنکارا اور انجی ورم کی کوٹھیوں پر جو گوداوری کے دہانے پر واقع تھیں فرانسیسیوں کا قبضہ ہو گیا۔ بوسی شمالی سرکار کے دروبست میں مشغول تھا جب کہ اُسے اطلاع ملی کہ صمصام الدولہ نے دکن میں فرانسیسیوں کی کھلم کھلا مخالفت اور انگریزوں سے خط و کتابت کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ دکن میں حالات کچھ ایسی صورت اختیار کر رہے تھے کہ بوسی کو اندیشہ پیدا ہوا کہ عنقریب وہاں زبردست انقلاب ہو جائے گا جس میں فرانسیسی مفاد کو برقرار رکھنا دشوار ہو گا۔

شاہ نواز خاں صمصام الدولہ کی عرصے سے یہ کوشش جاری تھی کہ

---

[1] Martineau Bussy et L' Inde Francaise, p. 218.

نواب صلابت جنگ کو برطرف کر کے نواب نظام علی خاں کو دکن کا صوبیدار بنوادیں یا نواب صلابت جنگ کے اختیارات اس طرح سے سلب کر لئے جائیں کہ ان کا صوبہ دار ہونا نہ ہونا برابر ہو جائے۔ اسی اثنا میں پیشوا بالاجی راؤ نے اپنے بیٹے وشواس راؤ کے تحت ریاست حیدرآباد کے شمال مغربی اضلاع پر حملہ کر دیا تاکہ موسیو بوسی کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھائے۔ سید لشکر خاں کے انتقال کے بعد سے صمصام الدولہ کی یہ بھی کوشش تھی کہ کسی طرح سے قلعۂ دولت آباد کو جو دکن کا سب سے زیادہ مستحکم قلعہ تھا اپنے تحت کر لے۔ چنانچہ صمصام الدولہ نے وہاں ایک ایسے شخص کو قلعدار مقرر کر دیا جو پوری طرح ان کے قابو کا آدمی تھا۔ سید لشکر خاں نے قلعۂ دولت آباد میں جو جنگی ساز و سامان چھوڑا تھا وہ بھی صمصام الدولہ کے تصرف میں آگیا۔ صمصام الدولہ نے اپنے بڑے بیٹے عبد الحی خاں دلاور جنگ کو اپنی طرف سے دولت آباد کا نائب مقرر کیا اور توپیں اور دوسرا سامان جنگ وہاں جمع کر لیا تاکہ ضرورت کے وقت کام آئے۔ اس طرح صمصام الدولہ کی قوت میں اضافہ ہوا اور سارے دکن میں اس کا طوطی بولنے لگا۔

موسیو بوسی کے شمالی سرکار چلے جانے کے بعد صمصام الدولہ نے نواب نظام علی خاں کو مع فوج کے برار سے اورنگ آباد طلب کر لیا۔ نواب صلابت جنگ بھی ادھونی سے اورنگ آباد آگئے۔ اب سب لوگ محسوس کر رہے تھے کہ دکن کی سیاست میں کوئی غیر معمولی تغیر پیدا ہونے والا ہے۔ اسی اثنا میں مرہٹہ فوج بالاجی راؤ کے بیٹے وشواس راؤ کی سرکردگی میں دکن پہنچ چکی تھی۔ مرہٹوں نے حسب معمول اورنگ آباد کے قرب و جوار میں لوٹ مار شروع کر دی۔ صمصام الدولہ اور نواب نظام علی خاں نے مرہٹوں کے خلاف جنگ کی تیاری کی اس لئے کہ وہ وعدے کے خلاف بجائے کسی قسم کی مدد دینے کے ملک میں اور ابتری پیدا کر رہے تھے۔ اس وقت نواب نظام علی خاں

کے ساتھ چھ ہزار سوار اور چھ ہزار بے قاعدہ پیادے اور تین ہزار قواعد داں پیادے اور توپ خانہ بھی تھا۔ مرہٹوں کے خلاف نواب نظام علی خاں نے جو تنظیم شروع کی اُس سے بعض فتنہ پردازوں نے نواب صلابت جنگ کے دل میں یہ شبہہ ڈال دیا کہ یہ مہم اگر آپ کے بھائی کے ہاتھ سے سر ہوئی تو حکومت آپ کے ہاتھ سے نکل جائے گی اور وہ سارے دروبست پر حاوی ہو جائیں گے۔ نواب نظام علی خاں کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے ایک عریضہ لکھ کر نواب صلابت جنگ کے سب شکوک رفع کر دیئے اور اُن کو یقین دلایا کہ میرا منشا ہرگز یہ نہیں کہ اپنا کوئی ذاتی فایدہ حاصل کروں بلکہ میں اس وقت جو کچھ کر رہا ہوں وہ سلطنت کی خیر خواہی پر مبنی ہے۔ نواب صلابت جنگ کو جب اطمینان خاطر حاصل ہوا تو اُنھوں نے نواب نظام علی خاں کو نیابت کے منصب اور نظام الملک آصف جاہ ثانی کے خطاب سے سرفراز کیا اس واسطے کہ نواب صلابت جنگ کے کوئی اولاد نہیں تھی اور انھیں اپنا جانشین بہرحال مقرر کرنا ہی تھا۔

نواب نظام علی خاں نے وشواس راؤ کو کہلا بھیجا کہ فضول جنگ سے کیا فایدہ۔ صلح کر لو اور رگھو بالاجی راؤ سے پہلے عہد و پیمان ہو چکا ہے اُس پر عمل کر کے موافقت قایم رکھو۔ اُس نے جواب دیا کہ صمصام الدولہ نے تیس لاکھ روپیے نقد اور تیس لاکھ کی جاگیر کا وعدہ کیا تھا تیس لاکھ روپے نقد تو وصول ہو چکے تیس لاکھ کی جاگیر دلائیے تو مصالحت کر لی جائے گی۔ نواب نظام علی خاں نے اس کا جواب دیا کہ جاگیر دینا تو کجا صمصام الدولہ نے تیس لاکھ روپے نقد جو دیئے ہیں وہ بھی واپس کر دو اس واسطے کہ یہ سرکاری رقم تھی جسے اس طرح دینا صمصام الدولہ کے اختیار میں نہ تھا۔ غرض کہ اس سوال و جواب کے بعد سندکھیڑا کے مقام پر جو اورنگ آباد سے ۶۰ میل پر ہے لڑائی کے لیے دونوں طرف سے مورچہ بندی ہو گئی۔ بھانکی کا راجا رام چندر جادو یہاں فوج سمیت نواب نظام علی خاں سے

آکر مل گیا۔ نواب نظام علی خاں نے راجا کو بہادری کا خطاب دیا اور اُس کے ہاتھی کو اپنے ہاتھی کے پاس جگہ دی۔ مرہٹوں نے کئی حملے کیے لیکن اُنھیں پسپا ہونا پڑا۔ اس کے بعد سے بے قاعدہ چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ نواب نظام علی خاں نے پیش قدمی کرکے پونہ کا رخ کرنا چاہا تو راستے میں مرہٹوں نے اُن کی عقب کی فوج پر چند توپوں کو قریب کی پہاڑیوں پر لگا کر سخت گولہ باری کی جس کی وجہ سے نواب نظام علی خاں کی فوج میں گھبراہٹ پھیل گئی لیکن اُن کی فوج منتشر نہ ہوئی۔ لیکن رسد کی کمی کے باعث کچھ دنوں بعد اُن کے لشکر کو سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ بالاجی راؤ اور وشواس راؤ نے لشکر سے چار کوس پر آکر نواب نظام علی خاں کو ملاقات کا پیغام بھیجا اور نواب نظام علی خاں بھی لشکر سے باہر گئے اور ملاقات ہوئی۔ نواب نظام علی خاں نے وشواس راؤ کو ۲۲ لاکھ روپے کی جاگیر منظور کی اور صلح ہوگئی۔ اسی اثنا میں چوں کہ موسیو بیوسی کے شمالی سرکار سے دکن آنے کی خبر نواب نظام علی خاں اور صمصام الدولہ کو پہنچ چکی تھی اس لیے وہ دونوں تردد میں تھے اور اس واسطے اُنھوں نے بالاجی راؤ سے مصالحت کرنے میں زیادہ تاخیر نہیں کی۔

اس اثنا میں دکن سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ صمصام الدولہ کے عروج کو دیکھ کر اُن کے مخالف اُن سے حسد کرنے لگے اور موقع کے منتظر تھے کہ اُنھیں نیچا دکھائیں۔ مرہٹوں سے صلح کے بعد نواب صلابت جنگ کی سپاہ صمصام الدولہ سے بہت ناراض تھی اس واسطے کہ اُن کی تنخواہ دو سال سے باقی تھی اور صمصام الدولہ کے ملازمین کو پابندی سے ہر مہینے تنخواہ ملتی تھی۔ سپاہ نے بہادر خاں جمعدار کو اپنا سرگروہ مقرر کیا اور اس کے ذریعے سے نواب صلابت جنگ سے یہ طے کیا کہ ہم صمصام الدولہ کو قتل کر ڈالتے ہیں بشرطے کہ آپ اُن کی جگہ وکالت مطلق کی ذمہ داری کو قبول کریں۔ چنانچہ صمصام الدولہ کے مکان پر سپاہ نے

حملہ کر دیا لیکن انھوں نے پہلے سے انتظام کر رکھا تھا جب صمصام الدولہ کا کچھ نہ ہو سکا تو سپاہی لوگ نواب بسالت جنگ کو اپنے ساتھ پالکی میں بٹھا کر نواب صلابت جنگ کے یہاں پہنچے اور عرض کی کہ ان کو وکالت مطلقہ کا خلعت عطا فرمایا جائے ورنہ ہم شہر میں بلوہ کر دیں گے۔ نواب صلابت جنگ نے فساد فرو کرنے کے لئے نواب بسالت جنگ کو وکالت مطلق کا خلعت عطا کر دیا۔ نواب بسالت جنگ نے وکیل مطلق ہونے کے بعد صمصام الدولہ کو حکم دیا کہ سپاہ کی تنخواہ کا حساب فوراً صاف کر دیں۔ اس پر انھوں نے جواب دیا کہ میں مالی معاملات میں دخل نہیں دیتا۔ دیوان اور اس کے متصدیوں سے اس کی نسبت دریافت کیا جائے۔ نواب بسالت جنگ اس جواب پر بہت برافروختہ ہوئے اور نواب صلابت جنگ بھی ناخوش ہو گئے چنانچہ نواب بسالت جنگ کی فوج نے صمصام الدولہ کو جو اب دولت آباد کے قلعہ میں تھے گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن صمصام الدولہ نے پہلے سے توپیں لگا رکھی تھیں ریاست کی فوج قلعے کو سر نہ کر سکی اور ناکام اورنگ آباد واپس آ گئی۔ بہر حال باہمی بغض و ناموافقت میں اضافہ ہوتا گیا۔ نواب صلابت جنگ نے اپنے بھائی نواب بسالت جنگ کو برہان الملک کا خطاب عطا کیا اور وکالت مطلقہ کی تمام تر ذمہ داری ان سے سپرد کر دی۔ حیدر یار خاں کو شیر افگن خاں کا خطاب دے کر دیوان مقرر کیا گیا اور درگاہ قلی خاں کو سالار جنگ کا خطاب عطا کر کے اورنگ آباد کا ناظم مقرر کیا۔ نواب بسالت جنگ کی آڑ میں نواب نظام علی خاں وکالت مطلق کے فرائض انجام دینے لگے اور آہستہ آہستہ سارے نظم و نسق پر حاوی ہو گئے۔ نواب میر نظام علی خاں نے امرا کی تالیف قلوب کے لیے منصب و خطاب دینے شروع کر دیے تاکہ اپنے اقتدار و تصرف میں اضافہ ہو۔

۱۷۵۸ء کے شروع میں بوسی راجمندری سے اورنگ آباد روانہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ ۵۰۰ یورپین پیادے ۲۰۰ یورپین سوار

۵ ہزار دیسی باقاعدہ فوج اور دس توپیں تھیں۔ اُس نے ۴۰۰ میل کا فاصلہ اکیس روز میں طے کیا جب وہ اورنگ آباد پہنچا تو اُس وقت مرہٹوں اور نواب نظام علی خاں میں صلح و صفائی ہو چکی تھی۔ بیوسی نے نواب صلابت جنگ سے ملاقات کی اور اظہار اطاعت و عقیدت کیا تاکہ نواب صلابت جنگ کے دل میں کسی قسم کا شبہ نہ باقی رہے۔ بالاجی راؤ مع اپنی فوج کے اورنگ آباد کے باہر پڑا ہوا تھا۔ بیوسی نے اُس سے ملاقات کی صمصام الدولہ نے بھی بیوسی سے موافقت کا اظہار کیا۔ بیوسی نے حیدر جنگ کو صمصام الدولہ کے پاس بھیج دیا تاکہ معاملات کی صفائی اور یکسوئی ہو جائے۔ حیدر جنگ بڑا ہوشیار اور چالاک شخص تھا۔ اُس نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ فرانسیسیوں کے مفاد کا سب سے بڑا مخالف صمصام الدولہ ہے۔ اگرچہ ظاہر میں وہ اُن کی موافقت اور دوستی کا دم بھرتا ہے۔ لیکن صمصام الدولہ سے بھی بڑھ کر نواب نظام علی خاں سے فرانسیسی مفاد کو خطرہ تھا اس لیے حیدر جنگ کے مشورے کے مطابق بیوسی نے صمصام الدولہ اور نواب نظام علی خاں دونوں سے بیک وقت بگاڑ کرنا قرین مصلحت نہ سمجھا۔ چنانچہ اُس نے صمصام الدولہ کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی تاکہ پہلے نواب نظام علی خاں کے اثر کو جو اُنھوں نے دربار دکن میں قائم کر لیا تھا زائل کیا جائے۔ نواب بسالت جنگ میں چونکہ ذاتی قابلیت کا جوہر نہ تھا نواب نظام علی خاں نے وکالت مطلقہ کی مُہر کو اپنے قبضے میں کر کے ملک کے دروبست پر پوری طرح سے قابو پانا چاہا۔ بیوسی نے نواب نظام علی خاں سے ملاقات کی اور اُن سے کہا کہ نواب صلابت جنگ کی شاہی مہر اُن کے حوالے کر دی جائے لیکن نواب نظام علی خاں اس پر آمادہ نہ تھے چنانچہ بیوسی کے کہنے سے دوسرے روز نواب صلابت جنگ نفس نفیس نواب نظام علی خاں سے ملنے آئے اور شاہی مہر کا مطالبہ کیا لیکن نواب نظام علی خاں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا

Orme, II, p. 343 ؎۱

نواب نظام علی خاں اچھی طرح جانتے تھے کہ ان سے مُہر لے کر حیدر جنگ کے حوالے کی جائے گی جو ظاہر ہے اُس کو فرانسیسیوں کے مفاد کے لیے استعمال کرے گا۔ بوسی کی جانب سے جب نواب نظام علی خاں سے مہر واپس کرنے کا اصرار کیا گیا تو اُنھوں نے گرم ہو کر اس طرح جواب دیا:-
"میں اور میرے بھائی نواب بسالت جنگ نے شاہ نواز خاں سے مجبوراً اس لیے مُہر حاصل کی تاکہ فوج کی بقایا تنخواہ کی ادائیگی کا انتظام کیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو فوج ناامید ہو کر بغاوت پر آمادہ ہو جاتی۔ پھر اس کے علاوہ مرہٹوں کی فوج بھی نزدیک موجود تھی۔ اگر میں اور نواب بسالت جنگ فوج کو بقایا تنخواہ میں سے کچھ رقم فوراً نہ ادا کر دیتے اور بقیہ کی ضمانت نہ لیتے تو بڑی دشواری کا سامنا کرنا ہوتا۔ اب یہ بڑی ناانصافی ہوگی اگر ہمیں اپنی خرچ کی ہوئی رقم کی وصول یابی کے وسایل سے محروم کیا جائے اور ہمیں اس قابل نہ رکھا جائے کہ اپنے وعدے کو پورا کر سکیں جس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہ ہوگا کہ ہم بھی اسی قسم کی دشواری میں پھنس جائیں جس سے نواب صلابت جنگ کو دوچار ہونا پڑا تھا[1]"

اس پر حیدر جنگ نے نواب نظام علی خاں کو ۸ لاکھ روپئے ادا کر دیئے جو اُنھوں نے سپاہ کو بقایا تنخواہ کی ادائیگی کے ضمن میں اپنے پاس سے دیئے تھے۔ چنانچہ نواب بسالت جنگ نواب صلابت جنگ کے دربار میں گئے اور اُن کے حسب منشا مُہر حوالے کر دی۔ اب حیدر جنگ کو درپردہ نواب صلابت جنگ کی مُہر کو استعمال کرنے کا پورا موقع حاصل ہو گیا۔

بوسی نے صمصام الدولہ کے توسط سے نواب نظام علی خاں کو کہلا بھیجا کہ ابراہیم خاں کو جو فرانسیسیوں کا پرانا عہدہ دار تھا اور جس پر

سلہ Orme II, P. 343

سیکاکول کی مالگزاری کا حساب باقی تھا ہمارے حوالے کردو۔ پہلے تو نواب نظام علی خاں نے ایسا کرنے میں تامل کیا لیکن بعد میں اس شرط پہ ابراہیم خاں کو بیوسی کے حوالے کر دیا کہ اس پر کسی قسم کی سختی نہ کی جائے اُس کو کسی اعلیٰ خدمت پر مامور کر دیا جائے اور جو رقم اس کے ذمے حساب میں باقی ہے وہ معاف کر دی جائے بیوسی نے ابراہیم خاں کو توپ خانے کا اعلیٰ افسر مقرر کر دیا۔ ابراہیم خاں کو بیوسی کے حوالے کرنے میں یہ مصلحت بھی تھی کہ فرانسیسیوں کے تقرب میں نواب نظام علی خاں کا ایک قابل اعتماد آدمی رہے گا جو ان کے مفاد کی ہمیشہ نگہداشت کی کوشش کرتا رہے گا۔ شاہ نواز خاں صمصام الدولہ کی بھی یہی خواہش تھی کہ فرانسیسیوں کو خوش کریں اور ان سے اپنی موافقت بڑھائیں۔

فرانسیسی وکیل حیدر جنگ نے اپنی ہوشیاری اور چاپلوسی سے نواب صلابت جنگ کو اپنی طرف کافی مایل کر لیا تھا اور اسی فکر میں تھا کہ صمصام الدولہ کے زوال سے فایدہ اٹھا کر خود نظم ونسق پر حاوی ہو جائے اور کسی طرح سے دولت آباد کے قلعے پر قبضہ کر لے۔ شاہ نواز خاں صمصام الدولہ اگرچہ وکیل مطلق نہ رہے تھے لیکن پھر بھی اُن کا حکومت کے معاملات میں اثر تھا اس واسطے کہ نواب نظام علی خاں سے اُن کے تعلقات اچھے تھے۔ اور ان دونوں کے پیش نظر یہ مقصد تھا کہ فرانسیسیوں کو دکن سے بے دخل کر دیں۔ حیدر جنگ نے صمصام الدولہ سے دوستانہ تعلقات پیدا کیے اور اُن کا پورا اعتماد حاصل کر لیا اور اس اعتماد کے پردے میں اُن کے استیصال کی کوشش شروع کر دی۔ صمصام الدولہ، حیدر جنگ کی سازش اور فتنہ پردازی سے ناواقف تھے۔ انھوں نے اپنے پوتے کی پیدائش کا جو جشن ترتیب دیا اُس میں بیوسی اور حیدر جنگ کو بھی مدعو کیا۔ بیوسی نے حیدر جنگ کے ایما پر جشن کے برخاستہ ہونے پر دولت آباد کے قلعے کی سیر اور معاینے کی درخواست کی جسے صمصام الدولہ نے اخلاص و محبت پر محمول کیا۔ اس موقع پر حیدر جنگ اور بیوسی نے نواب بسالت جنگ کے

صمصام الدولہ کے خلاف سازش کی اس لیئے کہ نواب بسالت جنگ صمصام الدولہ کے سخت ترین مخالف تھے اور یہ طے ہوا کہ صمصام الدولہ کو نواب بسالت جنگ اپنے ساتھ بیگم کے باغ میں سیر کے لیئے لے جائیں اور جب دولت آباد کے قلعے سے توپ سر ہونے کی آواز آئے تو اُس وقت صمصام الدولہ کو گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ بیوسی دولت آباد کے قلعے کی سیر کے لیئے پہنچا۔ اُس کے ساتھ تین سو سپاہ بھی تھی۔ وہاں پہنچ کر دھوکے سے قلعے کے دروازے بند کر کے توپ سر کی۔ توپ کی آواز سن کر چند فرانسیسی اور تلنگوں نے صمصام الدولہ کو قید کر کے فرانسیسیوں کے پہرے میں دے دیا۔ اُن کے لڑکے میر عبدالحی خاں، میر عبدالسلام خاں اور میر عبدالنبی خاں بھی قید کر دیے گئے۔

جب بالاجی راؤ کو جو اورنگ آباد سے ۰ میل پر فوج لیے پڑا تھا اطلاع ملی کہ فرانسیسیوں نے قلعۂ دولت آباد پر قبضہ کر لیا تو وہ اورنگ آباد کی طرف بڑھا اور قلعۂ دولت آباد کے متعلق گفتگو کرنے کے لیے بیوسی سے آکر ملا اور ملاقات کے دوران میں کہا: "تم یوروپین لوگوں کو اس قلعے پر قبضہ و تصرف حاصل کر لینے سے جو ہندوستان کے وسط میں واقع ہے کوئی خاص فایدہ نہیں ہوگا۔ اگر تم اس کی حفاظت اپنی فوج سے کرو گے تو پھر اس وقت جب کہ تم اورنگ آباد سے دور ہوگے تو تمھاری فوجی قوت دو حصوں میں تقسیم ہو کر کمزور ہو جائے گی اور اگر اس کو تم نواب صلابت جنگ کی فوج کی حفاظت میں رکھو گے تو اُن کے دشمن جو تمھارے بھی دشمن ہیں اس پر قبضہ کر لیں گے جیسے شاہ نواز خاں نے کر لیا تھا۔ کیا یہ بہترین صورت نہ ہوگی کہ تم دولت آباد کے قلعے کو میرے حوالے کر دو۔ اگر میں اس کو تمھارے توسط سے حاصل کروں گا تو تم مجھ سے اچھی طرح واقف ہو کہ میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ پھر نواب صلابت جنگ کے دربار میں جو جھگڑے پھیلے ہوئے ہیں اور کرناٹک میں انگریزوں کے ساتھ تمھاری جنگ کا ہونا اور تمھاری شمالی سرکاروں کے

علاقوں کا حصول وقوع پسند امور ایسے ہیں کہ میں تمھاری قوم کی
بہت کچھ مدد کرسکوں گا اگر قلعۂ دولت آباد پر مجھے تصرف حاصل ہو جائے۔"

لیکن بوسی نے بالاجی راؤ کی اس تقریر کا یہ جواب دیا کہ "دولت آباد
کے قلعے پر قبضہ کرنے سے اس کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ نواب
صلابت جنگ کی ذات کی حفاظت کے لیے کوئی مناسب مقام
مل جائے جہاں وہ خود اپنی حکومت کے انقلابوں اور جنگ کے خطروں
سے پناہ حاصل کرسکیں۔"[1]

اورم کا خیال ہے کہ نواب نظام علی خاں نے بالاجی راؤ کو
فرانسیسیوں کے خلاف دولت آباد کے قلعے پر حملہ کرنے پر آمادہ کیا تھا۔[2]
ممکن ہے کہ انھوں نے فرانسیسیوں کو نیچا دکھانے اور سیاسی طور پر زچ کرنے
کے لیے ایسا کیا ہو۔

اب حیدر جنگ نے سوچا کہ جب تک نواب نظام علی خاں
کے اختیارات نہ سلب کیے جائیں اس وقت تک دکن کے نظم و نسق
میں فرانسیسی اثر پوری طرح سے کبھی بھی حاوی نہیں ہو سکے گا چنانچہ اس نے
نواب صلابت جنگ کو نواب نظام علی خاں کی طرف سے بدگمان کرنے کی کوشش
کی اور اُن کے بعض افسروں کو بھی اپنے ساتھ کرلیا۔ چنانچہ ابراہیم خاں گاردی
اور دوسرے افسر فرانسیسیوں کی ملازمت میں داخل ہو گئے۔ حیدر جنگ
نے ۸ لاکھ روپے صرف کرکے نواب نظام علی خاں کی فوج کے
بیشتر حصے کو بھی فرانسیسیوں کی ملازمت میں لے لیا۔ نواب بسالت جنگ
نے بوسی اور حیدر جنگ کے ایما پر اُن سے برار کی حکومت علیحدہ کرلی اور
انھیں حیدرآباد کا حاکم مقرر کر دیا تاکہ وہ اورنگ آباد سے جو اس زمانے میں
دکنی سیاست کا مرکز تھا کسی طرح دور ہو جائیں۔ نواب نظام علی خاں

[1] Orme II, P. 347

[2] ایضاً۔

کی ۲۰ ہزار روپے ماہوار تنخواہ مقرر کردی گئی۔ لیکن نواب نظام علی خاں ان تمام انتظامات کو خاموشی سے دیکھنے والے نہ تھے۔ انھوں نے تعمیل حکم میں حیدرآباد کی تیاری کرکے نواب صلابت جنگ سے رخصت حاصل کی لیکن روانگی سے قبل اپنے جاں نثاروں سے مشورہ کیا کہ آیا مجھے خاموشی سے حیدرآباد چلا جانا چاہیئے یا فرانسیسیوں کی سازش کا توڑ کرنے کے لیے کھلم کھلا ان کی مخالفت شروع کردینی چاہیئے۔ چنانچہ مشورے کے بعد یہ طے ہوا کہ نواب نظام علی خاں اپنی روانگی کے روز صبح کے وقت الوداعی دربار منعقد کریں جس میں حیدر جنگ کو بھی شرکت کی دعوت دی جائے۔ چنانچہ دربار منعقد ہوا۔ نواب نظام علی خاں حیدر جنگ کے ساتھ خاص اعزاز سے پیش آئے۔ کچھ دیر تک گفتگو کے بعد نواب نظام علی خاں اٹھ کر وضو کے لیئے خیمے کے پیچھے چلے گئے۔ دوسرے عہدہ داروں کی طرح جب حیدر جنگ تعظیم کے لیئے اٹھا تو دو شخصوں نے اس کے بازوؤں کو پکڑ کر اس کو جھکا دیا اور ایک شخص نے خنجر سے اس کا کام تمام کردیا۔ اس کے بعد نواب نظام علی خاں اور ان کے چند جاں نثار ہمراہی سب گھوڑوں پر سوار ہوکر اورنگ آباد کے باہر نکل گئے۔ جب گھوڑے آگے بڑھے اور حیدر جنگ کے فرانسیسی باڈی گارڈ کو اس واقعے کا علم ہوا تو انھوں نے نواب نظام علی خاں اور ان کے ساتھیوں کا تعاقب کیا اور ان پر فیر بھی کیئے لیکن کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ بوسی کو حیدر جنگ کے قتل کی اطلاع ہوئی تو اس نے فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ فوج کا ایک حصہ نواب صلابت جنگ کی حفاظت کے لیئے چھوڑ دیا گیا اور دوسرا حصہ شاہ نواز خاں صمصام الدولہ کے ڈیروں کی طرف بھیج دیا گیا تاکہ نواب نظام علی خاں اور ان کے ساتھی انھیں رہا نہ کرالیں۔ صاحب توزک آصفیہ لکھتا ہے کہ بوسی کے حکم سے شاہ نواز خاں صمصام الدولہ اور ان کے صاحبزادے

لے توزک آصفیہ صفحہ ۸۹ - حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۲۴۸۔

جو قید میں تھے گولیوں کا نشانہ بنے (مئی ۱۷۵۸ء) فرانسیسی مورخوں کا خیال ہے کہ حیدر جنگ کے قتل کے بعد جو شورش ہوئی اس میں صمصام الدولہ مارے گئے لیکن یہ تاویل بناوٹی ہے تاکہ بوسی پر صمصام الدولہ کے قتل کی ذمہ داری نہ آسکے۔ دراصل حیدر جنگ کے قتل کے انتقام میں صمصام الدولہ اور ان کے بیٹے کو بوسی نے قتل کرایا۔ اس کی تائید ہمعصر فارسی تاریخوں سے ہوتی ہے۔

شاہنواز خاں صمصام الدولہ کے قتل کے بعد نواب میر نظام علی خاں برہان پور روانہ ہوگئے اور بعض مورخوں کا خیال ہے کہ ان کے قتل سے پہلے ہی وہ روانہ ہو چکے تھے۔ برہان پور پہنچ کر انھوں نے برہان پور کے صوبہ دار محمد انور خاں کو قید کر کے خزانے پر قبضہ کر لیا اور فوج بھرتی کرنی شروع کر دی۔ بوسی کے ایما پر نواب صلابت جنگ نے جانوجی بھونسلا کو لکھا کہ نواب نظام علی خاں کو علاقہ برار میں داخل ہونے سے روکا جائے۔ چنانچہ اس نے اپنے سردار گرانڈیا کو نواب نظام علی خاں کے خلاف روانہ کیا۔[1] لیکن مئی ۱۷۵۸ء میں نواب نظام علی خاں کی فوج نے گرانڈیا کو سخت شکست دی اور مرہٹے پریشان ہو کر بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔ اس شکست کے بعد جانوجی بھونسلا نے نواب نظام علی خاں کے دیوان راجہ وٹھل داس کے ذریعے صلح کی درخواست کی جسے شرف منظوری بخشا گیا جانوجی بھونسلا نے جناب نواب نظام علی خاں کی قوت کے آگے جھک گیا تھا انھیں پیشکش گزرانی اور آیندہ کے لیے موافقت کا عہد و پیمان کیا۔ نواب صلابت جنگ نے بوسی کے ہمراہ برار کی طرف فوج کشی کی لیکن ناموافق حالات دیکھ کر وہ واپس آگئے۔ برار کے سب بڑے بڑے زمیندار نواب نظام علی خاں کے ساتھ تھے اور بوسی کو کسی قسم کی رسد پہنچنے کی توقع نہ تھی۔

نواب صلابت جنگ چاہتے تھے کہ نواب نظام علی خاں کے خلاف

[1] تورک آصفیہ صفحہ ۹۱۔

فوج کشی کی جائے لیکن بوسی اس پر رضامند نہیں ہوا۔ وہ جانتا تھا کہ نواب نظام علی خاں کا تعاقب کر کے اُن سے لڑنا آسان نہیں ہے۔ اول تو یہ کہ وہ کسی ایک مقام پر زیادہ عرصے تک ٹھیرتے نہیں تھے۔ دوسرے یہ کہ اُن کی فوج کی تعداد بہت کافی تھی اور تیسرے یہ کہ دکن کے امرا اور عوام الناس کو اُن کے ساتھ دلی ہمدردی تھی۔ بوسی جانتا تھا کہ فرانسیسی ویسے ہی دکن میں بدنام ہیں اگر اب وہ نواب صلابت جنگ اور نواب نظام علی خاں کو ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار کرا دیں گے تو اُن کے متعلق سوئے ظنی اور بڑھ جائے گی۔ نرمل، ماہور اور شمالی سرکاروں کے زمین داروں نے نواب نظام علی خاں کی حکومت کو تسلیم کر لیا اور انھیں اپنے عامل مقرر کرنے کو لکھا۔ جب بوسی کو معلوم ہوا کہ نواب نظام علی خاں کا اثر شمالی سرکار تک پہنچ چکا ہے اور فرانسیسی عاملوں کو مالگزاری کی رقم وصول کرنے میں دشواری پیش آرہی ہے تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اسی اثنا میں پانڈیچیری کے گورنر لے ریت اور کونٹ دے لالی کے خطوط اُس کو وصول ہوئے جن میں دکن سے کرناٹک آنے کی تاکید کی گئی تھی۔

کونت دے لالی کو جنگ ہفت سالہ شروع ہوتے پر فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے ہندوستان کے مقبوضات کی حفاظت اور انگریزوں کو نیچا دکھانے کے لیے ہندوستان بھیجا تھا۔ شروع شروع میں اُس کو کرناٹک میں متعدد جگہ انگریزوں کے مقابلے میں کامیابی حاصل ہوئی لیکن بعد میں پانسا پلٹ گیا۔ پریشانی کے عالم میں اُس نے بڑی غلطی یہ کی کہ موسیو بوسی کو دکن سے اور موسیو موراکین کو شمالی سرکار سے بلا بھیجا اور انھیں حکم بھیج دیا کہ اپنے ساتھ جتنی بھی فرانسیسی فوج لا سکتے ہو فوراً لے آؤ اس واسطے کہ کرناٹک میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان عنقریب اس بات کا فیصلہ ہونے والا ہے کہ آئندہ ہندوستان پر کس کی حکومت ہوگی۔ لالی نے بوسی کو اس واسطے اور بھی طلب کیا کہ اس کو اطلاع مل چکی تھی کہ مدراس کے گورنر پگٹ نے بنگال سے مدد طلب کی تھی اور کلائیو کو شمالی سرکار پر

حملہ کرنے کی دعوت دی تھی۔ لیکن لالی نے انگریزوں کے وسائل کے متعلق بالکل غلط اندازہ لگایا۔ وہ یہ بات بھول گیا کہ انگریزوں نے کرناٹک سے کہیں زیادہ اہم اور دولتمند علاقوں پر قبضہ حاصل کر لیا تھا۔ ان کی بمبئی اور فورٹ سینٹ ولیم (کلکتے) کی کوٹھیاں مدراس کے مقابلے میں کہیں زیادہ بیوپار کرتی تھیں اور ان کی سیاسی اہمیت بھی کسی طرح کرناٹک سے کم نہ تھی۔ لالی نے اگرچہ ارکاٹ پر قبضہ کر کے چندا صاحب کے لڑکے رضا صاحب کو نواب کرناٹک بنا دیا تھا۔ لیکن وہ جس بنیاد پر اپنی تعمیر کھڑی کر رہا تھا وہ بودی تھی۔

نواب صلابت جنگ کو حیدرآباد میں چھوڑ کر جولائی ۱۷۵۸ء میں بوسی مع اپنی فرانسیسی فوج کے کرناٹک کو روانہ ہو گیا۔ بوسی سے نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ نواب صلابت جنگ نے الوداع کہا اور وعدہ کیا کہ وہ جلد از جلد کرناٹک سے دکن واپس آنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن اس وعدے کا ایفا مقدر نہ تھا۔ راستے میں موسیو موراکین بھی شمالی سرکاروں میں بوسی سے آکر مل گیا۔ بوسی نے موسیو کونفلان کو شمالی سرکار کا انتظام سپرد کیا۔ لیکن بوسی اور موراکین کے شمالی سرکار سے روانہ ہوتے ہی ہر طرف بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ وزیاناگرم کے راجا آنند راج نے فرانسیسی اقتدار کے خلاف اور دوسرے بڑے بڑے زمینداروں کو بھی بغاوت پر اکسایا اور کلائیو کو مدد کے لیے کلکتے لکھا اور اپیل کی کہ اگر اس وقت بنگال سے مدد آ گئی تو فرانسیسی اثر کا شمالی سرکاروں میں ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے گا۔ ادھر مدراس کے گورنر پی گٹ نے بھی کلائیو کو متعدد بار لکھا کہ شمالی سرکار پر حملہ کرنے کا بہترین موقع یہی ہے۔ اگر وہاں اس وقت حملہ نہیں کیا گیا تو کرناٹک کا سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ چنانچہ کلائیو نے باوجود فورٹ سینٹ ولیم کی

۱ Lawrence's narrative of the War on the coast of Coromandal (ed. by Cambridge). P. 201.

کونسل کے اختلاف کے جو پلاسی کی لڑائی کے بعد جنگ کی مزید ذمہ داری کو اپنے اوپر لیتے ہوئے بچا پائی تھی، کرنل فورڈ کی سرکردگی میں سمندر کے راستے سے دسمبر ۱۷۵۸ء میں شمالی سرکار پر حملہ کرنے کے لیے فوج روانہ کر دی۔ اپریل ۱۷۵۹ء میں فورڈ نے مسولی پٹم پر گولے برسائے اور ساحل پر اپنی فوج اتار دی۔ کنڈور کے مقام پر پہنچی بھی فرانسیسی فوج کو کرنل فورڈ نے شکست دی۔ فرانسیسی کمانڈر کونفلان نے فرار کی راہ اختیار کی۔ انگریزی فوج نے ہر چند اسے گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ہاتھ نہ آیا۔ فورڈ نے اس کے بھاگنے کے متعلق کلائیو کو اپنے ایک خط میں اس طرح لکھا تھا "وہ (کونفلان) ارادہ کر چکا ہے کہ چاہے کچھ ہو جائے وہ ہاتھ نہیں آئے گا سوائے کسی شکاری کتے کے جس شب کو رن پڑا تھا اسی شب اس نے راجمندری میں جا کر ناشتہ کیا جو مقام جنگ سے کم از کم چالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے"۔

کونفلان نے ہتھیار ڈالنے سے قبل نواب صلابت جنگ کو لکھا تھا کہ وہ راجا وزیا نگرم کے خلاف کمک لے کر مسولی پٹم جلد سے جلد پہنچنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ نواب صلابت جنگ کمک لے کر شمالی سرکار کو روانہ ہو گئے۔ جب وہ مسولی پٹم سے ۱۵ میل پر پہنچے تو انھیں کنڈور میں فرانسیسی فوج کے ہتھیار ڈالنے اور مسولی پٹم پر انگریزوں کا قبضہ ہو جانے کی اطلاع ملی اور انھوں نے کرنل فورڈ سے مصالحت کی گفت و شنید شروع کر دی۔ کنڈور کی فتح انگریزوں کی زبردست کامیابی تھی جس کی بدولت فرانسیسیوں کے ہاتھ سے شمالی سرکار کے علاقے ہمیشہ کے لیے نکل گئے اور نواب صلابت جنگ کو فرانسیسیوں پر جو غیر معمولی اعتماد تھا اس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ نواب صلابت جنگ نے کرنل فورڈ سے ۱۴ مئی ۱۷۵۹ء جو معاہدہ کیا اس کی رو سے مسولی پٹم کا بندرگاہ اور شمالی سرکار کے علاقے جو لمبائی میں سمندر کے کنارے کنارے ۵۰ میل اور چوڑائی میں کم و بیش بیس میل تھے انگریزوں کے حوالے کر دیئے

اور انھیں انعام کی سند اسی طرح عطا کر دی جس طرح پہلے موسیو بوسی کو عطا کی تھی۔ نواب صلابت جنگ نے وعدہ کیا کہ وہ پندرہ روز کے اندر اپنی ریاست سے فرانسیسیوں کو نکال دیں گے اور آیندہ کبھی انھیں اپنی ملازمت میں نہ لیں گے۔ نواب صلابت جنگ نے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ راجا وزیانگرم سے بقایا لگان طلب نہیں کریں گے اور فرانسیسیوں کے عہد حکومت میں راجا نے جو مالگزاری کی رقوم وصول کی ہیں اُن کا حساب نہیں طلب کیا جائے گا اور نہ اُس کے علاقے کی بابت سال جاریہ کی پیشکش کا مطالبہ کیا جائے گا۔ آیندہ سال سے اگر راجا اپنی پیشکش حسب سابق ادا کرنے میں تساہل برتے تو نواب صلابت جنگ کو اختیار ہوگا کہ وہ جو سلوک بھی مناسب سمجھیں اُس کے ساتھ روا رکھیں۔ کرنل فورڈ نے انگریزی حکومت کی طرف سے عہد و پیمان کیا کہ وہ صوبہ دار دکن کے دشمنوں کی کبھی تائید یا مدد نہیں کریں گے اور نہ انھیں اپنی حفاظت میں لیں گے[1]

شمالی سرکار کے علاقوں کی سالانہ آمدنی تقریباً ۴۲ لاکھ روپے تھی[2]۔

جب کلائیو نے ۱۷۶۵ء میں بادشاہ شاہ عالم سے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی حاصل کی تو شمالی سرکار پر انگریزی قبضے کی توثیق بھی حاصل کر لی۔ اس طرح شمالی سرکار فرانسیسیوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور دکن میں بجائے فرانسیسیوں کے انگریزوں کا اثر قائم ہو گیا۔ بوسی کے دکن سے کرناٹک جانے سے فرانسیسی مفاد کو مطلق کوئی فائدہ نہیں پہنچا اس واسطے کہ لالی اور بوسی میں شروع ہی سے سخت اختلافات شروع ہو گئے۔ بوسی چاہتا تھا کہ سیاست کاری اور تدبر سے فرانسیسی اثر کو ہندوستان میں قائم کرے۔ برخلاف اس کے لالی اندھا دھند طور پر انگریزوں سے

۱؎ Lawrence's Narrative, p. 233

۲؎ Country Correspondence. 1766, p. 39

بیزار ہو کر ان کے سب مقبوضات پر قبضہ کر لینا چاہتا تھا تاکہ فرانسیسی اقتدار کے لئے ہندوستان میں راستہ صاف ہو جائے۔ وہ سیاست کاری کے طریقوں کو ذلیل سمجھتا تھا جو ایک سپاہی منش آدمی کے لئے زیبا ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ سیاست کاری کے بجائے اگر فرانسیسی انگریزوں کو کبھی بھی شکست نہیں دے سکیں گے۔ اگر انہیں شکست دی جا سکتی ہے اور ہندوستان سے بے دخل کیا جا سکتا ہے تو صرف تلوار کے زور سے۔ غرض کہ لالی اور بوسی کے مزاج اور ان کے اصول کار میں بڑا فرق تھا جس کی وجہ سے ان میں تعاون عمل ممکن نہ تھا۔

نواب صلابت جنگ کرنل فورڈ سے معاہدہ کرنے کے بعد شمالی سرکار میں تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ نواب نظام علی خاں مع اپنی فوج کے حیدرآباد پہنچ گئے ہیں۔ چنانچہ نواب صلابت جنگ نے کرنل فورڈ سے تحریک کی کہ وہ ان کے ساتھ حیدرآباد چلیں لیکن انھوں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس پر نواب صلابت جنگ کو سخت مایوسی ہوئی اور وہ دل برداشتہ ہو کر حیدرآباد روانہ ہو گئے۔ اس کی دراصل وجہ یہ تھی کہ جس زمانے میں موسیو بوسی نے نواب صلابت جنگ کے ذریعے سے دکن میں فرانسیسی اثر و رسوخ قائم کر لیا تھا اُس زمانے میں نواب نظام علی خاں برابر انگریزوں سے خط و کتابت کر رہے تھے کہ وہ ان کی مدد کریں تاکہ فرانسیسیوں کو دکن سے بے دخل کیا جا سکے۔ غرض کہ شمالی سرکار سے روانہ ہوتے وقت نواب صلابت جنگ نے محسوس کیا کہ اب مسند ریاست پر متمکن رہنے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ نواب نظام علی خاں سے موافقت پیدا کی جائے۔ چنانچہ حیدرآباد پہنچنے سے قبل ہی انھوں نے نواب نظام علی خاں کو اپنے اس ارادے سے مطلع کر دیا تھا۔ لیکن نواب بسالت جنگ، نواب نظام علی خاں سے خائف ہو کر راستے ہی میں سے اپنی تمام فوج چھوڑ کر ادھونی روانہ ہو گئے جہاں پہلے سے انہیں نواب صلابت جنگ نے حاکم مقرر کر دیا تھا۔

نواب نظام علی خاں کے خوف سے اُنھوں نے بغرض مدافعت برطرف شدہ فرانسیسی فوج کو جو دو سو یورپین اور دو ہزار دیسی سپاہ پر مشتمل تھی اور ذوالفقار جنگ برادر حیدر جنگ کے تحت تھی اپنی ملازمت میں لے لیا۔

جب نواب صلابت جنگ، حیدرآباد سے تیس کوس پر سوریا پیٹ پہنچے تو اپنی ساری فوج کو وہاں چھوڑ کر نواب نظام علی خاں سے ملنے کے لیے چند ساتھیوں سمیت ۱۸ رجون ۱۷۵۹ء کو حیدرآباد روانہ ہو گئے۔ جب نواب نظام علی خاں کو نواب صلابت جنگ کے حیدرآباد روانہ ہونے کا حال معلوم ہوا تو اُنھوں نے بڑی عزت و تکریم کے ساتھ آگے جا کر بڑے بھائی کا استقبال کیا اور نواب صلابت جنگ بڑی شان و شوکت سے بلدے میں داخل ہوئے۔ نواب صلابت جنگ نے حکومت کی باگ ڈور نواب نظام علی خاں کے ہاتھ میں دے دی[۱]۔

ابراہیم خاں گاردی جو پہلے فرانسیسیوں کی ملازمت میں تھا بعد میں نواب نظام علی خاں کی فوج میں ملازم ہو گیا تھا۔ لیکن موسیو بیوسی کے اصرار پر نواب نظام علی خاں نے اُس کو پھر فرانسیسیوں کے حوالے کر دیا۔ جب موسیو بیوسی اور فرانسیسی فوج دکن سے کوچ کر کے چلی گئی تو ابراہیم خاں نے دوبارہ نواب نظام علی خاں کی ملازمت اختیار کر لی۔ وہ توپ خانے کا نہایت عمدہ افسر تھا۔ اپنی قابلیت اور کارروائی کے سبب سے اُس نے نواب نظام علی خاں کے مزاج میں بہت اثر و رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ نواب نظام علی خاں کو جتنی زیادہ اُس کی خاطرداری منظور تھی اتنی ہی زیادہ اُس کو حرص دامن گیر ہوئی اور راجہ رگھناتھ داس دیوان سے اُس کی تنخواہ وغیرہ کے متعلق اَن بَن ہو گئی۔ جب ابراہیم خاں نے اپنی اور اپنی فوج کی تنخواہ کے ضمن میں سپاہ سے ہنگامہ کرانے کی کوشش کی تو نواب نظام علی خاں کو یہ بات بے حد ناگوار ہوئی اور اُنھوں نے اُس کو خدمت سے برطرف کر دیا۔ وہ سیدھا بالاجی راؤ کے پاس

---

[۱] حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۲۵۶۔

پہنچا جس نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لے لیا اس لیے کہ وہ تو اس تاک ہی میں بیٹھا تھا کہ نواب نظام علی خاں کے عمدہ افسروں کو کسی طرح ان سے علیحدہ کرائے بعض تاریخی اسناد سے یہ بھی شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ بالاجی راؤ نے دکن میں بعض لوگوں کو اس بات پر مامور کیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح دولت کا لالچ دے کر ابراہیم خاں گاردی کو نواب نظام علی خاں کی ملازمت سے علیحدہ کرا لیں۔ ابراہیم خاں گاردی کے بالاجی کے پاس چلے جانے کے بعد نواب نظام علی خاں نے جو اگرچہ کچھ عرصے قبل فرانسیسیوں کے سخت مخالف تھے ریاست کی حفاظت کے لیے سو فرانسیسیوں اور دو سو ان کی تربیت یافتہ دیسی سپاہ کو اپنی سلک ملازمت میں شامل کر لیا جو اس معاہدے کے قطعی خلاف تھا جو نواب صلابت جنگ نے کرنل فورڈ کے ساتھ کچھ عرصے قبل کیا تھا۔

اس اثنا میں مرہٹوں نے سرکار عالی کے بعض مغربی علاقوں پر فوج کشی کر کے قبضہ جما لیا تھا جب نواب نظام علی خاں زمین دار مدگل سوریا راؤ کی سرکشی فرو کر کے اور اس سے پیشکش اطاعت وصول کر کے واپس ہوئے تو انھیں اطلاع ملی کہ مرہٹوں نے احمد نگر کے قلعے پر بھی قبضہ کر لیا۔ چنانچہ وہ مع نواب صلابت جنگ کے مرہٹوں کے خلاف متوجہ ہوئے اور قلعہ اودگیر کے قریب ۱۵ جنوری سنہ ۱۷۶۰ء میدان کارزار گرم ہوا۔ مرہٹوں کی فوج ساٹھ ہزار سوار پر مشتمل تھی اور نواب نظام علی خاں کے ساتھ صرف سات ہزار سپاہ تھی۔ ابراہیم خاں گاردی مرہٹوں کی طرف سے توپ خانے کا افسر اعلیٰ تھا۔ اس نے نواب نظام علی خاں کی فوج کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ نواب نظام علی خاں نے چاہا کہ اودگیر سے پرینڈا کی طرف روانہ ہوں تاکہ مرہٹوں کی توجہ بٹ جائے لیکن مرہٹہ فوج نے انھیں گھیر لیا اور آگے نہیں بڑھنے دیا۔

۱؎ حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۲۵۷۔

نواب نظام علی خاں کی فوج میں رسد کی کمی کی وجہ سے بہت خستگی پیدا ہوگئی۔ اگرچہ تیغ جنگ اور سہراب جنگ نے جو نواب موصوف کے ہمنشیں تھے ابراہیم خاں گاردی کے توپ خانے پر ایسا سخت حملہ کیا کہ وہ اپنی جگہ چھوڑنے پر مجبور ہوگیا لیکن رسد کی کمی کی وجہ سے باوجود اس کامیابی کے نواب نظام علی خاں کے بعض سردار مصالحت کے لیئے کوشاں تھے۔ راجہ پرتاپ ونت اور رشید یار خاں شیر جنگ دیوان کو صلح کی شرائط طے کرنے کے لیے بالاجی راؤ کے پاس روانہ کیا گیا چنانچہ دونوں طرف سے جنگ موقوف ہوگئی اور معاہدہ ہوگیا جس کے بموجب نواب صلابت جنگ نے قلعۂ دولت آباد، قلعۂ آسیر، صوبۂ برہان پور و بیجاپور اور اورنگ آباد کی سرکاروں میں جالنہ، پٹن وغیرہ مرہٹوں کے حوالے کر دیئے جن کی آمدنی ۹۰ لاکھ روپے سالانہ تھی اور بقول صاحب حدیقۃ العالم[1] جو کچھ حصۂ ملک باقی رہا اس کی رگوں میں بھی چوتھ کا خون فاسد جاری وساری رہا۔

اس معاہدے کی تکمیل کے بعد بالاجی راؤ پونہ واپس چلا گیا اور احمد شاہ ابدالی کے خلاف اپنی فوج شمالی ہند بھیجنے کی تیاری میں مصروف ہوگیا۔ اس کی فوج نے پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھ سے ۱۷۶۱ء میں ایسی سخت شکست کھائی کہ اس کے بعد سے مرہٹوں کو کبھی عروج حاصل نہ ہو سکا اور وہ سارے ہندوستان میں تسلط قائم کرنے کے منصوبے کو کبھی بھی عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ اس شکست سے دل شکستہ ہوکر بالاجی راؤ کا انتقال ہوگیا اور مرہٹوں کی سیاست میں ایسی پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں کہ جن کے سبب سے ان کی قوت بہت کمزور ہوگئی۔

جنگ اودگیر کے بعد نواب صلابت جنگ نے نواب نظام علی خاں کو

---

[1] حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۲۵۹۔

شمالی سرکاروں کی طرف روانہ کردیا تاکہ وہاں کے سرکش زمین داروں کی سرکوبی کریں اور خود حیدرآباد آ گئے۔ نواب صلابت جنگ نے مبارز خاں کے بیٹے حامداللہ خاں مبارزالملک کو وکالت مطلق کے عہدے پر سرفراز کیا اور دیوانی کا انتظام حیدر یار خاں شیر جنگ کے ذمے رہا۔ اب تک نواب نظام علی خاں وکالت مطلق کے فرایض انجام دے رہے تھے۔ انھیں جب راجمندری میں یہ اطلاع ملی کہ حامداللہ خاں مبارزالملک کو نواب صلابت جنگ نے وکالت مطلق کے خلعت سے سرفراز کیا ہے تو یہ بات انھیں ناگوار ہوئی اور وہ فوراً حیدرآباد روانہ ہو گئے۔ انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ بعض ارکان دولت ان کے اور نواب صلابت جنگ کے درمیان نااتفاقی پیدا کرنے کے درپے ہیں اور نواب صلابت جنگ ان کی باتوں میں آ گئے ہیں۔ چنانچہ نواب نظام علی خاں نے وکالت مطلق کی مہر جو ان کے پاس تھی کبیدہ خاطر ہو کر نواب صلابت جنگ کو واپس کر دی۔

اسی اثنا میں بالاجی راؤ کے بھائی رگھوناتھ راؤ نے جو پیشوا مادھوراؤ کا متولی تھا حملہ کر کے علاقۂ سرکار عالی میں لوٹ مار مچا دی۔ چنانچہ نواب نظام علی خاں جن کے مد نظر ریاست آصفیہ کے معاملات کی درستگی تھی رگھوناتھ راؤ کی تادیب کو احمد نگر کی طرف روانہ ہوئے۔ رگھوناتھ راؤ اور اس کی مرہٹہ فوج تاب مقاومت نہ لا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ راجہ پرتاب ونت اور سیف الدولہ نے اس موقع پر کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ مرہٹوں نے نواب نظام علی خاں کی آگے بڑھتی ہوئی فوج کو روکنے کی ہر چند کوشش کی لیکن انھیں کچھ بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ نواب نظام علی خاں نے مرہٹوں کا پونا تک تعاقب کیا۔ راستے میں جب کبھی مرہٹوں نے مدافعت کی تو کثیر نقصان کے ساتھ انھیں پسپا ہونا پڑا۔ نواب نظام علی خاں پونا سے ۸ میل کے فاصلے پر پہنچ گئے تو رگھوناتھ راؤ نے سلطان جی اور جانوجی کے ذریعے سے

مصالحت کی درخواست کی۔ بالآخر یہ طے ہوا (سنہ ۱۷۶۲ء) کہ بالاجی راؤ نے حکومت سرکار عالی کے جن علاقوں پر جنگ و دیگر کے بعد قبضہ کر لیا تھا وہ واپس کر دیئے جائیں۔ جو علاقے واپس کئے گئے اُن کی سالانہ مالگزاری ۷۲ لاکھ روپے تھی۔[1] نواب نظام علی خاں نے بڑی قابلیت سے مرہٹوں کی اس کمزوری سے فائدہ اُٹھایا جو جنگ پانی پت کی شکست کے بعد قدرتی طور پر ان میں پیدا ہو گئی تھی اور ریاست ابد مدت کے کھوئے ہوئے علاقوں کو واپس حاصل کر لیا۔

اس دوران میں نواب نظام علی خاں کی بڑھتی ہوئی قوت اور اثر سے بعض امراء کے دل میں حسد پیدا ہوا اور اُنھوں نے نواب صلابت جنگ کو اُن سے بدظن کر دیا۔ نواب نظام علی خاں کو یہ بھی اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں نواب صلابت جنگ اپنی تلون مزاجی سے مرہٹوں سے نہ مل جائیں۔ بقول صاحب تزک آصفیہ نواب نظام علی خاں کو بعض خطوط ایسے ملے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ نواب صلابت جنگ اُنھیں نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔[2] نواب صلابت جنگ اور نواب نظام علی خاں کے باہمی اختلاف کی وجہ سے ملک میں فتنہ و فساد پیدا ہونے کا بھی خوف تھا۔ ان حالات میں نواب نظام علی خاں نے اپنے خاص مشیروں سے مشورہ کرنے کے بعد نواب صلابت جنگ کو ۷ رجب جولائی سنہ ۱۷۶۲ء قلعہ بیدر میں نظر بند کر دیا اور امور سلطنت کی باگ ڈور براہ راست خود سنبھالی۔[3] نواب صلابت جنگ نے ایک سال اور تین ماہ نظر بندی میں بسر کر کے رحلت کی۔ نواب نظام علی خاں نے اپنی خوش تدبیری سے فتنہ و فساد کو فرو کر کے استحکام سلطنت کے وسائل

۱؎ حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۲۷۶۔

۲؎ تزک آصفیہ صفحہ ۱۳۴۔

۳؎ مآثر الامراء جلد سوم صفحہ ۷۸۱ – حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۲۷۶۔

اختیار کیے۔ نواب صلابت جنگ کی نظربندی کے زمانے ہی میں عالی گہر شاہ عالم ثانی پادشاہ دہلی نے ایک فرمان اپنی طرف سے نواب صلابت جنگ کی معزولی اور نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کی مسند نشینی کے متعلق ارسال کیا۔ اگرچہ اس زمانے میں پادشاہ دہلی کا کوئی اقتدار باقی نہیں رہا تھا لیکن پھر بھی اس کے نام کی وقعت باقی تھی۔ اس کے سیاسی اثر کے ختم ہو جانے کے بعد بھی اس کا اخلاقی اثر باقی تھا جسے ہندوستان کے مختلف حکمراں اپنے مفاد کو معین و مستحکم کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

پانچواں باب

نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی اور عہد معاونت

(سنہ ۱۷۶۲ء تا سنہ ۱۸۰۳ء)

جس زمانے میں نواب میر نظام علی خاں مسند نشین ہوئے اُس وقت مرہٹوں کے باہمی اختلافات برابر بڑھ رہے تھے جن سے اُنھوں نے فایدہ اُٹھایا۔ کم سن پیشوا مادھو راؤ اور اُس کے چچا رگھوناتھ راؤ (رگھوبا) میں اَن بن رہتی تھی۔ مادھو راؤ اپنے اختیارات کو بلا کسی مزاحمت کے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ دربار پونا میں اُس وقت دو پارٹیاں بن گئی تھیں۔ ایک نانا فرنویس کی پارٹی تھی جو مادھو راؤ کو اُس کے چچا کے اثر سے آزاد کرانا چاہتی تھی اور دوسری پارٹی رگھوناتھ راؤ کی تھی۔ بعض فوجی افسر ایک پارٹی کے ساتھ تھے اور بعض دوسری کے ساتھ تھے

جب دونوں پارٹیوں میں جنگ تک نوبت پہنچی اور رگھوناتھ راؤ نے نواب میر نظام علی خاں سے امداد طلب کی تو انھوں نے اپنے فوجی افسر مراد خاں کی ماتحتی میں کچھ فوج بھیج دی اور خود بھی لشکر لئے کر مرہٹہ سرحد کی طرف بڑھے۔ رگھوناتھ راؤ سے مقابلے کی تاب نہ لاکر مادھو راؤ نے اپنے تئیں چچا کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ رگھوناتھ راؤ نے مادھو راؤ کو معاف کر دیا۔ اس کی پیشوائی بھی برقرار رکھی لیکن اس کو اپنی نگرانی میں لے لیا اور نظم و نسق پر خود حاوی ہوگیا۔

چوں کہ رگھوناتھ راؤ کو نواب میر نظام علی خاں کی فوج سے کامیابی حاصل کرنے میں مدد ملی تھی اس لئے اس نے اس کے صلے میں پڑگاؤں کے مقام پر مراد خاں سے ایک معاہدہ کیا جس کے بموجب دولت آباد، شونیر، احمد نگر اور اسیر گڑھ کے قلعوں کے علاوہ اکیاون لاکھ روپے سالانہ آمدنی کے علاقے صوبہ دار دکن کو واپس کر دئے گئے جن پر صلح نامہ ادگیر کے بعد سے مرہٹوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ اس معاہدے کی باضابطہ توثیق ہوتی راجا پرتاپ ونت نے جو نواب میر نظام علی خاں کے پہلے مدار المہام تھے اور مرہٹوں میں خاص اثر رکھتے تھے اس کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی اس واسطے کہ وہ معاہدہ بجائے اس کے مراد خاں کے توسط سے طے ہوا تھا جو اس کا مد مقابل تھا۔ راجا پرتاپ ونت نے نواب میر نظام علی خاں کو باور کرایا کہ اگر رگھوناتھ راؤ پیشوا کا نگراں رہا تو آیندہ اس سے ریاست حیدرآباد کو بہت خطرہ رہے گا چنانچہ اس نے انھیں یہ بات سمجھائی کہ اگر جانوجی بھونسلا کو رگھوناتھ راؤ کی جگہ پیشوا کا نگراں بنایا جائے تو اس پر قابو رکھنا آسان ہوگا چنانچہ اس نے جانوجی بھونسلا کو فوراً بلا بھیجا تاکہ اس باب میں اس سے گفتگو کی جائے۔ اس کے علاوہ راجا پرتاپ ونت نے بعض دوسرے مرہٹہ سرداروں کو بھی اپنا ہم خیال بنالیا

[1] توزک آصفیہ صفحہ ۱۳۹۔ حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۲۸۱۔

جن میں گوپال راؤ، پیشوا دردھن اور بھاون راؤ پرتی ندھی شامل تھے۔ ان سرداروں نے رگھوناتھ راؤ کے بجائے جانوجی بھونسلا کی حمایت میں لڑنے کا وعدہ کیا۔[1]

رگھوناتھ راؤ کو جب راجہ پرتاب ونت کی اس سازش کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنی فوج کو حکم دے دیا کہ سرکار عالی کے سرحدی مقامات پر حملہ کردے۔ راجا پرتاب ونت نے نواب میر نظام علی خاں کو آمادہ کرلیا کہ وہ اس وقت پونا پر چڑھائی کردیں۔ غرض کہ ۱۷۶۳ء میں نواب نظام علی خاں نے پونا کے قریب وجوار میں ڈیرے ڈال دیئے اور ان کی سپاہ نے شہر کو خوب جی بھر کر لوٹا۔ وہاں سے انھوں نے مشرق کی طرف رخ کیا اور قلعۂ پرندھرا اور دریائے بھیما کے درمیانی علاقے میں سامان رسد فراہم کیا۔ یہاں انھیں اطلاع ملی کہ رگھوناتھ راؤ نے حیدرآباد پر چڑھائی کی ہے جہاں وہ شہر کی فصیل کے اندر نہ گھس سکا اور قریب وجوار کے علاقوں سے دو لاکھ روپیوں کی چوتھ وصول کرکے اس نے اورنگ آباد کا رخ کیا۔ برسات کا موسم شروع ہوچکا تھا۔ نواب میر نظام علی خاں کا ارادہ تھا کہ برسات بھربید رمیں قیام کریں۔ لیکن راجا پرتاب ونت نے انھیں دھارور کے مقام پر مشورہ دیا کہ اگر برسات کا موسم اورنگ آباد میں گزارا جائے تو بہتر ہوگا اس لیے کہ پونا اور ناگ پور دونوں وہاں سے قریب ہیں۔[2] چنانچہ دھارور سے نواب میر نظام علی خاں نے اپنے لشکر سمیت اورنگ آباد کا رخ کیا۔ دریائے گوداوری طغیانی پر تھا۔ چند روز دھارور میں قیام کیا تاکہ دریا کا پانی ذرا اتر جائے تو آگے بڑھیں۔ یہاں فوج کے دو حصے کردیے گئے۔ ایک حصے نے نواب میر نظام علی خاں کے ہمراہ دریا کو عبور کرلیا۔ فوج کا دوسرا حصہ

[1] Kincaid, A History of the Maratha people, III, P. 86.

[2] تزک آصفیہ صفحہ ۱۴۴۔

جو راجا پرتاپ ونت کے تحت تھا دریا کے اسی طرف رہا۔ رگھوناتھ راؤ کو صوبہ دار دکن کی فوج کی نقل و حرکت کی نسبت برابر اطلاعیں پہنچ رہی تھیں۔ اُس نے سکھ رام باپو کو اس کام پر مقرر کیا کہ صوبہ دار دکن کی ملازمت میں جو مرہٹہ سردار رہیں انھیں کسی نہ کسی طرح توڑلے چنانچہ خود جانوجی بھونسلا کو جس کے سبب سے یہ سارا قصہ اٹھا تھا سکھ رام باپو نے ۳۲ لاکھ روپے سالانہ آمدنی کی جاگیر کا لالچ دے کر ملالیا۔ یہ جاگیر انھیں علاقوں میں سے اُس کو دینا قرار پایا جو سرکار نظام کو پیشواؤں کے معاہدے کی رو سے واپس دیے جانے والے تھے سکھ رام باپو نے جانوجی بھونسلا کو نواب میر نظام علی خاں کی طرف سے بدظن کرنے کے لیے یہ بھی باور کرایا کہ صوبہ دار دکن نے جس طرح اُس کو پیشوا مادھو راؤ کی نگرانی کرنے کی دعوت دی ہے اسی طرح راجہ کولھاپور کو بھی دعوت دی گئی ہے۔ غرض کہ جانوجی بھونسلا نے غداری کرکے نواب میر نظام علی خاں کا ساتھ چھوڑ دیا اور اُس وقت جب کہ وہ دریائے گوداوری کو عبور کر چکے تھے رگھوناتھ راؤ سے جا ملا جو وہاں قریب ہی آموجود ہوا تھا[1]۔ راجہ پرتاپ ونت اُس کی غداری سے بڑی کشمکش میں پڑا۔ وہ اس پریشانی ہی میں تھا کہ رگھوناتھ راؤ کی فوج نے اُس کے لشکر پر حملہ کردیا۔ پہلے تو رگھوناتھ راؤ کی فوج کے قدم کچھ اُکھڑنے لگے لیکن بالآخر راجا پرتاپ ونت کے مارے جانے سے صوبہ دار دکن کی فوج منتشر ہو گئی۔ نواب میر نظام علی خاں جو دریا کو عبور کر چکے تھے چاہتے تھے کہ واپس ہوکر رگھوناتھ راؤ کے مقابلے میں اپنی فوج کی مدد کریں لیکن مرہٹوں نے انھیں دریا کو دوبارہ عبور نہ کرنے دیا۔ محمد مراد خاں نے بھی اس موقع پر رگھوناتھ راؤ سے سازباز کرلیا تھا اس لیے کہ اُس میں اور راجا پرتاپ ونت میں جانی دشمنی تھی[2]۔

---

[1] حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۲۸۱۔

[2] توزک آصفیہ صفحہ ۱۴۶۔

نواب میر نظام علی خاں نے اورنگ آباد پہنچ کر مصلحت اس میں دیکھی کہ رگھوناتھ راؤ سے صلح و صفائی ہو جائے اور دونوں طرف جو غلط فہمیاں پیدا ہوگئی تھیں وہ دور ہو جائیں۔ چوں کہ اُس وقت تک معاہدۂ پرگانوں پر عمل شروع نہیں ہوا تھا اس لیے فریقین میں ایک نیا معاہدہ اکتوبر ۱۷۶۳ء میں طے ہوا۔ اس معاہدے کے طے اور مرتب کرنے میں چوں کہ میر موسیٰ خاں نے خاص حصہ لیا تھا اور انھیں کے توسط سے رگھوناتھ راؤ سے گفت و شنید ہوئی تھی اس لیے انھیں نواب میر نظام علی خاں نے مدار المہامی کی اہم خدمت پر فائز اور رکن الدولہ بہادر اعتشام جنگ کے خطاب سے سرفراز کیا۔[۱] اس معاہدے کی رو سے ۱۵ لاکھ روپے سالانہ آمدنی کے علاقے کے بجائے صرف دس لاکھ روپے سالانہ آمدنی کا علاقہ اور چار قلعوں کے بجائے صرف ایک قلعۂ دولت آباد سرکار نظام کو واپس کیا گیا۔ رکن الدولہ نے شیر جنگ کو اپنا دیوان مقرر کیا جو نواب صلابت جنگ کے عہد حکومت میں بھی عہدۂ دیوانی پر مامور رہ چکے تھے اور انتظامی معاملات کا کافی تجربہ رکھتے تھے۔ اب نواب میر نظام علی خاں نے ملکی نظم و نسق کو درست کرنے کی طرف اپنی تمام تر توجہ مرکوز کر دی اور بجائے اورنگ آباد کے حیدرآباد کو اپنا دار السلطنت بنایا جو زیادہ مرکزیت رکھتا تھا اور مرہٹوں کے علاقوں سے مقابلتہً دور واقع تھا۔

۱۷۶۵ء کے شروع میں پیشوا مادھوراؤ اور جانوجی بھونسلا میں سخت نزاع پیدا ہو گئی۔ چنانچہ پیشوا نے نواب میر نظام علی خاں سے معاہدہ کر لیا جس میں یہ طے پایا کہ جانوجی بھونسلا نے جو علاقے سرکار عالی سے غداری کر کے حاصل کیے ہیں اُن میں سے نصف حکومت سرکار عالی کو

[۱] حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۲۸۲۔

دے دیئے جائیں اور باقی نصف پیشوا کے تصرف میں آئیں۔ چنانچہ اس معاہدے کے بعد سرکار نظام اور پیشوا کی متحدہ افواج نے برار پر چڑھائی کردی۔ جانوجی بھونسلا نے تاب مقاومت نہ لاکر صلح کی درخواست کی جس کی رو سے وہ ساڑھے چوبیس لاکھ روپے سالانہ آمدنی کے علاقوں سے دست بردار ہوگیا۔ جنھیں سرکار نظام اور پیشوا نے آدھوں آدھ بانٹ لیا۔ اس ضمن میں رکن الدولہ کے توسط سے پیشوا مادھوراؤ اور نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی میں ملاقات ہوئی اور آئندہ موافقت و دوستی قائم رکھنے کا عہد و پیمان ہوا۔

مرہٹوں کی طرف سے ایک گونہ اطمینان ہو جانے کے بعد نواب میر نظام علی خاں کرناٹک کی طرف متوجہ ہوئے۔ محمد علی والاجاہ نے نواب میر نظام علی خاں کو اب تک زرپیشکش نہیں ادا کیا تھا۔ اس ضمن میں سرکار نظام نے ہرچند توجہ دلائی پر کوئی نتیجہ نہ نکلا چنانچہ ۱۷۶۵ء کے آخر میں نواب میر نظام علی خاں نے کرناٹک پر چڑھائی کردی۔ نواب محمد علی نے انگریزوں کے پاس مدراس میں پناہ لی۔ نواب میر نظام علی خاں نے شیر جنگ کو نواب محمد علی کے پاس استمالت کی غرض سے بھیجا اور موافقت پر آمادہ کرلیا۔ چنانچہ نواب محمد علی گزشتہ کوتاہیوں کے لئے معذرت خواہ ہوا اور زرپیشکش روانہ کردیا۔ انگریزوں کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی کہ کرناٹک کے متعلق سوائے اُن کے کوئی اور دوسری حکومت بھی اپنا کسی قسم کا دعویٰ رکھے۔ چنانچہ گورنر مدراس نے کرنل کیمبل کے تحت ایک برٹش ڈویژن روانہ کی تاکہ اگر نواب میر نظام علی خاں زیادہ آگے بڑھیں تو اُن کا مقابلہ کیا جائے لیکن نواب میر نظام علی خاں کا مقصد تو صرف نواب محمد علی سے زرپیشکش وصول کرنا تھا وہ انگریزوں سے خواہ مخواہ بگاڑ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ زرپیشکش وصول کرنے کے بعد جس سے کرناٹک پر اُن کے قانونی حقوق اقتدار کا استقرار ہوتا تھا وہ حیدرآباد تشریف لے آئے۔ گورنر مدراس نے

اس کے بعد جنرل کیلیڈ کی سرکردگی میں ایک فوج شمالی سرکار کو روانہ کردی جہاں کے بڑے بڑے زمین داروں اور پولی گاروں سے نواب میر نظام علی خاں کے کارپردازوں نے اُن کی تخت نشینی کے موقع پر زرِ پیشکش وصول کیا تھا جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ باوجود اس کے کہ نواب صلابت جنگ نے شمالی سرکاروں کو انگریزوں کے حوالے کردیا تھا لیکن با ایں ہمہ ابھی صوبہ دارِ دکن کو اُن پر حقوقِ سیادت کا دعویٰ تھا۔ اسی اثنا میں کلائیو نے سنہ ۱۷۶۵ء میں شمالی سرکاروں پر کمپنی کے قبضے کی توثیق شاہ عالم بادشاہ دہلی سے حاصل کرلی چنانچہ انگریزی حکومت اب کھلم کھلا یہ بات جتا دینا چاہتی تھی کہ شمالی سرکاروں پر اب سوائے انگریزوں کے کسی اور دوسری قوت کا اقتدار باقی نہیں رہا۔ نواب میر نظام علی خاں کو یہ بات بہت ناگوار گزری کہ انگریزوں نے اس طرح بالا بالا بغیر اُن کے استصواب کے شمالی سرکاروں کے متعلق شاہ عالم سے فرمان حاصل کرلیا۔ چنانچہ اُن کا ارادہ تھا کہ انگریزوں کے خلاف شمالی سرکاروں میں فوج کشی کرکے اپنے عامل وہاں مقرر کردیں لیکن انگریزی حکومت اس موقع پر صوبہ دارِ دکن سے بگاڑ نہیں چاہتی تھی۔ غرضکہ ۱۲ نومبر سنہ ۱۷۶۶ء بمقام حیدرآباد جنرل کیلیڈ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے سرکارِ نظام سے معاہدہ کیا جس کی رو سے یہ طے ہوا کہ پانچ لاکھ روپے سالانہ راجمندری، ایلور اور مصطفیٰ نگر کے متعلق پیشکش اور دو لاکھ روپے سالانہ سکاکول اور مرتضیٰ نگر (گنٹور) کے متعلق پیشکش انگریزی حکومت سرکارِ نظام کو ادا کیا کرے گی لہ یہ اضلاع کمپنی کو بطور جاگیر دئے جائیں گے۔ سرکارِ نظام ان اضلاع کی بابت مالگزاری کے بقایا کا مطالبہ نہیں کرے گی۔ سرکار مرتضیٰ نگر (گنٹور) کے متعلق یہ بھی طے ہوا کہ چوں کہ

لہ Aitchison, Collection of Treaties, Engagements and Sanads relating to India, Vot. V, p. 145

یہ سرکار نواب بسالت جنگ کی جاگیر ہے اس لیے تاحین حیات یہ انہیں کے قبضہ و تصرف میں رہے گی یا جب تک کہ آصف جاہ ثانی نواب میر نظام علی خاں اُن کے طرز عمل سے مطمئن رہیں اور نواب بسالت جنگ ان کے وفادار رہیں۔ نواب بسالت جنگ کے انتقال کے بعد یہ سرکار بھی انگریزی حکومت کے قبضے میں آجائے گی۔ لیکن چوں کہ سرکار گنتور کرناٹک کی سرحد پر واقع ہے جس کی حفاظت کا ذمہ کمپنی نے لیا ہے اس لیے اگر وہاں انتظامی ابتری پیدا ہوئی تو لامحالہ اس کا اثر کرناٹک پر پڑنا لازمی ہے۔ ایسی حالت میں کمپنی مجاز ہوگی کہ سرکار گنتور پر قبضہ و تصرف حاصل کرے تاکہ کرناٹک سیاسی ابتری سے محفوظ رہ سکے۔ اس معاہدے میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ جب کبھی دونوں حکومتوں (سرکار نظام اور انگریزی حکومت) میں سے کسی کو فوجی امداد کی ضرورت لاحق ہو تو دوسرے فریق کا فرض ہوگا کہ وہ امداد کرے۔ یہ بھی طے ہوا کہ انگریزی فوج کا ایک دستہ جو دو بٹالین پر مشتمل ہوگا مع چھ توپوں کے سرکار عالی کی مدد کے لیے ممالک محروسہ میں موجود رہے گا اور مناسب موقع پر سرکار نظام اُس کو استعمال کرنے کی مجاز ہوگی۔ چنانچہ آصف جاہ ثانی نواب میر نظام علی خاں نے قلعہ کنڈاپلی میں انگریزی فوج کو رہنے کی اجازت دی۔ اس کے ساتھ یہ بھی طے ہوا تھا کہ جب سرکار نظام موسم گرما میں اپنی سپاہ کو گھروں کو جانے کے لیے رخصت دیں تو انگریزی فوج کو بھی رخصت منظور کی جائے۔ اس انگریزی فوج کی تنخواہ کی ادائی کی یہ صورت ہوگی کہ شمالی سرکاروں کی بابت جو پیشکش کمپنی کے ذمے واجب الادا ہے اس میں سے اس فوج کی تنخواہ کی رقم منہا کرلی جائے گی اور بقایا سالانہ تین اقساط میں کمپنی حکومت سرکار عالی کو ادا کیا کرے گی۔ کمپنی کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ اگر اس کے مقبوضات میں کہیں نقض امن کی صورت پیدا ہوجائے یا کوئی فوری ضرورت پیش آجائے تو اس فوج کو واپس بلالے لیکن معمولاً ایسا کرنے سے قبل حکومت سرکار عالی کو پہلے سے مطلع کردیا جائے گا۔ اس طرح امدادی فوج کی بنا پڑی جس نے

بعد میں دوسری شکلیں اختیار کیں۔
جس زمانے میں نواب میر نظام علی خاں دکن پر برسر اقتدار ہوئے اُسی زمانے میں جنوبی ہند میں حیدر علی خاں نے میسور کے راجا کو شکست دے کر خود ملک پر قبضہ و تصرف قایم کیا۔ جس سال نواب میر نظام علی خاں مسند نشین ہوئے اُس سال حیدر علی نے نواب بسالت جنگ حاکم ادھونی کو نذرانہ پیش کر کے "نواب حیدر علی خاں" کا خطاب حاصل کر لیا۔ یہ بات نواب میر نظام علی خاں کو ناگوار گزری کہ بغیر اُن کے استصواب کے یہ ساری کارروائی کر لی گئی۔ حیدر علی نے اپنے تئیں صوبہ دار دکن سے آزاد کر لیا اور اُس کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ آس پاس کی سلطنتیں اُس سے خایف رہنے لگیں۔ حیدر علی کی بڑھتی ہوئی قوت کو پیشوا اور سرکار نظام خاص طور پر اپنے لیے مخدوش خیال کرتے تھے چنانچہ جب حیدر علی نے مالابار کے اضلاع فتح کرنے کے بعد شمال میں دریائے کرشنا کے علاقوں کی طرف توجہ کی تو ۱۷۶۶ء میں پیشوا اور سرکار نظام نے اُس کے خلاف اتحاد قایم کر کے فوج کشی کر دی۔ حیدر علی نے مرہٹوں کو روپیہ دے کر راضی کر لیا اور نواب میر نظام علی خاں کو آمادہ کر لیا کہ اگر وہ انگریزوں کے خلاف اُس سے اتحاد کر لیں تو وہ اُنھیں شمالی سرکاروں اور کرناٹک کے اضلاع دلوا دے گا اور انگریزوں کو دکن سے بالکل بے دخل کر دے گا۔ نواب رکن الدولہ مدار المہام سرکار نظام نے اس موقع پر حیدر علی سے یہ بھی طے کر لیا تھا کہ نواب محفوظ علی خاں برادر کلاں نواب محمد علی والا جاہ کی بیٹی سے ٹیپو سلطان کی شادی کر دی جائے اور اس طرح نواب محمد علی کو کرناٹک کی نوابی کے حق سے محروم کر کے ٹیپو سلطان کو وہاں کا جایز حکمران تسلیم کر لیا جائے۔ صوبہ دار دکن حیدر علی کے ساتھ مل کر محمد علی کو معزول کرنے کی سعی و کوشش کریں گے۔ حیدر علی اور نواب میر نظام علی خاں نے اس صلح نامے پر اپنے دستخط ثبت کر دیے۔ چنانچہ سرکار نظام اور حیدر علی کی متحدہ افواج نے کرناٹک پر حملہ کر دیا۔ انگریزوں کی جو فوج ممالک محروسۂ

مستقیم تھی اس کو واپس بلا لیا گیا۔ کرنل اسمتھ نے سرکار نظام اور حیدر علی
کی افواج کا مقابلہ کیا۔ نواب ارسکاٹ نے نواب میر نظام علی خاں کے
مدار المہام رکن الدولہ کے توسط سے انگریزی حکومت اور سرکار نظام میں
صفائی اور موافقت پیدا کرنے کی کوشش کی اور نواب میر نظام علی خاں حیدر آباد
واپس چلے آئے اور انگریزوں سے اتحاد پیدا کر لیا[1] لیکن حیدر علی نے
انگریزوں کے خلاف جنگ جاری رکھی اور بالآخر اس نے اپنی
من مانی شرایط پر انگریزوں سے ۱۷۶۹ء میں معاہدہ مدراس طے کیا
جس کی رو سے فریقین نے فتح کیے ہوئے علاقے واپس کر دئیے اور
مدافعتی جنگوں میں ایک دوسرے کی امداد کا وعدہ کیا۔ حیدر علی نے
اس موقع پر اپنے وکیل سیناجی پنڈت کے ذریعے مدراس کے گورنر
کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ لڑائی محمد علی والا جاہ کی سازش
کا نتیجہ تھا جس سے انگریز قوم کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا۔

نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی نے جب دیکھا کہ
حیدر علی انگریزوں کا حلیف بن گیا ہے اور انگریزوں نے بھی اس کی
قوت کا لوہا مان لیا ہے تو انھیں اس کی طرف سے اندیشہ پیدا ہوا
اس لیے کہ انھیں اس پر مطلق اعتبار نہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے
محمد علی والا جاہ کے توسط سے انگریزوں سے اپنے تعلقات مستحکم
کر لیے۔ چوں کہ انگریزوں نے ۱۷۶۶ء میں شمالی سرکاروں کے متعلق
سرکار نظام سے جو معاہدہ کیا تھا اس کی پابندی جیسی کہ چاہیے
نہیں کی تھی اور مختلف عذرات کی بنا پر پیشکش کی واجب الادا رقم
نہیں دی تھی اس لیے ضرورت اس کی محسوس کی گئی کہ ایک نیا معاہدہ
کیا جائے اور متعلقہ معاملات پر نظر ثانی کی جائے۔ چنانچہ فروری ۱۷۶۸ء
میں بمقام مدراس انگریزوں اور سرکار نظام میں دوامی دوستی اور

---

[1] Fraser, Our Faithful Ally, the Nizam. p. 34

اتحاد کے عنوان سے ایک نیا معاہدہ ہوا جس میں نواب محمد علی والا جاہ بھی شریک تھے[1] اس معاہدے کے بموجب نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی نے سات لاکھ روپے سالانہ پیشکش کے معاوضے میں کرناٹک بالاگھاٹ کی دیوانی کے حقوق ایسٹ انڈیا کمپنی کو دے دیئے اور ۱۷۶۶ء کے معاہدے کی رو سے کمپنی نے شمالی سرکاروں کی بابت بطور پیشکش جو رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا اس میں بھی تخفیف عمل میں آئی اور صراحت کر دی گئی کہ پانچوں سرکاروں پر کمپنی کو حقوق ملکیت حاصل ہوں گے سوائے سرکار گنتور کے جس پر کمپنی کو نواب بسالت جنگ کے حین حیات تصرف و قبضہ کا حق حاصل نہ ہوگا۔ ہاں سرکار گنتور پر کمپنی اس صورت میں قبضہ کرنے کی مجاز ہوگی جب کہ نواب بسالت جنگ کے سیاسی تعلقات کمپنی سے بالکل منقطع ہو چکے ہوں اور اُن کی کسی حکمت عملی کے سبب سے کرناٹک کے امن و امان میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو۔ اگرچہ گزشتہ زمانے میں نواب بسالت جنگ نے جو طرز عمل اختیار کیا ہے اُس کی بنا پر کمپنی سرکار گنتور پر قبضہ کرنے کے متعلق اپنے کو مجاز سمجھتی ہے لیکن وہ صرف اس بنا پر ایسا کرنے سے احتراز کرتی ہے کہ اگر ایسا کیا گیا تو سرکار نظام کو اپنے بھائی کو کوئی دوسری جاگیر دینے کا انتظام کرنا پڑے گا۔ نواب بسالت جنگ کو چاہیئے کہ وہ حیدر علی سے ساز باز چھوڑ دیں۔ نہ اُس کے تحائف وصول کریں اور نہ اُس کا وکیل اپنے یہاں رکھیں اور ادھونی میں سکونت اختیار کریں۔ اگر اس معاہدے کے بعد بھی نواب بسالت جنگ، حیدر علی سے خط و کتابت جاری رکھیں اور کمپنی کے دشمنوں کو اپنے ہاں امان دیں تو کمپنی مجاز ہوگی کہ سرکار گنتور پر قابض ہو جائے جس طرح وہ دوسری سرکاروں پر قابض و متصرف ہے۔ نواب میر نظام علی خاں ازراہ نوازش شمالی سرکاروں کے مختلف

---

[1] Aitchison, Collection of Treaties, Vol. V. P. 133

زمیں داروں اور پولی گاروں کو خطوط لکھ دیں گے جن میں اس امر کی صراحت ہوگی کہ وہ آیندہ کمپنی کے وفادار رہیں اور وقت مقررہ پر کسی مزاحمت کے بغیر لگان ادا کرتے رہیں۔ نواب میر نظام علی خاں ایسٹ انڈیا کمپنی یا نواب محمد علی والاجاہ کے مقبوضہ علاقوں کے ایسے زمیں داروں کو اپنی حفاظت میں نہیں لیں گے اور نہ اُن کی ہمت افزائی کریں گے جن کے سبب سے امن و امان میں خلل پیدا ہو رہا ہو۔ کمپنی شمالی سرکاروں کے ضمن میں آیندہ سے سات لاکھ روپے سالانہ سرکار نظام کو ادا کیا کرے گی۔ اگر شمالی سرکاروں میں سے کسی سرکار پر کوئی دشمن قابض و متصرف ہو جائے یا وہاں جنگ کا سلسلہ جاری ہو جائے تو ایسی صورت میں مقررہ رقم کی ادائی اختتام جنگ کے بعد ہوگی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نواب میر نظام علی خاں اور نواب محمد علی والاجاہ کے دشمن فریقین میں سے ہر ایک کے دشمن متصور ہوں گے۔ اگر تینوں فریق معاہدہ میں سے کسی ایک کے علاقے پر کوئی دشمن حملہ آور ہو تو باقی کو مدد کرنا لازم ہوگا۔ کمپنی اور والاجاہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر سرکار نظام کو ضرورت ہوگی تو دو پلٹنیں اور ۶ توپیں جو یوروپین ماہروں کی نگرانی میں ہوں گی روانہ کی جائیں گی بشرطے کہ سرکار نظام ان کے متعلق اخراجات کو برداشت کرنے پر آمادہ ہوں۔ یہ فوج جب تک کہ سرکار نظام کی خدمت میں رہے گی اُس وقت تک اُس کا قیام قلعۂ کندا پلی میں رہے گا۔ چوں کہ شاہ عالم بادشاہ دہلی نے شاہی فرمان کے ذریعے سے نواب محمد علی والاجاہ اور اُس کے وارثوں کو کرناٹک پائین گھاٹ کی حکومت تفویض کر دی ہے اور نواب میر نظام علی خاں نے بھی پانچ لاکھ روپے سالانہ پیشکش کے عوض بذریعۂ سند کرناٹک پائین گھاٹ کو دکن کی ماتحتی سے آزاد کر دیا ہے اور اس علاقے کے جملہ گزشتہ و حال کے مطالبات کو سوخت کر دیا ہے اس لیے کرناٹک پائین گھاٹ کے علاقے نواب محمد علی والاجاہ اور اُن کے وارثوں کو بطور جاگیر التمغا اپنے قبضہ و تصرف میں

رکھنے کا پورا حق حاصل ہوگیا ہے۔ نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی اس ضمن میں یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ وہ کرناٹک پائین گھاٹ یا شمالی سرکاروں کے کسی زمین دار یا شخص سے خط و کتابت نہیں کریں گے بلکہ اگر انھیں ضرورت ہوگی تو براہ راست کمپنی کی حکومت اور نواب محمد علی والاجاہ سے خط و کتابت کریں گے۔ اور اسی طرح کمپنی اور نواب والاجاہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ وہ سرکار نظام کے ماتحت کسی زمین دار یا شخص سے براہ راست خط و کتابت نہیں کریں گے بلکہ خود سرکار نظام یا اُن کے دیوان سے جملہ خط و کتابت عمل میں آئے گی۔ حیدر علی نے انگریزوں اور نواب والاجاہ کے علاقوں پر حملہ آور ہوکر جو ابتری پھیلائی اس کے باعث ضروری ہے کہ فریقین کے مفاد کی نگہداشت کے لئے اُس کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ اس ضمن میں نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی اعلان کرتے ہیں کہ وہ حیدر علی کو غاصب اور باغی تصور کرتے ہیں اور انھوں نے یا کسی اور صوبہ دار دکن نے اُس کو جو سندیں اور اعزاز و منصب عطا کئے ہیں وہ مسترد و منسوخ متصور ہوں گے اس لئے کہ اُس نے صوبہ دار دکن سے وعدہ خلافی کرکے اپنے تئیں اعزاز و مناصب کا مستحق باقی نہیں رکھا۔ نواب آصف جاہ ثانی کرناٹک بالاگھاٹ کے حقوق دیوانی سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے حق میں دست بردار ہوتے ہیں اور کمپنی کو اس کا مجاز کرتے ہیں کہ وہ اُس کے متعلق شاہ عالم بادشاہ دہلی سے فرمان حاصل کرلے تاکہ اُس کے حقوق کا قانونی استقرار ہو جائے۔ کمپنی نواب آصف جاہ ثانی کے حقوق صوبہ داری کے عوض جو انھیں کرناٹک بالاگھاٹ پر حاصل ہیں سات لاکھ روپیے (ارکاٹ والے) سالانہ دو قسطوں میں چھ چھ مہینے کے فصل سے ادا کیا کرے گی بشرطیکہ نواب آصف جاہ ثانی وعدہ کریں کہ وہ حیدر علی کو قرار واقعی سزا دینے میں کمپنی اور نواب والاجاہ کی امداد کریں گے۔ جس طرح کرناٹک بالاگھاٹ کے متعلق صوبہ دار دکن کو اُس کی مقررہ پیشکش سے

تصرف میں کرنے کا کمپنی کا ارادہ نہیں ہے اسی طرح مرہٹوں کو بھی وہ اُن کے مقررہ چوتھ سے محروم نہیں کرنا چاہتی۔ چنانچہ انھیں سالانہ مقررہ چوتھ ادا کیا جائے گا بشرطیکہ مرہٹے یہ وعدہ کریں کہ وہ اس علاقے میں نقض امن کا باعث نہ ہوں گے اور کمپنی کو بحیثیت دیوان تسلیم کریں گے۔ اس ضمن میں نواب آصف جاہ ثانی وعدہ کرتے ہیں کہ وہ مشترک طور پر کمپنی اور نواب والاجاہ کے ساتھ اس امر کی کوشش کریں گے کہ کرناٹک بالاگھاٹ کی چوتھ کی رقم کے متعلق وہ مرہٹوں سے تصفیہ کرانے میں حتی الامکان مدد کریں گے تاکہ اس سلسلے میں آیندہ کوئی دشواری نہ پیدا ہو جس کے سبب سے تعلقات متاثر ہونے کا اندیشہ ہو۔ اس عہد نامے کے بعد نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی نے شمالی سرکاروں کے دیسکھوں اور زمین داروں کے نام اطلاع نامے روانہ کیے تاکہ آیندہ سے وہ مقررہ وقت پر کمپنی کے کارپردازوں کو مالگزاری ادا کیا کریں۔ اسی طرح کرناٹک بالاگھاٹ اور پائین گھاٹ کے دیسکھوں کو بھی مطلع کیا گیا کہ وہ کمپنی کی اطاعت کریں جس کو دائمی طور پر حقوق دیوانی تفویض کر دیے گئے ہیں۔[1]

اس معاہدے کے بموجب سرکار گنتور پر نواب بسالت جنگ کا قبضہ تا حین حیات تسلیم کیا گیا تھا۔ لیکن اس اثنا میں نواب بسالت جنگ نے اپنے ہاں فرانسیسیوں کو ملازمت میں رکھ لیا تاکہ اپنے علاقے کے سرکش زمینداروں کی سرکوبی کی جائے اور اگر حیدر علی حملہ کرے تو مقابلہ کیا جا سکے۔ لیکن مدراس کی حکومت نے ان کے طرز عمل میں اپنے لیے ایک طرح کا خطرہ محسوس کیا اور نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کو اس جانب متوجہ کیا۔ نواب آصف جاہ ثانی نے

۱؎ Briggs, The Nizam, His history and relations with the British Government Vol.I. p. 243-248 (Appendix)

وعدہ کیا کہ وہ اپنے کسی معتبر شخص کو نواب بسالت جنگ کے پاس بھیج کر معاملات میں یکسوئی پیدا کرا دیں گے۔ انھوں نے گورنر کو یقین دلایا کہ ۱۷۶۸ء کے معاہدے کی پابندی میں اُن کی جانب سے سرِمو انحراف نہیں ہوگا اور وہ حتی المقدور کمپنی کے مفاد کا پورا پورا خیال رکھیں گے۔ لیکن تین سال اسی طرح گزر گئے۔ نواب بسالت جنگ کے یہاں فرانسیسی اثر روز بروز بڑھ رہا تھا۔ چنانچہ مدراس کے گورنر مسٹر رمبالڈ نے کلکتے کی سپریم کونسل سے شکایت کی کہ گنتور میں جو فرانسیسی سپاہ رکھی گئی ہے وہ پانڈی چری کے گورنر کے اشارے پر رکھی گئی ہے جس کے متعلق ہمارے پاس پورا ثبوت موجود ہے[۱]۔ اس زمانے میں چوں کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں میں یورپ میں جنگ چھڑ چکی تھی اس لیے گنتور میں جو کرناٹک کی سرحد پر واقع تھا فرانسیسی سپاہ کے خطرے کو مدراس کے انگریزوں نے اور زیادہ محسوس کیا۔ فرانسیسی اثر نواب بسالت جنگ پر بالآخر اس قدر حاوی ہوگیا کہ وہ خود اُس سے آزاد ہونے کی فکر کرنے لگے۔ چنانچہ حکومت مدراس نے اس موقع کو غنیمت جان کر نواب بسالت جنگ سے براہ راست معاہدے کی نسبت گفت و شنید شروع کر دی۔ غرض کہ جنوری ۱۷۷۹ء میں نواب بسالت جنگ اور کمپنی کے مابین معاہدہ طے ہو گیا جس کی رو سے نواب بسالت جنگ نے فرانسیسی سپاہ کو برطرف کر دیا۔ کمپنی نے وعدہ کیا کہ اُنھیں اپنی حفاظت کے لیے جس قدر سپاہ درکار ہوگی اُس کا انتظام کیا جائے گا لیکن اس کو وہ صرف اپنے علاقے کے اندر استعمال کرنے کے مجاز ہوں گے۔ اگر اُن کے علاقے پر کوئی حملہ آور ہو تو یہ سپاہ اُن کے مُلک کی حفاظت کرے گی۔ اس فوج کا خرچ

[۱] Governor's Minute, Military Consultations, 10th July, 1778, (Fort St. George)

سرکار گنتور کی آمدنی میں سے منہا کیا جائے گا اور انتظام میں سہولت کے مدنظر نواب بسالت جنگ سرکار گنتور کمپنی کو مستاجری پر دے دیں گے۔ کمپنی سرکار مذکور کی مالگزاری وصول کرنے کی ذمہ دار رہے گی۔ فوج کے اخراجات کی پابجائی کے بعد جو رقم بچے گی وہ نواب بسالت جنگ کو دے دی جائے گی۔ اگر نواب کرناٹک کے کسی علاقے پر سرکار گنتور کی طرف سے حملہ کیا جائے گا تو کمپنی مزید فوج جتنی وہ اُس وقت بھیج سکتی ہے بھیجے گی جس کا خرچہ نواب کرناٹک کے ذمے رہے گا۔ کنڈاویر کا قلعہ اور گاؤں براہ راست نواب بسالت جنگ کے ملازمین کے تحت رہیں گے۔ کرنل ہارپر کے تحت انگریزی سپاہ نواب بسالت جنگ کے پاس ادھونی روانہ کردی گئی لیکن وہ جس راستے سے جانا چاہتی تھی اُس پر حیدر علی کا قبضہ و تصرف تھا۔ چنانچہ انگریزی سپاہ کو راستہ بدل کر نواب بسالت جنگ کے پاس جانا پڑا اس لیے کہ حیدر علی کے افسروں نے اُس کو اُدھر سے گزرنے کی اجازت نہیں دی۔

نواب بسالت جنگ نے بالا بالا کمپنی سے جو معاہدہ کرلیا وہ نواب میر نظام علی خاں کو ناگوار گزرا۔ چنانچہ نواب بسالت جنگ نے جن فرانسیسی سپاہیوں کو اپنی خدمت سے برطرف کیا تھا انھیں انھوں نے اپنی ملازمت میں لے لیا۔ نواب میر نظام علی خاں کا یہ کہنا تھا کہ نواب بسالت جنگ جو میری رعایا ہیں اُن سے کمپنی براہ راست سیاسی تعلقات قایم کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ سنہ ۱۷۶۸ء کے عہدنامے کے بموجب وہ اُن کی ریاست میں سوائے اُن کے اور دیوان کے کسی سے خط و کتابت بھی نہیں کرسکتی۔ چنانچہ ان غلط فہمیوں کو رفع کرنے کے لیے جو کمپنی اور سرکار نظام کے درمیان پیدا ہوگئی تھیں حکومت مدراس نے مسٹر ہالینڈ کو حیدرآباد روانہ کیا۔ مسٹر ہالینڈ کا حیدرآباد میں پہنچنا ک

لہ Briggs, The Nizam. Vol. I, p. 248

استقبال کیا گیا۔ جب مسٹر ہالینڈ نے کمپنی اور نواب بسالت جنگ کے مابین جو معاہدہ ہوا تھا اُس کا ذکر کیا تو نواب میر نظام علی خاں نے صاف طور پر اپنی ناراضی کا اظہار کیا اور کہا کہ کمپنی نے ۱۷۶۸ء کے معاہدے کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی ہے۔ مسٹر ہالینڈ نے کمپنی کی وکالت کرتے ہوئے کہا کہ چوں کہ کرناٹک پر حیدر علی کے حملے کا خطرہ تھا اس لیے اتنی فرصت نہ تھی کہ صوبہ دار دکن سے اس ضمن میں استصواب کیا جاتا۔ جب نواب میر نظام علی خاں سے فرانسیسی سپاہ کی نسبت دریافت کیا گیا جسے اُنھوں نے اپنی ملازمت میں لے لیا تھا تو اُنھوں نے یہ جواب دیا کہ اگر وہ اپنی ملازمت میں اُنھیں نہ رکھتے تو وہ سب حیدر علی کے پاس چلی جاتی جو اُس کی تاک میں بیٹھا تھا یا عرصے سے ہاتھوں ہاتھ لے لیتے۔ مسٹر ہالینڈ نے حکومت مدراس کی یہ درخواست بھی نواب میر نظام علی خاں کی خدمت میں پیش کی کہ شمالی سرکاروں کی پیشکش پانچ لاکھ روپے سالانہ جو ۱۷۶۸ء کے معاہدے کی رو سے طے ہوئی تھی اور جس کا دو سال کا بقایا نکلتا تھا اُس کو معاف کر دیا جائے اس لیے کہ کمپنی کی مالی حالت آج کل اچھی نہیں ہے۔ اس پر نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی بہت برافروختہ ہوئے۔ انھیں یہ بات اور بھی زیادہ ناگوار تھی کہ کمپنی نے نواب بسالت جنگ سے سرکار گنتور حاصل کرنے کے بعد اُسے دس سال کے لیے پٹے پر نواب محمد علی والا جاہ کے سپرد کر دیا تھا۔ نواب میر نظام علی خاں کو اس کی بھی اطلاعیں مل رہی تھیں کہ پہلی جنگ مرہٹہ کے سلسلے میں کلکتے کی انگریزی حکومت نے ناگ پور کے بھونسلا راجا سے معاہدے کی جو کوشش کی تھی اُس میں برار کے بعض علاقے اُس کو دلوانے کا بھی ذکر آیا تھا۔ ان حالات میں نواب میر نظام علی خاں کا کمپنی کی حکومت کی طرف سے بدظن ہو جانا بالکل حق بجانب تھا۔ ادھر انگریزوں میں سرکار نظام کی طرف سے بدظنی اس لیے بڑھ رہی تھی کہ اُنھوں نے نواب بسالت جنگ کی برطرف کی ہوئی فرانسیسی فوج کو اپنے ہاں ملازمت میں رکھ لیا تھا۔

جب کلکتے کی انگریزی حکومت کو معلوم ہوا کہ نواب میر نظام علی خاں انگریزوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں اور انھوں نے نانا فرنویس اور حیدر علی سے اس ضمن میں تعلقات قایم کرنے کی کوشش شروع کردی ہے تو اس کی آنکھیں کھلیں۔ وارن ہیسٹنگز نے خیال کیا کہ اگر سرکار نظام مرہٹوں سے مل گئے تو بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوجائیں گی۔ چنانچہ اس نے اُن کی تالیف قلب شروع کی مسٹر ہالینڈ کو جسے حکومت مدراس نے گفت وشنید کرنے کے لیے کچھ عرصے قبل حیدرآباد بھیجا تھا اور جسے نواب میر نظام علی خاں نے گفت وشنید ختم ہونے پر مدراس واپس کردیا تھا پھر دوبارہ حیدرآباد کو بھیجا گیا۔ اس دفعہ وہ کلکتے کی سپریم کونسل کے نمایندے کی حیثیت سے ریزیڈنٹ بن کر آیا تاکہ حیدرآباد میں مستقل طور پر رہے اور اگر کبھی سرکار نظام اور کمپنی کے درمیان غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہو تو اس کو رفع کرنے کی کوشش کرے نیز انگریزی حکومت کو حیدرآباد کے حالات سے مطلع کرتا رہے۔ کلکتے کی سپریم کونسل نے وارن ہیسٹنگز کی سرکردگی میں حکومت مدراس سے جواب طلب کیا کہ شمالی سرکاروں کی پیشکش ادا کرنے میں لیت ولعل کیوں برتا گیا اور نواب بسالت جنگ سے بغیر صوبہ دار دکن کے استصواب کے بالا بالا کیوں معاہدہ کرلیا گیا[1]

اکتوبر ۱۷۷۹ء میں یہ سارا مقدمہ سپریم کونسل کے سامنے تفصیلی طور پر پیش کیا گیا۔ مسٹر ہالینڈ سے تمام متعلقہ کاغذات کلکتے طلب کرلیے گئے اور بہت کچھ چھان بین کے بعد گورنر جنرل اور اس کی کونسل اس نتیجے پر پہنچی کہ حکومت مدراس نے نواب میر نظام علی خاں کے مشورے کے بغیر نواب بسالت جنگ سے معاہدہ کیا اور سرکاروں کی پیشکش کی ادائی میں جو تاخیر روا رکھی گئی ہے وہ خلاف ضابطہ ہے اور ۱۷۶۸ء کے

[1] Briggs, The Nizam, I. p. 189-191

معاہدے کے صریحاً خلاف ہے جس کی بدولت کمپنی اور سرکار نظام میں دوستی اور اتحاد قایم ہوا تھا۔ چنانچہ سپریم گورنمنٹ نے سرکار نظام کو لکھا کہ ہم دونوں حکومتوں کے مابین اتحاد برقرار رکھنے کے متمنی ہیں اور ہم نہیں چاہتے کہ کسی طرح بھی کمپنی اور سرکار نظام کی حکومت کے تعلقات میں خلل واقع ہو[1] اس کے ساتھ حکومت مدراس کو بھی تنبیہ کی گئی کہ وہ آیندہ سے احتیاط کرے اور آیندہ کوئی ایسی کارروائی نہ کرے جس سے کمپنی کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ سپریم گورنمنٹ کی اس رائے کو حکومت مدراس نے اپنی توہین خیال کیا اور سپریم گورنمنٹ کے اس اختیار کو معرض بحث میں لایا گیا کہ وہ کسی پریسی ڈنسی کے معاملات میں اس طرح مداخلت کرے۔ اگرچہ اس تنقیح سے یہ بات غیر متعلق تھی لیکن حکومت مدراس نے اپنے مراسلے میں سپریم گورنمنٹ کی اُن غلطیوں کا بھی ذکر کر دیا جو جنگ مرہٹہ کے سلسلے میں اس سے کی تھیں اور برابر کیئے جا رہی تھی۔ حکومت مدراس نے یہ دعویٰ بھی پیش کیا کہ سپریم گورنمنٹ کو دوسری پریسی ڈنسیوں کے معاملات میں اس طرح مداخلت کا اختیار نہیں ہے جس طرح کہ وہ کر رہی ہے۔ قانون تنظیم (ریگولیٹنگ ایکٹ) کی رو سے پریسی ڈنسی کی حکومت کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنی صوابدید پر دیسی والیان ملک سے معاہدہ کر لے اگر وہ خیال کرے کہ فوراً ایسا نہ کیا گیا تو کمپنی کے مفاد کو سخت نقصان پہنچ جائے گا۔ چنانچہ حکومت مدراس نے اس ضمن میں اپنی کارروائی کو اس لیئے حق بجانب ٹھیرایا کہ اگر نواب بسالت جنگ کے ساتھ فوراً معاہدہ نہ کر لیا جاتا تو حیدر علی کرناٹک پر حملہ آور ہو جاتا اور یہ کمپنی کے لیئے سخت دشواریوں کا باعث ہوتا۔ غرضکہ سپریم گورنمنٹ اور حکومت مدراس کے درمیان اختیارات کی بحث نے بڑی طوالت اختیار کی۔ بالآخر سارا قضیہ مجلس نظما کے سامنے پیش کیا گیا جس نے فیصلہ کیا کہ قانون تنظیم کی رو سے

[1] Military Despatch from Madras to the Company, 3rd April 1780

کلکتے کی سپریم گورنمنٹ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ پریسی ڈنسیوں کے اُن معاملات میں مداخلت کرے جن کا تعلق کمپنی کے عام اور بنیادی مصالح سے ہو۔[1]

وارن ہیسٹنگز نے جو جنگ مرہٹہ کے باعث سخت پریشان تھا اور نواب میر نظام علی خاں کو کسی نہ کسی طرح رضامند کرنا چاہتا تھا سپریم کونسل سے یہ منظور کرادیا کہ گنٹور سرکار نظام کو واپس کردیا جائے اور اُس کے متعلق حکومت مدراس نے نواب محمد علی والاجاہ سے جو دس سال کا پٹہ کرلیا ہے اُس کو منسوخ تصور کیا جائے۔ گورنر مدراس سر ولیم رمبالڈ اور اُس کی کونسل کے دو ارکان جان ہل اور پیٹر پیرنگ کو کمپنی کی خدمت سے سبکدوش کردیا گیا اور باقی دو ارکان مسٹر اسمتھ اور مسٹر جانسن کو کونسل کی رکنیت سے علیحدہ کردیا گیا۔[2] مجلس نظما کے فیصلے سے نواب میر نظام علی خاں کو اطمینان ہوا اور اُن کی حکمت عملی میں انگریزوں کی موافقت میں تبدیلی پیدا ہوگئی۔ چوں کہ آیندہ بھی کمپنی اور سرکار نظام میں اسی قسم کی غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کے امکانات تھے اس واسطے کلکتے کی سپریم گورنمنٹ نے حکومت مدراس سے مسٹر ہالینڈ کی خدمات حاصل کرکے انھیں اپنی جانب سے حیدرآباد میں ریزیڈنٹ مقرر کردیا تاکہ وہ مرکزی حکومت اور سرکار نظام کے درمیان واسطے کا کام کریں۔ مسٹر ہالینڈ سرکار نظام کے دربار میں پہلے انگریز ریزیڈنٹ مقرر ہوئے۔ چوں کہ سر ٹامس رمبالڈ گورنر مدراس نے مجلس نظما اور کلکتے کی سپریم گورنمنٹ کے احکام کی تعمیل میں چون وچرا سے کام لیا اس لیے وارن ہیسٹنگز نے فوراً سر جارج آر کوٹ کو مع ایک فوجی دستے کے

[1] Freser, Our Faithful Ally, The Nizam, p. 36

[2] Mill, History of British India, II, p. 471;

Briggs, The Nizam, Vol. I. p. 190

کلکتے سے مدراس بھیجا تاکہ سرٹامس رمبالڈ کو زبردستی اُن کی خدمت سے علیٰحدہ کرادے۔ لیکن قوت کے استعمال کی نوبت آنے سے قبل ہی سرٹامس رمبالڈ اپنی خدمت سے الگ ہوگئے۔ اس وقت سے سرکار نظام کے معاملات میں حکومت مدراس کی مداخلت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا اور اُس کے تعلقات براہ راست حکومت ہند سے قایم ہوگئے۔ اب تک حیدرآباد کا ایک سفیر بھی کلکتے میں رہتا تھا لیکن آیندہ کلکتے کی مرکزی حکومت نے دربار حیدرآباد میں اپنی نمایندگی کے لیے جو ریزیڈنٹ بھیجا وہ براہ راست سرکار نظام اور حکومت کمپنی کے درمیان واسطے کا کام دینے لگا۔ اگر وارن ہیسٹنگز جیسا دانشمند شخص اس وقت سپریم گورنمنٹ کا گورنر نہ ہوتا تو یقیناً سرکار نظام پہلی جنگ مرہٹہ میں مرہٹوں کے ساتھ ہوجاتی اور انگریزی حکومت کی دشواریوں میں اضافہ ہوجاتا۔

گنٹور کی سرکار کا معاہدہ اُس وقت تو طے ہوگیا لیکن بعد میں اس ضمن میں مزید پیچیدگیاں پیدا ہوگئیں۔ ۱۷۸۲ء میں نواب بسالت جنگ کا انتقال ہوگیا۔ ۱۷۶۸ء کے معاہدے کی رو سے ان کے انتقال کے بعد سرکار گنٹور کمپنی کو مل جانی چاہیے تھی لیکن نواب میر نظام علی خاں نے اس وجہ سے ایسا کرنے سے انکار کیا کہ سابقہ عہد ناموں کے بموجب شمالی سرکاروں کی جو پیشکش کمپنی پر واجب الادا تھی اُس کا بقایا برابر چلا آرہا تھا۔ اگرچہ اب صوبہ دار دکن کا تعلق براہ راست کلکتے سے ہوگیا تھا لیکن پیشکش کی رقم کی ادائی اب تک حکومت مدراس کے ذمے تھی۔ حکومت مدراس نے بار بار یہ وعدہ کیا کہ پیشکش کی رقم مع بقایا کے باقاعدہ ادا ہوگی لیکن اس وعدے کی پابندی نہیں کی گئی جس کے باعث حکومت نظام کو شکایت کا بجا موقع تھا۔ اس اثنا میں حیدر علی کے انتقال پر اُس کا بیٹا ٹیپو سلطان ۱۷۸۲ء میں میسور کے تخت و تاج کا مالک بنا۔ وہ

اپنے باپ سے بھی زیادہ انگریزوں کا مخالف اور حوصلہ مند تھا اور جنوبی ہند میں اپنے اقتدار کا سکہ بٹھانا چاہتا تھا۔ چنانچہ لارڈ کارنوالس نے جو وارن ہیسٹنگز کی جگہ ۱۷۸۶ء میں گورنر جنرل ہوا سرکار نظام کے موافقت و اتحاد کو برقرار رکھنے کی کوشش کی اس لئے کہ وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ ٹیپو سلطان اور صوبہ دار دکن میں انگریزوں کے خلاف اتحاد ہو جائے جس کی وجہ سے کرناٹک میں انگریزوں کی حیثیت بری طرح متاثر ہو جاتی۔ چنانچہ کارنوالس اُس وقت کا انتظار کرنے لگا جب کہ وہ بغیر کمپنی کے مفاد کو نقصان پہنچائے ہوئے سرکار نظام سے گنتور کا مطالبہ کرے۔[1] اُس زمانے میں مسٹر گرانٹ حیدرآباد میں ریزیڈنٹ تھا۔ وہ سرکار نظام کی اہمیت سے جو انھیں جنوبی ہند کی سیاست میں حاصل تھی، اچھی طرح واقف تھا۔ اُس نے بھی کلکتے کی سپریم کونسل کو لکھا کہ گنتور کے مسئلے پر صوبہ دار دکن سے بگاڑ کرنا دانشمندی کے خلاف ہے کیوں کہ اس سے ہمیں فایدہ کم اور نقصان زیادہ ہوگا۔ لیکن جب مسٹر گرانٹ نے محسوس کیا کہ اُس کی رائے کی اُتنی قدر نہیں کی جاتی جتنی ہونی چاہیئے تو وہ اپنی خدمت سے مستعفی ہو گیا۔ اُس کا جانشین مسٹر جانسن ہوا جسے کارنوالس نے ہدایات دی تھیں کہ وہ گنتور کے معاملے کو سرکار نظام سے طے کرنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ نواب میر نظام علی خاں اور مسٹر جانسن میں جو ملاقاتیں ہوئیں اور جو خط و کتابت کی گئی اُس میں نواب میر نظام علی خاں نے یہ تجویز پیش کی کہ کمپنی سرکار گنتور کو حکومت حیدرآباد کو واپس کر دے جس کے معاوضے میں سرکار نظام کمپنی کو ایک کروڑ روپیہ نقد ادا کرے گی اور جو پیشکش واجب الادا ہے

---

[1] Earl Cornwallis to the Court of Directors, Nov. 3, 1788 (Selections of from the State papers of the Governors- General of India, ed. by G. W. Forrest, Lord Cornwallis, Vol II, p. 177)

اس سے دست بردار ہو جائے گی۔ شمالی سرکاروں کی حکومت حیدرآباد کو اس لئے ضرورت ہے کہ بغیر اُن کے سمندر تک ریاست کا علاقہ نہیں پہنچ سکتا تھا لیکن کمپنی کے لئے شمالی سرکاروں کا محل وقوع اس لیے اہمیت رکھتا تھا کہ ان کی بدولت بنگال اور مدراس کے احاطے ایک دوسرے سے قریب ہو جاتے تھے سرکار نظام نے مسٹر جانسن سے یہ بھی خواہش کی کہ کمپنی کرناٹک کے حقوق سے دست بردار ہو جائے اور سرکار نظام کو حسب سابق وہاں قدیم حقوق حاصل ہو جائیں مسٹر جانسن نے اپنی دانست میں سرکار نظام کے ان مطالبات کو حق بجانب اور معقول تصور کیا اور ان کے متعلق سپریم گورنمنٹ کو سفارش لکھی جس نے اس سارے معاملے کو ولایت میں مجلس نظما کے سامنے پیش کردیا۔ مجلس نظما نے مسٹر جانسن کی سخت ملامت کی کہ اس نے سرکار نظام کے ان مطالبات کو قابل اعتنا تصور کیا اور اس کو ریزیڈنٹ کے عہدے سے ۱۷۸۵ء میں برطرف کر دیا۔ اب کچھ عرصے کے لیے گنتور کے متعلق جو گفت و شنید ہو رہی تھی وہ ختم ہوگئی اور کمپنی اور سرکار نظام کے تعلقات میں ایک طرح کی کشیدگی پیدا ہوگئی۔ ابتدا میں لارڈ کارنوالس اس تمام معاملے کو ٹال رہا تھا اس نے سوچا کہ ٹیپو سلطان اور سرکار نظام میں جو عدم موافقت ہے اس کے سبب سے ان دونوں سلطنتوں کے تعلقات میں عنقریب یکسوئی اور صفائی کی کوئی توقع نہیں ٹیپو سلطان اور مرہٹوں کے تعلقات بھی کشیدہ تھے چنانچہ ۱۷۸۶ء میں سرکار نظام اور مرہٹوں نے متحدہ طور پر ٹیپو سلطان کے خلاف چڑھائی بھی کی تھی جب کارنوالس نے دیکھا کہ جنوبی ہند کی سیاست میں جو صورت حالات پیدا ہوئی ہے وہ انگریزوں کے موافق ہے اور اب اس کا امکان نہیں کہ ٹیپو سلطان سرکار نظام کی کوئی مدد کرے تو اس نے ۱۷۸۸ء میں کپتان کناوے کو ریزیڈنٹ بنا کر حیدرآباد روانہ کیا اور اُس کو ہدایت کی کہ وہ سرکار گنتور کے متعلق معاملہ طے کرے اور جو

پیشکش سرکار نظام کو ہماری طرف سے واجب الادا ہے اُس کی جانچ کرے۔ چنانچہ کناوے نے حیدرآباد پہنچ کر گنتور کا مطالبہ صاف طور پر سرکار نظام کے سامنے پیش کر دیا اور نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کو مطلع کر دیا کہ دو ہفتے کے اندر انگریزی فوج گنتور میں داخل ہو جائے گی۔ اس عرصے میں جو کچھ طے کرنا ہے کر لیا جائے۔ یہ ہدایات بھی اُس کو کارنوالس نے دی تھیں تاکہ گفت و شنید میں طوالت نہ پیدا ہو[1] اس تصفیے کی اطلاع پیشوا، سندھیا اور بھونسلا کو بھی کر دی گئی۔ کارنوالس کو پورے طور پر یقین تھا کہ ٹیپو سلطان یا مرہٹوں کی امداد کے بغیر نواب میر نظام علی خاں کمپنی سے نبرد آزما نہ ہوں گے۔ پھر نواب میر نظام علی خاں نے یہ بھی سوچا کہ اگرچہ مرہٹوں نے ٹیپو سلطان کے خلاف اُن سے اتحاد کیا تھا لیکن اس اتحاد کی عارضی نوعیت ہے جب انھیں موقع ملے گا وہ اُن کی ریاست پر حملہ آور ہو جائیں گے ٹیپو سلطان پر بھی اُنھیں اعتبار نہ تھا۔ ان حالات میں اُنھوں نے اپنی ریاست کا مفاد اسی میں دیکھا کہ انگریزوں کے ساتھ مصالحت کر لی جائے اور سرکار گنتور کے مسئلے پر جو مقابلتاً حقیر اور بے حقیقت تھا اپنی ریاست کے مستقبل کو قربان نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ اُنھوں نے سیف جنگ کو جو گنتور میں اُن کا حاکم تھا۔ ۱۸ ستمبر ۱۷۸۸ء کو ہدایات بھیج دیں کہ سرکار گنتور انگریزی حکومت کے ملازموں کے سپرد کر کے فوراً حیدرآباد چلے آؤ۔ شمالی سرکاروں کے متعلق جو پیشکش واجب الادا تھی اُس کے تصفیے کے لیے میر عالم کو کلکتے روانہ کر دیا گیا تاکہ وہ تمام معاملات لارڈ کارنوالس سے بالمشافہ طے کرے۔ میر عالم پانچ مرتبہ

[1] Earl Cornwallis to the court of Directors, Nov. 3, 1788 (Selections from the State papers of the Governors-General of India, ed. by G. W. Forrest, Lord Cornwallis, Vol. II, P. 178)

[2] گلزار آصفیہ صفحہ ۸۱۔

کارنوالس سے ملنے گیا اور کارنوالس بھی پانچ مرتبہ میر عالم سے ملنے کے لیے اُس کے پاس آیا۔ کمپنی اور سرکار نظام میں شمالی سرکاروں کی پیشکش کا معاملہ طے ہو گیا جس کی تفصیل مندرجۂ ذیل ہے[1]

سرکار نظام کا مطالبہ بابت پیشکش	۶۷،۴۹،۳۴۳
کمپنی کا مطالبہ بابت مالگزاری گنتور بسالت جنگ کے انتقال کے بعد سے ۲۵ ستمبر ۱۷۸۸ء تک جب کہ وہ کمپنی کے حوالے ہوئی۔	۵۸،۳۲،۶۶۷-۵-
سرکار نظام کو واجب الادا	۹،۱۶،۶۶۵-۱۱-

غرض کہ اس رقم کی ادائی کمپنی نے کردی اور گنتور کے معاملے کا تصفیہ ہو گیا۔ کپتان کناوے کی خدمات کو لارڈ کارنوالس اور نواب آصف جاہ ثانی دونوں نے بنظر استحسان دیکھا۔ اُس کو دربار حیدرآباد سے دلاور جنگ کا خطاب بھی عطا ہوا۔ میر عالم نے سرکار نظام کی جانب سے گورنر جنرل سے یہ بھی درخواست کی تھی کہ دونوں حکومتوں میں جدید معاہدہ اور ۱۷۶۸ء کے معاہدے پر نظر ثانی ہونا کہ جو انگریزی فوج ممالک محروسہ میں سرکار نظام کے خرچ پر رہے اُس کو سرکار نظام اپنے حسب منشا استعمال کر سکیں۔ لیکن لارڈ کارنوالس کوئی نیا معاہدہ کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ اُس نے ۱۷۶۸ء کے معاہدے کی ترمیم اور سرکار عالی کو رضامند کرنے کے لیے ایک خط لکھا جس میں حکومت حیدرآباد کے بنیادی مطالبات کو تسلیم کر لیا گیا۔ اس خط کی پارلیمنٹ میں بھی توثیق کردی گئی کہ وہ بمنزلۂ معاہدے کے تصور کیا جائے گا۔ ۱۷۶۸ء کے معاہدے میں یہ دفعہ تھی کہ انگریزی فوج کی دو پلٹنیں اور چھ توپیں یوروپین ماہرین کے زیر انصرام ممالک محروسۂ سرکار عالی میں موجود رہیں گی۔ اس دفعہ کے ساتھ یہ الفاظ بھی موجود تھے کہ "جب کبھی کمپنی کے معاملات و ضروریات کے مدنظر ایسا کرنا ممکن ہوگا۔ لارڈ کارنوالس نے

---

۱ - Fraser, Our faithful Ally the Nizam p. 37

اپنے خط میں اس دفعہ کی اس طرح صراحت کردی کہ جب کبھی سرکار نظام ضرورت محسوس فرمائے دو پلٹنوں کو جن میں سے ہر ایک آٹھ سو سپاہیوں پرمشتمل ہوگی اور جن کے افسر یورپین ہوں گے اور چھ توپوں کو طلب کرسکتی ہے بشرطیکہ انھیں کمپنی کے حلیفوں کے خلاف نہیں استعمال کیا جائے کہ جن میں نواب اودھ، نواب ارکاٹ، راجا ٹراونکور اور راجا تنجور کا ذکر کیا گیا تھا۔ ان پلٹنوں کا خرچہ سرکار نظام کے ذمے رہے گا۔ ۱۷۶۸ء کے معاہدے میں اس کا بھی ذکر تھا کہ حیدر علی سے کمپنی اُن اضلاع کو حاصل کرلے گی جن پر اُس نے کرناٹک بالا گھاٹ کے علاقے میں قبضہ کرلیا تھا اور اُن کے متعلق کمپنی سرکار نظام کو ۷ لاکھ روپے سالانہ پیشکش ادا کیا کرے گی۔ میر عالم نے لارڈ کارنوالس کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ معاہدے کی اس دفعہ پر اب تک عمل نہیں کیا گیا۔ اس پر لارڈ کارنوالس نے یہ جواب دیا کہ ۱۷۶۸ء کے حالات اور تھے اور اب سیاسی حالات اور ہیں۔ اب اس وقت چوں کہ کمپنی اور دربار میسور کے درمیان صلح ہے اس واسطے اس ضمن میں کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر آئندہ کبھی ان اضلاع پر کمپنی کا قبضہ و تصرف ہو گیا تو ۱۷۶۸ء کے صلح نامے کی اس دفعہ پر کمپنی عمل کرے گی۔ یہ بات اس ضمن میں قابل لحاظ ہے کہ اگرچہ اس زمانے میں کمپنی اور ٹیپو سلطان میں مصالحت ہو چکی تھی لیکن کارنوالس نے اپنے خط میں دیدہ و دانستہ کمپنی کے حلیفوں میں اُس کا نام نہیں رکھا اس واسطے کہ اُس کو ٹیپو سلطان پر مطلق اعتماد نہیں تھا اور وہ جانتا تھا کہ عنقریب کمپنی کو اُس کے خلاف فیصلہ کن جنگ کی تیاری کرنی پڑے گی۔ جب ٹیپو سلطان کو اس کی اطلاع ہوئی تو اُس نے نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کو انگریزوں سے منحرف

سلہ Selections from the State papers of the Governors-General of-India. Vol. II, p. 12.

کرنے اور سیاسی اتحاد قایم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن چوں کہ اُس نے اس سیاسی اتحاد کے ساتھ اپنے اور آصف جاہی خاندان میں شادی کا رشتہ قایم کرنے کی بھی تجویز پیش کی تھی جسے دربار حیدرآباد نے ناپسند کیا اس لئے کہ حیدر نائک کے خاندان کا رتبہ باوجود حکومت و اقتدار ایسا نہ تھا کہ خانوادۂ آصف جاہی سے رشتۂ ازدواج کی وہ خواہش کر سکتا۔ غرض کہ دربار حیدرآباد اور دربار میسور میں موافقت کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی اور دونوں میں روز بروز کشیدگی بڑھتی گئی۔

اس اثنا میں ٹیپو سلطان نے اپنا سفیر شاہ فرانس لوئی ۱۶ کے پاس پیرس روانہ کیا اور ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف امداد کا طالب ہوا۔ اُس نے گورنر پانڈی چری سے بھی خط و کتابت شروع کر دی تھی تاکہ انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جب جنگ چھڑ جائے تو وہ فوراً کرناٹک پر حملہ کر دے جس طرح اُس کے باپ حیدر علی نے کیا تھا۔ جب ٹیپو سلطان کو معلوم ہوا کہ ڈچ لوگوں نے دو قلعے راجہ ٹراونکور کو فروخت کر دیئے ہیں جو اصل میں کوچین کی ریاست کے تھے تو ٹیپو سلطان نے راجا ٹراونکور کو لکھا کہ راجا کوچین اُس کا باج گزار ہے اس لئے ڈچ نے جو معاملہ اُس کے ساتھ کیا ہے وہ کسی طرح بغیر اُس کے استصواب کے درست نہیں ہے۔ اس مطالبے کے ساتھ اس نے ۱۷۸۹ء میں ٹراونکور پر حملہ کر دیا۔ اُس وقت چوں کہ فرانسیسی ٹیپو سلطان کی براہ راست مدد نہیں کر سکتے تھے اور مرہٹے اور سرکار نظام انگریزوں کے موافق ہو چکے تھے اس لئے ٹیپو سے لڑنے کے لئے یہ بہترین موقع تھا۔ جس سے سکار نوالس پورا فایدہ اُٹھانا چاہتا تھا۔[1]

---

[1] Selections from the State papers of the Governors-General of India. Vol. 21. P. 14

جب کارنوالس کو ٹیپو سلطان کے ٹراونکور پر حملہ کرنے کی اطلاع ملی تو اُس نے گورنر مدراس کو حکم دے دیا کہ وہ راجا ٹراونکور کی مدد پر فوج لے جائے۔ لیکن اُس زمانے میں حکومت مدراس نااہل ہاتھوں میں تھی۔ چنانچہ کارنوالس نے گورنر مدراس کو برطرف کر دیا اور جنرل میڈوز کو بمبئی سے مدراس جانے اور گورنر کے عہدے اور کمانڈر انچیف کے عہدے کا جایزہ لینے کو لکھا۔ میڈوز نے ڈنڈی گل اور کوئمبتور پر قبضہ کر لیا۔ کارنوالس نے سرکار نظام اور مرہٹوں سے جولائی ۱۷۶۹ء میں اتحاد ثلاثہ کر لیا جس کی رو سے یہ طے ہوا کہ تینوں مل کر ٹیپو سلطان پر حملہ آور ہوں اور اُس کے جن علاقوں پر اُن کا قبضہ ہو جائے اُنھیں جنگ کے بعد آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیا جائے۔[1] شروع میں کئی جگہ انگریزی فوجوں کو ٹیپو سلطان کے مقابلے میں ہزیمت اُٹھانی پڑی۔ چنانچہ کارنوالس نے ریزیڈنٹ مقیم حیدرآباد کو لکھا کہ ان شکستوں کا ذکر حضور نظام سے بڑے محتاط لہجے میں کیا جائے تاکہ اُنھیں انگریزوں کے ہیٹے ہونے کا احساس نہ ہو۔ اُنھیں یہ بھی باور کرایا جائے کہ اب تک جو کچھ ہوا وہ اس وجہ سے ہوا کہ سرکار نظام کو جتنی مدد دینی چاہئیے تھی اتنی مدد نہیں دی گئی۔ اگر سرکار نظام کی فوجیں پہلے کے مقابلے میں زیادہ سعی و اہتمام کریں گی تو شکست کامیابی سے مبدل ہو سکتی ہے۔ اس پر حضور نظام نے کہا کہ اگر وہ اپنی سب فوج میسور بھیج دیں تو اندیشہ ہے کہ کہیں مرہٹے اُن کے ملک پر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ اگرچہ مرہٹے اتحاد ثلاثہ میں شریک تھے لیکن حضور نظام کو اُن پر مطلق اعتماد نہیں تھا۔ چنانچہ یہ خواہش ظاہر کی گئی کہ کمپنی اور سرکار نظام میں جو اتحاد ہوا تھا اس میں یہ شرط بڑھا دی جائے کہ اگر آئندہ مرہٹے سلطنت آصفیہ کے کسی حصے پر حملہ آور ہوں تو انگریز اُن کا مقابلہ کریں گے۔ لیکن لارڈ کارنوالس اس شرط کو منظور کرنے پر آمادہ

[1] گلزار آصفیہ صفحہ ۸۲۔

نہیں تھا اس واسطے کہ وہ جانتا تھا کہ مرہٹوں کی ناراضگی سے اس وقت انگریزوں کے لیئے پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔

جنگ میسور کا سلسلہ ۱۷۹۲ء تک جاری رہا۔ کارنوالس نے کمان خود اپنے ہاتھ میں لی اور سرنگاپٹم کا محاصرہ کر لیا۔ نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی بھی بہ نفس نفیس مہم پر تشریف لے گئے اور قلعہ پنگل میں اُس وقت تک قیام کیا جب تک کہ جنگ ختم نہ ہو گئی۔ محاصرۂ سرنگاپٹم کے موقع پر سرکار نظام کی دس ہزار فوج اور اتنی ہی فوج مرہٹوں کی بھی موجود تھی۔ نواب سکندر جاہ ولی عہد سلطنت آصفیہ اور ارسطو جاہ مدار المہام بھی اس موقع پر موجود تھے۔ سرکار نظام کی افواج کی کمان راجہ تیج ونت اور اسد علی خاں کے ہاتھ میں تھی۔ سرکار نظام کی افواج کی اعلیٰ کارگزاری پر خود کارنوالس نے مبارکباد دی۔ ٹیپو سلطان نے مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی۔ سرکار نظام کی طرف سے میر عالم اور مرہٹوں کی جانب سے ہری پنتھ نے صلح کی گفت و شنید میں شرکت کی۔ ۲۴ فروری ۱۷۹۲ء صلح نامۂ سرنگاپٹم پر دستخط ہو گئے جس کی رو سے یہ طے ہوا کہ جنگ سے قبل ٹیپو سلطان جس ملک پر قابض تھا اُس میں سے نصف حصہ اتحادیوں کو دے دیا جائے جو اُن کے ملک سے متصل ہو۔ ٹیپو سلطان تین کروڑ تیس لاکھ روپے بطور تاوان ادا کرے گا۔ یہ رقم نصف فوراً اور باقی تین قسطوں میں ادا کی جائے گی۔ فریقین کے تمام قیدی رہا کر دیئے جائیں گے۔ ان شرائط صلح کی تکمیل کی ضمانت میں ٹیپو سلطان کے دو بیٹے بطور یرغمال اتحادیوں کے حوالے کر دیئے گئے۔ ٹیپو سلطان کے ملک میں سے مرہٹوں کو دریائے تنگبھدرا کا شمالی مغربی علاقہ اور انگریزوں کو مالابار، ڈنڈیگل اور بارہ محل کے علاقے ملے۔ ۱؎

۱؎ Selections from the State papers of the Governors-General of India. Vol. II. P. 14.

سرکار نظام کو بلاری، کڑپہ اور اور بائے تنگبھدرا کے شمالی اشرقی علاقے ملے جو پہلے ان کے تحت تھے اور جن پر حیدر علی نے قبضہ کر لیا تھا۔ ان علاقوں کے انتظام کے لیئے نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی نے میر عالم کو احکام دیئے جس نے اپنے معتمد علیہ عہدہ داروں کو جن میں راجا چندو لعل، اسکا مگار جنگ اور مستقیم الدولہ شامل تھے ان اضلاع کا نظم و نسق سپرد کر دیا۔ بعض زمین داروں نے جن میں راجہ اناگنڈی اور ارکمنگ گیری کے زمین دار شامل تھے، انتظام کے خلاف سرکشی اختیار کی لیکن ان کی سرکوبی کی گئی اور بہت جلد وہ راہ راست پر آ گئے اور سرکار نظام کی عملداری ان اضلاع میں قایم ہو گئی[۵۷]

صلح نامۂ سرنگاپٹم کے بعد ٹیپو سلطان کی قوت اتنی کم زور اور اُس کے وسایل اس قدر محدود ہو گئے تھے کہ اتحادیوں کے لیئے اب اُس کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا تھا۔ انگریزوں کی حیثیت جنوبی ہند میں اب مستحکم ہو گئی۔ اگرچہ اس میں شبہہ نہیں کہ وہ مرہٹوں اور سرکار نظام کے درمیان جو توازن قایم کرنا چاہتے تھے اُس میں انھیں کامیابی نہیں ہوئی۔ یہی وجہ تھی کہ ٹیپو سلطان نے جب اتحاد ثلاثہ کو ٹوٹتے ہوئے دیکھا تو پھر اُس کی ہمت بندھی اور اُس نے ایک دفعہ اور انگریزوں سے قسمت آزمائی کی کوشش کی اگرچہ اس میں اُسے کامیابی نہیں ہوئی اور اسی کوشش میں وہ خود اور اُس کی سلطنت صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔

ٹیپو سلطان سے صلح ہو جانے کے بعد سرکار نظام اور ٹیپو سلطان میں کرنول کی سرحد کے متعلق نزاع پیدا ہو گئی۔ انگریزی ریزیڈنٹ کنا وے کو سرکار نظام کی طرف سے وہ تمام اسناد دکھا دی گئیں جن سے

۵۷۔ تزک آصفیہ صفحہ ۴۰۹ تا ۴۵۶ ۔ حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۳۹۷ تا ۴۰۵ ۔

ثابت تھا کہ کرنول پر دولت آصفیہ کو حق بالادستی حاصل ہے۔ کناوے کی رائے یہ ہوئی کہ چوں کہ گزشتہ پچیس تیس سال سے کرنول پر بالادستی کے حقوق سرکار نظام نے استعمال نہیں کیے ہیں اس لیے وہ سوخت ہو گئے۔ ٹیپو سلطان کے خلاف جب اتحاد ثلاثہ ہوا اور جب اُس کے خلاف جنگ کی گئی تو اُس وقت کرنول پر ٹیپو سلطان قابض و متصرف تھا اور اُس کے ساتھ جو معاہدہ ہوا اُس کی رو سے وہ کرنول کے اقتدار سے دست بردار نہیں ہوا۔ ان حالات میں اب اُس کے حق کو معرض بحث میں لانا مناسب نہیں۔ کارنوالس نے کناوے کی رائے سے اتفاق کیا۔ غرض کہ کرنول کے معاملے کے سبب سے انگریزوں اور سرکار نظام میں ناموافقت کی بنا پڑی۔ سرکار نظام کی خواہش تھی کہ انگریزی فوج کو جو اُن کے خرچے پر ممالک محروسۂ سرکار عالی میں مقیم تھی نواب کرنول کے خلاف استعمال کیا جائے اور اُسے مجبور کیا جائے کہ آیندہ سے بجائے ٹیپو سلطان کے سرکار نظام کو پیشکش ادا کیا کرے۔ چنانچہ اس ضمن میں لارڈ کارنوالس نے اپنے ریزیڈنٹ کناوے کو لکھا کہ سرکار نظام کے وزیروں کو چاہیئے تھا کہ صلح نامہ سرنگاپٹم کے وقت کرنول کے معاملے کو اُٹھاتے لیکن چوں کہ اُنھوں نے اُس وقت ایسا نہیں کیا اس واسطے اب اس مسئلے کو اُٹھانا بیکار ہے۔ اس ضمن میں لارڈ کارنوالس نے انگریزی فوج کی مدد سے صاف انکار کر دیا۔ نواب آصف جاہ ثانی کو کارنوالس کا یہ طرز عمل ناگوار گزرا اور اُنھوں نے محسوس کیا کہ کمپنی کی فوج اُن کے کام کی نہیں ہے۔ چوں کہ اس زمانے میں سرکار نظام اور مرہٹوں کے تعلقات میں بھی کشیدگی پیدا ہو رہی تھی اس لیئے اُنھوں نے مناسب خیال کیا کہ اپنی فوج کی تربیت فرانسیسی افسر موسیو ریمو کے تحت کرائیں۔ انھیں معلوم تھا کہ سندھیا کی فوج کی تربیت ایک فرانسیسی افسر کونت دے بوئنیا کر رہا ہے اور پیشوا کے دربار میں بھی بعض فرانسیسی افسر موجود ہیں۔

چنانچہ ان حالات کا اقتضا یہ تھا کہ وہ بجائے انگریزی فوج پر انحصار کرنے کے اپنی فوج کو علیحدہ طور پر ہر ضرورت کے موقع کے لئے تیار رکھیں۔

ٹیپو سلطان کی شکست کے بعد مرہٹوں نے سرکار نظام سے اپنا چوتھ کا مطالبہ شروع کر دیا۔ نانا فرنویس کو اس کا پورا یقین تھا کہ انگریز ٹیپو سلطان سے جنگ کر کے ابھی فارغ ہوئے ہیں وہ سرکار نظام کی حمایت میں کبھی بھی میدان میں آنا پسند نہ کریں گے چنانچہ اس نے سرکار نظام پر دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ نانا فرنویس کی سرکار نظام سے مخالفت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی نے اپنے مدار المہام اعظم الدولہ ارسطو جاہ کے توسط سے مادھوجی سندھیا سے موافقت پیدا کر لی تھی جو ان دنوں نانا فرنویس کا مدمقابل تھا[1]۔ اعظم الامرا کی ان مساعی سے دربار حیدرآباد اور دربار پونا میں بے اعتباری بڑھ گئی۔ دربار پونا کے انگریزی ریزیڈنٹ مسٹر میلٹ نے حیدرآباد کے ریزیڈنٹ لفٹننٹ اسٹورٹ کو جو ان دنوں کناوے کی جگہ منصرمانہ کام کر رہا تھا بار بار لکھا کہ اعظم الامرا ارسطو جاہ کی حکمت عملی سے نانا فرنویس بہت بھڑک گیا ہے اور اس کا انتقام لئے بغیر نہیں رہے گا۔ چنانچہ لفٹننٹ اسٹورٹ نے اس معاملے کی نسبت اعظم الامرا اور میر عالم سے ذکر کیا۔ اعظم الامرا نے یہ جواب دیا کہ نانا فرنویس کو کس سے ذاتی عناد ہے[2]۔ دربار حیدرآباد نے سندھیا سے جو تعلقات قایم کئے ہیں ان کا مقصد نانا فرنویس کا استیصال نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ مادھوجی سندھیا بادشاہ دہلی کا وکیل مطلق ہے اس لیے بحیثیت صوبہ دار دکن کے سرکار نظام کا فرض ہے کہ اس کو رضا مند رکھیں۔ جب سندھیا نے

---

[1] Poona Residency Correspondence, Vol. 4, p. 22

[2] Ibid. p. 76

۱۷۹۳ء میں اپنے معاملات دربار پونا میں طے کرلیے اور اپنے حقوق کا استقرار کرلیا تو نانا فرنویس نے جو سیاست کا بڑا زبردست شاطر تھا مہادجی سندھیا کو سرکار نظام کے خلاف سازش میں اپنے ساتھ ملا لیا۔ بالآخر سندھیا جو سرکار نظام کا بہی خواہ ہونے کا دعویدار تھا اب مخالف بن گیا اور سرکار نظام کے خلاف اُس نے دو کروڑ کی رقم کا مطالبہ پیش کردیا جس کی توثیق بادشاہ شاہ عالم سے حاصل کرلی گئی۔ نواب میر نظام علی خاں چاہتے تھے کہ بہ نفس نفیس پونا جاکر تمام معاملات کو سندھیا اور نانا فرنویس سے بالمشافہ طے کرلیں اور انگریزی فوج اُن کے ہمراہ پونا تک جائے لیکن گورنر جنرل نے اس کی اجازت نہ دی اور صاف کہہ دیا کہ جب تک پیشوا خود پونا آنے کی دعوت نہ دے اُس وقت تک اُن کا وہاں تشریف لے جانا پیچیدگیوں کا باعث ہوگا جن میں انگریزی حکومت اپنے تئیں نہیں پھنسانا چاہتی۔ ایسا کرنے کا مطلب پونا میں یہ سمجھا جائے گا کہ انگریزی حکومت کی اعانت سے دربار پونا کو بعض خاص شرائط تسلیم کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔ غرض کہ یہ منصوبہ ختم ہوگیا۔ سرکار نظام کی طرف سے جب یہ دریافت کیا گیا کہ اگر سندھیا اپنا مطالبہ پورا کرنے کے لئے ممالک محروسہ سرکار عالی کی سرحد پر حملہ آور ہو تو اُس وقت انگریزی حکومت مدد کرے گی یا نہیں تو اس کا یہ جواب ملا کہ چوں کہ سندھیا سے انگریزی حکومت کے دوستانہ تعلقات ہیں اس لئے وہ کسی قسم کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔[1] اسی طرح راجہ بھونسلا کے خلاف جب سرکار نظام نے بھی کارروائی کرنا چاہتی تھی تو انگریزی حکومت نے مدد دینے سے صاف انکار کردیا حالاں کہ جب کہ انگریز ٹیپو سلطان سے برسرپیکار تھے اور سرکار نظام کی بیشتر افواج انگریزوں کی کمک پر بھیجی جاچکی تھیں تو اُس وقت بھونسلا راجہ نے دولت آصفیہ کے سرحدی مقامات کو خوب لوٹا کھسوٹا تھا اور اب تک اس کے متعلق راجہ کی طرف سے

[1] Poona Residency Correspondence, Vol. IV, p. 55

کوئی اطمینان بخش کارروائی نہیں کی گئی تھی۔[1] اس پر طرہ یہ کہ برار کی سرحد پر دس یا بارہ ہزار فوج راجا نے مجتمع کر دی تھی جس کی وجہ سے ہر وقت سرکار نظام کو خطرہ لگا ہوا تھا۔ جب حیدر آباد کے انگریز ریزیڈنٹ کناوے کو معلوم ہوا کہ نواب میر نظام علی خاں خود برار کی طرف پیش قدمی کرنے والے ہیں تو اس نے اس منصوبے کی سخت مخالفت کی اور انھیں ایسا کرنے سے روکا۔ چنانچہ سرجان شور نے بھی جو لارڈ کارنوالس کی جگہ نیا گورنر جنرل مقرر ہوا تھا کناوے کی رائے کے ساتھ اتفاق کیا۔ اس اثنا میں مہا دجی سندھیا کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کی جگہ اس کا نوعمر بیٹا دولت راؤ سندھیا برسر اقتدار ہو چکا تھا جو نانا فرنویس کے زیر اثر تھا۔

سنہ ۱۷۹۳ء میں کناوے کے مستعفی ہو جانے کے بعد کپتان کرک پیٹرک حیدر آباد کا ریزیڈنٹ ہو کر آیا۔ حیدر آباد پہنچتے ہی اس کو اس مسئلے سے واسطہ پڑا کہ سرکار نظام کو مرہٹوں کی مخالفت سے روکے۔ ہوا یہ کہ صلح نامہ سرنگا پٹم کی رو سے سرکار نظام کو جو علاقے ملے تھے ان کی سرحد ان علاقوں سے ملتی تھی جو پیشوا کو دیئے گئے تھے۔ اعظم الامرا ارسطو جاہ مدار المہام دولت آصفیہ چاہتے تھے کہ اگر مرہٹے کوئی جارحانہ کارروائی دولت آصفیہ کے خلاف کریں تو انگریزی فوج ممالک محروسہ سرکار عالی کی حفاظت کے لیے استعمال کی جا سکے۔ لیکن ریزیڈنٹ کرک پیٹرک اور گورنر جنرل سرجان شور اس کے خلاف تھے۔ چنانچہ سرکار نظام نے فیصلہ کیا کہ انگریزی پلٹنوں کو برخاست کر دیا جائے جن کے اخراجات کا بار سرکار عالی برداشت کرتی تھی لیکن انھیں اپنی حفاظت کے لیے بھی استعمال کرنے کا حق اس کو حاصل نہ تھا۔

سنہ ۱۷۹۳ء کے بعد جب پیشوا نے چوتھ کے مطالبے کو شدت کے ساتھ پیش کرنا شروع کیا تو سرکار نظام نے انگریزی حکومت کی امداد طلب کی۔

---

[1] Poona Residency Correspondence, p. 28.

لیکن سر جان شور عدم مداخلت کی حکمت عملی کا حامی تھا۔ وہ بہت کم حوصلہ اور تنگ نظر حکمراں گزرا ہے۔ اُس کا خیال تھا کہ انگریزوں میں ابھی اتنی قوت نہیں ہے کہ مرہٹوں کی متحدہ افواج کا مقابلہ کرسکیں۔ پھر اُس کو یہ خطرہ بھی لگا ہوا تھا کہ کہیں مرہٹے ٹیپو سلطان سے ساز باز نہ کریں۔ غرض کہ سرکار نظام اور مرہٹوں کی کشیدگی بڑھتی گئی۔ کئی مہینے تک گفت و شنید ہوتی رہی لیکن جب دونوں میں سے کوئی بھی مفاہمت پر آمادہ نہ ہوا تو سوائے جنگ کرنے کے اور کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا۔ انگریزی ریزیڈنٹ کپتان کرک پٹرک نے صرف یہ وعدہ کیا کہ وہ انگریزوں کی پلٹنوں کو ملک میں اندرونی امن و امان قایم رکھنے کی غرض سے استعمال کرنے کی اجازت دے سکتا ہے تاکہ اس وقت جب کہ سرکار نظام کی افواج مرہٹوں سے نبرد آزما ہوں تو ملک میں اندرونی ابتری نہ پیدا ہو۔

۱۷۹۵ء کے شروع میں مرہٹوں کی تقریباً ایک لاکھ ۲۵ ہزار متحدہ فوج نے دولت آصفیہ کے شمال مغربی علاقوں پر حملہ کردیا۔ اس فوج میں سے ۲۵ ہزار فوج سندھیا کی بھیجی ہوئی تھی جس کی تربیت فرانسیسی افسروں ڈے بوئین اور پیرون نے کی تھی۔ اس میں ناگ پور کے بھونسلا راجا کی ۱۵ ہزار اور ہلکر کی دس ہزار فوج بھی شامل تھی۔ سرکار نظام کی طرف سے ۷۰ ہزار بے قاعدہ فوج اور ۱۵ ہزار ریمون کی باقاعدہ فوج مقابلے کے لیے بڑھی۔ لطف یہ کہ مرہٹوں کی فوج کے ساتھ پونا کا انگریز ریزیڈنٹ میلٹ اور سرکار نظام کی فوج کے ساتھ حیدرآباد کا انگریز ریزیڈنٹ کرک پٹرک بھی تھا۔ مرہٹوں اور سرکار نظام کی فوجوں کا مقابلہ دریائے مانجرا کے قریب ہوا۔ سرکار نظام کی فوج نے پہلے مرہٹوں کے چھکے چھڑا دیئے لیکن مرہٹوں نے بعض افسروں کو رشوت دے کر خرید لیا جس کے سبب سے افواج آصفیہ کو پسپائی کا منھ دیکھنا پڑا[۵۷]۔ نواب میر نظام علی خاں مارچ ۱۷۹۵ء اپنی فوج سمیت کھرڈلے کے قلعے میں ٹھہر گئے جس کا مرہٹوں نے

۵۷۔ گلزار آصفیہ صفحہ ۱۵۹۔

محاصرہ کرلیا۔ کئی ہفتے تک محاصرہ جاری رہا۔ بالآخر راؤ رنبھا کے توسط سے مصالحت ہوگئی۔ سرکار نظام کو اپنی سلطنت کے مغربی اضلاع کا بیشتر حصہ دریائے تاپتی سے قلعۂ پریندہ تک مرہٹوں کے حوالے کرنا پڑا جن میں دولت آباد، احمد نگر اور شولاپور شامل تھے۔ ان علاقوں کی مجموعی آمدنی ۳۵ لاکھ روپے سالانہ تھی۔ اس کے علاوہ تین کروڑ روپے کا تاوان جنگ پیشوا کو اور رگھوجی بھونسلا کو ۲۹ لاکھ کا بقایا ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ تین کروڑ میں سے ایک کروڑ کی رقم فوراً اور باقی قسطوں سے ادا کرنا طے ہوا۔ اس رقم کی ادائی کی ضمانت میں اعظم الامرا ارسطو جاہ کو بطور یرغمال پونا بھیجنا پڑا۔[1]

جنگ کھرڈلہ کے بعد نواب میر نظام علی خاں کو انگریزوں کی طرف سے بہت مایوسی ہوگئی۔ چنانچہ حیدرآباد پہنچ کر انھوں نے انگریزی پلٹنوں اور توپخانے کو اپنی خدمت سے برطرف کردیا اور موسیو ریمون کے مشورے کے مطابق اپنی فوجوں کی تربیت فرانسیسی افسروں کے تحت کرائی شروع کردی تاکہ سلطنت کی حفاظت اور بقا کا انتظام ہوسکے۔ سرکار نظام نے فرانسیسی فوج کے اخراجات کی پابجائی کے لیے بعض علاقے مختص کردئیے جن میں کڑپہ اور کھمم شامل تھے۔ انگریزی اثر دولت آصفیہ میں اس وقت بہت کمزور ہوگیا تھا اور موسیو ریمون کا اعتبار روز بروز بڑھنے لگا۔ اس کو اژدرالدولہ کا خطاب عطا ہوا۔ جب موسیو ریمون نے کڑپہ میں فرانسیسی فوج متعین کی جو انگریزی سرحد پر واقع تھا تو انگریزی حکومت بہت برہم ہوئی۔ انگریزی ریزیڈنٹ کپتان کرک پیٹرک نے ہرچند کوشش کی کہ فرانسیسی اثر کو دوبارہ حیدرآباد میں کسی طرح زائل کرے لیکن اُس کی ایک نہ چلی۔ اس اثنا میں اعظم الامرا ارسطو جاہ مرہٹوں کی قید سے تین سال پونا میں رہنے کے بعد حیدرآباد آگئے اس لیے کہ مرہٹہ سرداروں میں آپس میں سخت اختلاف رونما ہوگیا تھا جس سے اعظم الامرا نے اپنے قیام پونا کے زمانے میں پورا فایدہ اٹھایا۔

---

[1] گلزار آصفیہ صفحہ ۱۶۰، ۱۶۱۔

بلکہ واقعہ یہ ہے کہ انھیں اسی لیئے رہا کردیا گیا کہ مرہٹہ سرداروں کو شبہہ ہوگیا تھا کہ ان اختلافات کی تہ میں اعظم الامرا کا ہاتھ تھا۔ اعظم الامرا نے دولت راؤ سندھیا سے جو گہرے دوستانہ تعلقات قایم کرلیئے تھے۔ دراصل انھیں کے اثر سے اور کچھ پیشوا اور بھونسلا کی مخالفت کے باعث دولت راؤ سندھیا نے کوشش کرکے محمد آباد بیدر کی چوتھ کی سند کی معافی اعظم الامرا کو دلوا دی۔ اعظم الامرا جب حیدرآباد پہنچے تو اُن کی بڑی آؤ بھگت ہوئی۔ نواب میر نظام علی خاں نے انھیں ہشت ہزاری ذات اور ہشت ہزاری سوار کا منصب اور ماہی مراتب اور مورچھل طاؤس بطور اعزاز و اکرام عطا کیا۔

جب ٹیپو سلطان نے دیکھا کہ حکومت نظام انگریزوں سے برہم و بدظن ہے تو اُس نے نواب میر نظام علی خاں کے بھتیجے امتیاز الدولہ کے توسط سے دولت آصفیہ سے سیاسی تعلقات قایم کرنے کی کوشش کی لیکن اعظم الامرا اور میر عالم دونوں اس کے خلاف تھے۔ انگریزی ریزیڈنٹ کرک پٹرک نے بھی بڑی دوڑ دھوپ کی کہ کہیں سرکار نظام اور ٹیپو سلطان میں اتحاد و موافقت نہ پیدا ہوجائے۔ اس اثنا میں سرجان شور کی جگہ لارڈ ولزلی گورنر جنرل ہوکر آچکا تھا۔ اُس کو اپنے پیش رو کی خارجی حکمت عملی سے اختلاف تھا۔ چنانچہ اُس نے سب سے پہلے سرکار نظام سے صفائی کرنی چاہی۔ وہ جانتا تھا کہ دولت آصفیہ اور کمپنی کی حکومت میں جب تک اچھے تعلقات قایم نہیں ہوں گے اُس وقت تک انگریزوں کے سب سے بڑے دشمن ٹیپو سلطان کا استیصال ممکن نہ ہوسکا اور نہ فرانسیسی اثر کو زایل کیا جاسکے گا جو پچھلے دنوں دکن میں بڑھ رہا تھا۔[۲] اتفاق یہ کہ اسی اثنا میں موسیو ریمون کا انتقال ہوچکا تھا اور اُس کی جگہ پیرون فرانسیسی فوج کا قاید مقرر ہوا تھا لیکن اس میں ریمون کی صفات قیادت موجود نہ تھیں۔ پھر خود نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کو

۱؎ تاریخ خورشید جاہی صفحہ ۱۴۴۔ تاریخ رشید الدین خانی صفحہ ۱۳۱۴۔

۲؎ Owen, The Wellesley Despatches, p. XXX.

اُس پر اعتماد نہ تھا۔ اس کے علاوہ فرانسیسیوں نے پیرون کی سرکردگی میں دکن کے سیاسی معاملات میں جو دخل اندازی شروع کر دی تھی وہ سب کو ناگوار تھی۔ خاص طور پر اعظم الامرا فرانسیسی اثر کے سخت مخالف تھے[۱]۔ غرض کہ یہ سب حالات اس کے موافق تھے کہ سرکار نظام اور انگریزوں میں اتحاد و موافقت پیدا ہو۔ چنانچہ ولزلی نے دکن کی سیاسی صورت حال سے پورا فایدہ اُٹھانے کی کوشش کی اور کپتان کرک پٹرک کے توسط سے سرکار نظام سے گفت و شنید شروع کردی[۲]۔ یکم ستمبر ۱۷۹۸ء انگریزی حکومت اور سرکار نظام میں عہد معاونت طے ہو گیا جس کی رو سے طے ہوا کہ فرانسیسی افسروں کو جو ممالک محروسہ میں ہوں اُنھیں انگریزی حکومت کے حوالے کر دیا جائے اور فرانسیسی پلٹنوں کو خدمت سے برطرف کر دیا جائے۔ یہ بھی معاہدے میں طے ہوا کہ سرکار نظام آیندہ کسی یوروپین کو اپنے ہاں بلا کمپنی کے استصواب کے ملازم نہیں رکھے گی۔ انگریزی فوج چھ پلٹنیں فی پلٹن ہزار جوان اور ایک رجمنٹ پانچ سو سواروں کی اور توپ خانہ ممالک محروسۂ سرکار عالی میں رہے گا۔ اس اعانتی فوج اور توپ خانے کا خرچہ چوبیس لاکھ سترہ ہزار روپیہ سالانہ قرار پایا جس کا بار دربار حیدرآباد پر رہے گا[۳]۔ یہ بھی طے ہوا کہ سرکار نظام اور مرہٹوں میں جو مختلف فیہ مسایل پیدا ہوں اُنھیں انگریزی حکومت حکم کے طور پر تصفیہ کرا دے گی۔ اگر مرہٹے کمپنی کے تصفیے کو تسلیم کرنے سے انکار کریں گے تو انگریزی حکومت دولت آصفیہ کی حفاظت کا ذمہ لے گی۔ ولزلی نے یہ محسوس کیا کہ اگر سرکار نظام نے فرانسیسی سپاہ کو برطرف کر دیا اور مرہٹوں نے میدان خالی پاکر ممالک محروسۂ سرکار عالی کے سرحدی علاقوں پر یورش کر دی تو کمپنی کی طرف سے اس بات کا اطمینان سرکار نظام کو

---

[۱] حدیقۃ العالم جلد ۲ صفحہ ۱۴۴۔

Fraser, Our Faithful Ally, The Nizam, p. 216 [۲]

Ibid, p.218 [۳]

دلانا ضروری ہے کہ اُس کی حفاظت کی جائے گی۔ اور جب معاہدے کی رو سے کمپنی ممالک محروسہ کی فوجی حفاظت کی ذمہ دار ٹھیرے گی تو مرہٹے بھی زیادہ احتیاط برتیں گے اور ممن ماننے طور پر سرکار عالی کے علاقوں پر حملہ آور نہیں ہوں گے۔ ۱۷۹۸ء کا یہ معاہدہ جو انگریزی حکومت اور سرکار نظام کے درمیان طے ہوا تاریخ ہند میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے بعد ولزلی نے اپنے مخصوص اصول عہد معاونت کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا جس کی بدولت ہندوستان میں انگریزی بالادستی کو استحکام نصیب ہوا۔

دربار حیدرآباد کی طرف سے یکسوئی ہو جانے کے بعد لارڈ ولزلی ٹیپو سلطان کے استیصال کی طرف متوجہ ہوا۔ اس زمانے میں نپولین مصر تک پہنچ چکا تھا اور ٹیپو سلطان نے فرانسیسیوں سے جو اتحاد کیا تھا اس کی بدولت آیندہ خطرات پیدا ہونے کا امکان تھا۔ چنانچہ ولزلی نے ٹیپو سلطان کو ایک خط لکھا کہ فرانسیسیوں کے ساتھ جو انگریزوں کے زبردست دشمن ہیں ساز باز مت کرو اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے ساتھ جو عہد و پیمان کیا ہے اُس کی خلاف ورزی سے احتراز کرو۔ لیکن چوں کہ ٹیپو سلطان نے اس خط کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دیا اس لیئے ولزلی نے اُس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ سرکار نظام نے اس جنگ میں انگریزی حکومت کے ساتھ تعاون عمل کیا اور ساڑھے چھ ہزار فوج میر عالم کے تحت روانہ ہوئی اور ویلور میں انگریزی سپہ سالار جنرل ہیرس کے ساتھ شریک ہوگئی۔ سرکار نظام اور انگریزوں کی متحدہ فوج نے سرنگا پٹم کا محاصرہ کر کے اُس کو فتح کر لیا۔ ٹیپو سلطان لڑتا ہوا شہید ہوا۔ اُس کے خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ سرنگا پٹم کی فتح کے بعد انگریزی سپہ سالار نے سرکار نظام کی افواج کی بہت تعریف و توصیف کی۔ میسور کی پوری ریاست نئے راجا میسور، انگریزوں اور سرکار نظام میں معاہدۂ میسور کے ذریعے تقسیم کر دی گئی۔ مرہٹے اگرچہ انگریزوں کے اتحادی تھے لیکن چوں کہ انھوں نے جنگ میں براہ راست حصہ نہیں لیا تھا اور پیشوا عہد معاونت کے لیئے تیار نہ تھا اس لیئے اُنھیں کوئی علاقہ نہیں دیا گیا۔

پیشوا کے حصے میں سے دو ثلث سرکار نظام کو اور ایک ثلث کمپنی کو ملا۔ ریاست میسور کا تقریباً نصف علاقہ کرشنا راج وڈیار کو دیا گیا اور اس کو معاہدے کے ذریعے انگریزی حکومت نے اپنے تحت کر لیا۔ ساحلی علاقوں کے علاوہ مالا بار اور کرناٹک کا درمیانی علاقہ اور کنارا اور کوئمبٹور کے اضلاع اور بعض مشہور قلعوں پر کمپنی نے قبضہ جمایا۔ سرکار نظام کو گوٹی اور گرم کنڈے کے اضلاع ملے[1]

میسور کی چوتھی جنگ کے بعد ولزلی نے اپنے عہد معاونت کے اصول کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کر دی۔ پیشوا نے عہد معاونت کے اصول کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن ولزلی نے اپنے اس اصول کا اطلاق اپنے حلیف سرکار نظام پر ایک نئے معاہدے کے ذریعے کیا۔ بالآخر اکتوبر ۱۸۰۰ء کو انگریزوں اور سرکار نظام میں عہد نامہ مرتب ہوا جس کی رو سے دونوں طاقتوں نے وعدہ کیا کہ اگر کوئی تیسری طاقت اُن کے علاقوں پر حملہ آور ہوگی تو دونوں مل کر مدافعت کریں گے۔ انگریزی حکومت سرکار نظام کی حفاظت کی اسی طرح ذمہ دار ہوگی جس طرح وہ اپنے ملک کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔ انگریزی فوج جو ممالک محروسہ سرکار عالی میں رہتی تھی اس میں دو پلٹنوں اور ایک رجمنٹ کا مزید اضافہ کر دیا گیا۔ معاہدے کی دفعہ ۵ کے بموجب اُس کے مصارف کی پابجائی کے لئے سرکار نظام نے وہ تمام علاقے دوامًا کمپنی کے حوالے کر دیئے جو ۱۷۹۲ء اور ۱۷۹۹ء کی تیسری اور چوتھی جنگ میسور کے بعد اُن کو ملے تھے۔ کڑاپہ اور بلاری اور اننت پور کے زرخیز علاقوں پر کمپنی کا قبضہ ہو گیا جن کے سبب سے کمپنی کی سرحد دریائے تنگ بھدرا تک پہنچ گئی۔ نواب آصف جاہ ثانی نے یہ بھی وعدہ کیا کہ بغیر کمپنی کے استصواب کے وہ کسی دوسرے والیٔ ملک سے سیاسی تعلق نہیں قائم کریں گے اور نہ صلح و جنگ

[1] Owen, The Wellesley Despatches, P. 136; Briggs, the Nizam (Appendix; P. 267-79).

کریں گے۔ کمپنی اور سرکار نظام کے علاقوں میں دریائے تنگ بھدرا کو سرحد قرار دیا گیا۔ جہاں تک کہ سرکار نظام کے اندرونی معاملات کا تعلق ہے وہ خود مختار رہوں گے نیز کمپنی کو اُن کی اولاد اعزہ، رعایا اور ملازموں کے متعلق کسی معاملے میں دخل دینے کا حق حاصل نہ ہوگا۵۱

سنہ ۱۸۰۰ء کے معاہدے سے دولت آصفیہ کے خارجی اختیارات کمپنی کے استصواب پر منحصر ٹھیرائے گئے۔ کمپنی کی فوج جو پہلے سے ممالک محروسہ میں تھی اس معاہدے کے بموجب اور زیادہ بڑھادی گئی۔ ظاہر ہے کسی مملکت کے حدود کے اندر دوسرے ملک کی فوج کے مستقل طور پر رہنے سے چاہے وہ حفاظت ہی کے لیئے کیوں نہ رہے اُس مملکت کے حقوق مقتدرانہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس میں شبہہ نہیں کہ اس معاہدے کی بدولت سلطنت آصفیہ کو خارجی آزادی قربان کرنی پڑی اور وہ علاقے جو تیسری اور چوتھی جنگ میسور میں اُسے حاصل ہوئے تھے انگریزوں کے حوالے کرنے پڑے لیکن یہ فایدہ ضرور ہوا کہ بیرونی حملے اور اندرونی فساد کا خوف باقی نہیں رہا۔ سرکار نظام کے عہد معاونت قبول کرنے کے بعد شروع میں پیشوا نے اس قسم کا معاہدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ سنہ ۱۸۰۰ء میں نانا فرنویس کے انتقال کے بعد پیشوا باجی راؤ ثانی کو ہلکر نے شکست دے کر پونا سے نکال دیا اور اُس کے بھائی امرت راؤ کو پیشوا بنادیا۔ باجی راؤ ثانی نے مجبور ہو کر ولزلی کی طرف اعانت کا ہاتھ بڑھایا اور سنہ ۱۸۰۲ء میں معاہدہ بسین پر دستخط کر دیئے جس کی روسے عہد معاونت کی شرایط مان لیں اور وعدہ کیا کہ اگر سرکار نظام سے آیندہ کبھی کوئی قضیہ پیش آئے گا تو کمپنی کی ثالثی تسلیم کی جائے گی۔ اس معاہدے کی بدولت انگریزی حکومت کی شہنشاہی کا منصوبہ جنوبی ہند میں بڑی حد تک پایۂ تکمیل کو پہنچا۵۲۔ اس معاہدے کے بعد دوسرے مرہٹہ سرداروں سے بھی انگریزوں کی لڑائی لازمی تھی چنانچہ سندھیا نے سرجی ارجن گاؤں کے معاہدے

---

۵۱ Aitchison, A Collection of Treaties and engagements etc. Vol. 5, p. 188

۵۲ Selections from the Wellington Despatches, p. 46

اور بھونسلا نے دیوگاؤں کے معاہدے کے بموجب عہد معاونت کی شرائط تسلیم کریں۔ ہلکر نے جنگ کا سلسلہ جاری رکھا اور کچھ عرصے کے لیئے ولزلی کے انگلستان واپس جانے کے باعث انگریزی بالادستی کے اثر سے بچ گیا۔ لیکن سنہ ۱۸۱۷ء کے معاہدۂ مندسور کی رو سے اُس نے کمپنی کی ماتحتی قبول کرلی۔

ولزلی نے بھونسلا اور سندھیا کے خلاف عہد معاونت منوانے کے لیئے جو لڑائی کی اُس میں سرکار نظام نے سنہ ۱۸۰۰ء کے معاہدے کے بموجب انگریزی حکومت کو فوجی امداد دی چنانچہ جنرل ولزلی اور کرنل اسٹیونسن کی سرکردگی میں سرکار نظام کی افواج نے برار کے اضلاع کو فتح کیا۔ یہ اضلاع دراصل سرکار نظام کے ماتحت تھے لیکن بھونسلا اُن پر قابض ہوگیا تھا۔ معاہدۂ دیوگاؤں کے بعد جو انگریزی حکومت اور بھونسلا میں ہوا برار کے اضلاع سرکار نظام کے حوالے کردیئے گئے۔ سنہ ۱۸۰۰ء کے معاہدے کی ایک خفیہ دفعہ یہ بھی تھی کہ اگر فریقین کسی جنگ میں ایک دوسرے کی اعانت کریں گے اور کامیابی حاصل ہوگی تو مفتوحہ علاقوں کو جو ملحق کیئے جائیں برابر برابر تقسیم کیا جائے گا۔[1]

کمپنی اور سرکار نظام میں سنہ ۱۸۰۲ء میں ایک تجارتی معاہدہ ہوا اور یہ طے ہوا کہ برطانوی اموال درآمد و برآمد پر سوائے ۵ فی صدی محصول کے راہداری اور دوسرے مقامی محصول نہیں لیئے جائیں گے لیکن جو انگریزی فوج ممالک محروسہ میں مقیم ہے اُس کے سامان کو اس محصول سے مستثنیٰ کیا جائے گا۔[1] نواب آصف جاہ ثانی نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو اجازت دی کہ وہ بندر مسولی پٹم میں اپنی تجارتی کوٹھی قایم کرے اور وہاں اپنے کارندوں کو ان شرائط کے تحت رکھے جو کمپنی کی حکومت نے وضع کیئے ہوں اور جن کے متعلق سرکار نظام اور گورنر جنرل باجلاس کونسل میں باہمی رضامندی حاصل کرلی گئی ہو۔ اگر ممالک محروسہ سے

Aitchison, Treaties and engagements etc. Vol. 5, p. 138　　ط

(Briggs, the Nizam, p. 289).

انگریزی علاقے میں کوئی مال جائے گا تو وہاں بھی ۵ فی صدی محصول مال کی قیمت پر لیا جائے گا۔ ممالک محروسہ سے انگریزی علاقوں کو غلے کی درآمد سرکار نظام سے خاص اجازت نامہ حاصل کرنے کے بعد کی جاسکے گی۔ انگریزی حکومت ممالک محروسہ میں صرف اس قدر غلہ خرید نے کی مجاز ہوگی جو اعانتی فوج کی ضروریات کے لیے کافی ہوگا[1]۔

نواب غفراں آب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی نے ۶ راگست سنہ ۱۸۰۳ء کو کم و بیش ۴۲ سال حکمرانی کرنے کے بعد ۷۱ سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اُن کے دوسرے فرزند نواب میر اکبر علی خاں شہزادہ سکندر جاہ اُن کے جانشین ہوئے۔ نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کا یہ زبردست کارنامہ ہے کہ اُنھوں نے اپنی حسن تدبیر سے دولت آصفیہ کو زوال سے بچایا اور اُس کے وجود کو برقرار رکھا سلطنت ابد مدت کے قدیم دشمن مرہٹے نواب غفراں آب کی زندگی ہی میں کمزور ہو گئے تھے اور اُن کی مرکزی قوت میں انتشار پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ ممالک محروسہ کے وہ تمام علاقے جو اُنھوں نے غصب کر لیئے تھے سرکار نظام نے واپس حاصل کر لیئے۔ خارجی معاملات کے نقطۂ نظر سے نواب غفراں آب نے سلطنت ابد مدت کی صلاح و فلاح اسی میں دیکھی کہ انگریزوں سے رابطۂ اتحاد قایم کیا جائے جو فرانسیسیوں کو پے در پے زک دے چکے تھے اور جن کے لیئے مقدر ہو چکا تھا کہ سارے ہندوستان کو اپنے مرکزی اقتدار کے تحت سیاسی حیثیت سے منظم کریں اور اُس افراتفری کو دور کریں جو سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد اس ملک میں پیدا ہو گئی تھی۔

لہ Aitchison, Treaties and engagements etc., Vol. V, p.189

چھٹا باب

نواب سکندر جاہ بہادر (۱۸۰۳ء تا ۱۸۲۹ء)

اور

نواب ناصر الدولہ بہادر (۱۸۲۹ء تا ۱۸۵۷ء)

حیدرآباد کے معاملات میں انگریزی اثر کا بڑھنا

غفراں مآب نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے انتقال کے بعد دولت آصفیہ کے معاملات میں روز بروز بدنظمی بڑھتی گئی اور انگریزی حکومت کو مداخلت کا پورا موقع مل گیا۔ نواب سکندر جاہ کی جانشینی سے پہلے ہی لارڈ ولزلی نے اُن سے ریزیڈنٹ کے ذریعے یہ بات منوالی تھی کہ وہ انگریزی اثر کو قبول کریں گے۔ چنانچہ جب انھوں نے اس پر آمادگی ظاہر کی تو اُس وقت حکومت ہند نے اُن کی مسند نشینی کی تائید کی اور یہ رسم

قایم ہوگئی کہ صوبہ دار دکن کی جانشینی کا مسئلہ آیندہ سے انگریزی حکومت کی صوابدید کے بموجب طے ہوا کرے گا[1]

نواب سکندر جاہ کی مسند نشینی کے تھوڑے ہی عرصے بعد اعظم الامرا ارسطو جاہ کا انتقال ہوگیا۔ اعظم الامرا نے تقریباً تیس سال تک دولت آصفیہ کی مدار المہامی کے فرایض بڑی قابلیت اور وفاداری سے ادا کیے۔ انگریزی حکومت چاہتی تھی کہ مدار المہامی کے عہدے پر اُن کی جگہ میر عالم کا تقرر کیا جائے جو انگریزوں کا دوست اور ہوا خواہ تھا چنانچہ شروع میں تو نواب سکندر جاہ نے کچھ عذر کیا لیکن جب انگریزی حکومت نے اس پر اصرار کیا تو مجبوراً انھیں میر عالم کو اپنا مدار المہام بنانا پڑا۔ غرض کہ انگریزی حکومت نے مدار المہام کے تقرر میں بھی کھلم کھلا مداخلت کی جو بالکل اندرونی انتظامی معاملہ تھا اور جس کا براہ راست تعلق معاہدوں کے بموجب سرکار نظام کی ذات سے تھا۔ اس پر امرا کے طبقے میں ناراضگی پیدا ہوئی۔ ۱۸۰۵ء کے اواخر میں برار کے صوبہ دار مہی پت رام نے جو نواب سکندر جاہ کی شہزادگی کے زمانے میں اُن کا پیشکار تھا اور اب کچھ عرصے سے برار اور مغربی اضلاع کی صوبہ داری پہ فایز تھا میر عالم کی مدار المہامی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اُس نے نواب سکندر جاہ کو میر عالم کے خلاف بھڑکایا اور انھیں اس سے بدظن کر دیا۔ میر عالم کے انگریزی ریزیڈنٹ سیڈنہم کے ساتھ خاص تعلقات تھے۔ چنانچہ ریزیڈنٹ کے ایما پر مہی پت رام کو خدمت سے معزول کر دیا گیا[2] میر عالم کو چوں کہ اپنی جان کا خوف تھا اس لیے کچھ دنوں کے لیے اُس نے ریزیڈنسی میں جا کر پناہ لی۔ ریزیڈنٹ کی مداخلت کے باعث نواب سکندر جاہ نے میر عالم کے مخالفوں کو جن میں اسماعیل یار جنگ خاص طور پر قابل ذکر ہیں اپنے دربار سے الگ کر دیا اور بہ نفس نفیس میر عالم کے ہاں جا کر اُس کی عزت افزائی فرمائی۔

---

[1] The British Crown and the Indian States p. 122.

[2] Bengal Secret Consultations, 22nd June 1820.

مہی پت رام کے اثر میں جو سپاہ تھی اُس کے بل پر اُس نے بغاوت کر دی اور شمال مغربی اضلاع میں ہلچل مچا دی۔ چنانچہ انگریزی فوج نے اُس کا پیچھا کیا اور ممالک محروسۂ سرکار عالی کی حدود کے باہر اُس کو بھگا دیا۔ مہی پت رام نے ہلکر کے ہاں پناہ لی اور وہیں وہ قتل ہوا۔ میر عالم نے تین سال تک مدار المہامی کے فرائض انجام دیئے۔ اُس نے اپنے چچازاد بھائی سید عبداللطیف شوستری (مصنف تحفۃ العالم) کو گورنر جنرل کے پاس دولت آصفیہ کے وکیل کی حیثیت سے بھیجا۔ اس وقت تک یہ قاعدہ چلا آتا تھا کہ جس طرح انگریزی حکومت ممالک محروسۂ سرکار عالی میں اپنا ریزیڈنٹ رکھا کرتی تھی اسی طرح سرکار نظام کی جانب سے ان کا وکیل کلکتے میں رہتا تھا۔ لیکن ولزلی ہی کے زمانے میں یہ طریقہ مسدود ہو گیا۔ سید عبداللطیف شوستری ڈیڑھ سال خدمت وکالت انجام دینے کے بعد حیدرآباد واپس آگئے اور اُن کی جگہ یاور الدولہ وکیل مقرر ہوئے جنھیں اس بنا پر واپس کر دیا گیا کہ وہ گورنر جنرل کے دربار میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔ اس کے بعد انگریزی حکومت کی طرف سے یہ دعویٰ پیش کیا گیا کہ ریزیڈنٹ ہی دولت آصفیہ کے وکیل کی خدمات بھی انجام دیا کرے گا۔ چنانچہ سرکار نظام نے کلکتے میں اپنا وکیل رکھنا موقوف کر دیا۔ یہ دراصل اس بات کا ثبوت تھا کہ عملی طور پر انگریزی حکومت اور سرکار نظام کے تعلقات میں پچھلے دنوں زبردست تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ اگرچہ کسی عہد نامے میں اس کی نسبت صراحت موجود نہ تھی۔

میر عالم کی مدار المہامی کی یہ خصوصیت ہے کہ انگریزی اثر اُس زمانے میں ممالک محروسۂ سرکار عالی کے معاملات میں بہت زیادہ بڑھ گیا۔ میر عالم چاہتا تھا کہ انگریزوں سے تعاون عمل کیا جائے چاہے اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔ اس میں شبہ نہیں کہ میر عالم کے عہد میں تھوڑی بہت انتظامی اصلاح کی کوشش کی گئی مثلاً ٹپے کے انتظام کی طرف توجہ کی گئی۔ چنانچہ حیدرآباد سے کلکتہ، مدراس، مسولی پٹم اور ... کو سہولت سے مراسلت ہو سکتی تھی۔ سرکاری مراسلوں کے علاوہ خانگی خطوط بھی بھیجے جاتے تھے۔ اسی

انتظام میں انگریزی حکومت کے ساتھ تعاون کرنے سے یقیناً بہت سی سہولتیں حاصل ہوگئیں۔ میر عالم کے زمانے میں حسب سابق مال گزاری وصول کرنے کا انتظام تعہد کے اصول پر ہوتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ضلع مقررہ رقم کے عوض معتبر اشخاص کے سپرد کر دیا جاتا تھا جو اُس رقم کو میعاد کے اندر سرکار عالی کے خزانے میں داخل کرنے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ رکن الدولہ کی مدار المہامی کے زمانے سے یہی طریقہ رائج چلا آتا تھا۔ جو رقم سرکاری خزانے میں داخل کی جاتی تھی اس میں سے ۳ آنے فی روپیہ کے حساب سے حق خدمت دیوانی وضع ہو کر دیوان وقت کو دیئے جاتے تھے۔ اس کو سہ آنی طریقہ کہتے تھے۔ چنانچہ اس ضمن میں میر عالم کو ۳۵ لاکھ روپیہ سالانہ ملتے تھے جس میں سے انتظام دیوانی کے اخراجات بھی وضع کیئے جاتے تھے۔ اس رقم پر مدار المہام کو پورا تصرف حاصل ہوتا تھا اور وہ اُس کو اپنے منشا کے مطابق اجنبیر کسی کی اجازت کے خرچ کر سکتا تھا۔ میر عالم نے مہاراجا چندو لال کو اپنا پیشکار مقرر کیا اور سارا دفتری انتظام اُن کے سپرد کر دیا۔

۱۸۰۸ء میں میر عالم کے انتقال پر منیر الملک کو جو میر عالم کے داماد تھے مدار المہام مقرر کیا گیا۔ لارڈ منٹو گورنر جنرل ہند نے اس شرط پر اُن کی مدار المہامی کو تسلیم کیا کہ وہ نظم و نسق کے تمام اختیارات راجا چندو لال کے سپرد کر دیں جس نے انگریزی حکومت کا اعتبار حاصل کر لیا تھا[1]۔ اُس وقت سے راجا چندو لال نے دولت آصفیہ کے در و بست میں پورا دخل حاصل کر لیا اور ۱۸۴۳ء تک وہ جاری رہا اور پیشکاری اور مدار المہامی کے عہدے ختم کر دیئے گئے۔ جب سرکار نظام نے راجا چندو لال کو اُن کی فضول خرچی اور بد انتظامی کی وجہ سے علحدہ کرنے کا خیال کیا تو گورنر جنرل نے صاف کہہ دیا کہ اُس کی علحدگی سے دونوں حکومتوں کے تعلقات میں فرق آجائے گا۔ اور اگر سرکار نظام کے معاملات کا انصرام کسی ایسے وزیر کے

[1] Kaye's Metcalfe, Vol. II; p. 7.

سپرد کیا گیا جس پر انگریزی حکومت بھروسا نہیں کر سکتی تو ممکن ہے کہ انگریزی حکومت کے لیئے ناگزیر ہو جائے کہ وہ اپنے مفاد کی نگرانی کے لیئے کوئی دوسرا طریق کار اختیار کرے بجائے اس طریق کار کے جو اب تک کافی خیال کیا گیا تھا۔[1]

نواب سکندر جاہ کے عہد حکومت میں بعض زمین داروں نے سرکشی اختیار کی خاص طور پر شمال مغربی اضلاع میں جن کی سرحد سندھیا اور ہلکر کے علاقوں سے ملی ہوئی تھی۔ اُن دنوں مرہٹہ سرداروں نے سر جارج بارلو کی عدم مداخلت کی حکمت عملی کے باعث انگریزی اثر کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ مرہٹہ فوجوں نے سارے وسط ہند اور راجپوتانے میں کہرام مچا رکھا تھا۔ ۱۸۱۱ء میں جب سر ہنری رسل ریزیڈنٹ ہو کر حیدرآباد آیا تو اُس نے دیکھا کہ اعانتی فوج سے ممالک محروسہ سرکار عالی میں امن قایم رکھنا دشوار ہے اس لیئے ضرورت ہے کہ فوج کی جدید تنظیم عمل میں لائی جائے لیکن اس تنظیم کی حقیقی وجہ یہ تھی کہ انگریزی حکومت محسوس کر رہی تھی کہ بہت جلد اُس کو مرہٹوں کی سرکوبی کے لیئے زبردست فوج درکار ہوگی خود مارکوئیس آف ہیسٹنگز گورنر جنرل ہند کا خیال تھا کہ اُس فوج کو جس کے خرچ کا بار سرکار نظام پر ہوگا انگریزی مفاد کے لیئے سہولت کے ساتھ استعمال کیا جا سکے گا اور انگریزی حکومت اُس کے ذریعے سے بہت کچھ خرچ سے بچ جائے گی۔ اُس کے خیال میں یہ بڑی بھاری غلطی ہوگی اگر اصول معدلت کی نظری بحث کی خاطر انگریز اپنے مفاد کو قربان کر دیں۔[2] اپنی ایک اور تحریر میں مارکوئیس آف ہیسٹنگز نے لکھا ہے کہ "یہ امر واقعہ ہے کہ اس فوج (یعنی حیدرآباد کنٹنجنٹ) پر ہمارا قابو بمقابلہ اُس حکمراں کے زیادہ ہے جو اُن کی اخراجات کی پابجائی کرتا ہے"[3] وہ کام جس کی ابتدا ولزلی نے کی تھی ابھی اُس کو پایۂ تکمیل کو پہنچانا باقی تھا۔ پھر چوں کہ اعانتی فوج کو

---

[1] Memoirs and Correspondence of General Fraser, p.358.

[2] Ibid; p. 357

[3] Hyderabad Papers, Home Misc. Vol, 517 p. 9.

وقت پر تنخواہ نہیں ملتی تھی اس لیے اُس میں بے چینی اور شورش کے جذبات پیدا ہو رہے تھے۔ چنانچہ رسل نے فوج کی جدید تنظیم کی جو رسل بریگیڈ کے نام سے موسوم ہے۔ شمالی سرکاروں کی نو لاکھ روپے سالانہ پیشکش کی رقم سے ریزیڈنٹ نے سرکار نظام سے یہ اختیار حاصل کر لیا کہ اس میں سے پہلے فوج کی تنخواہ کی ادائی کی جائے۔ یہی رسل بریگیڈ بعد میں حیدرآباد کنٹنجنٹ کے نام سے مشہور ہوئی۔ ۱۸۱۶ء میں لفٹنٹ ہیر اُس کا کمانڈر مقرر کیا گیا جس نے اُس کی کارکردگی میں وہی معیار قایم کر دیا جو برطانوی ہند کی فوج کا تھا۔ رسالے کی کمان کپتان ڈیوس کے تحت تھی۔ اس کنٹنجنٹ کا اچھا خاصا حصہ اورنگ آباد میں رہتا تھا جو جغرافی لحاظ سے مرہٹوں کی سرحد سے قریب ہونے کے باعث اہم تھا۔ پنڈاریوں کے گروہ کبھی کبھی یہاں تک لوٹ مار کرتے ہوئے چکر لگاتے تھے۔ دو ہزار فوج حیدرآباد میں توپ کے ساتھ رہتی تھی تاکہ اگر ریاست کے کسی حصے میں بغاوت ہو تو اُس کو فوراً یہاں سے بھیجا جا سکے۔ جب مارکوئیس آف ہیسٹنگز نے پنڈاریوں کے خلاف جنگ شروع کی تو گورنر جنرل نے حیدرآباد کے ریزیڈنٹ کو لکھ دیا تھا کہ سرحد پر فوجوں کو تیار رکھا جائے تاکہ ضرورت کے وقت اُن سے کام لیا جا سکے۔

۱۸۱۷ء میں جب دوسری جنگ مرہٹہ شروع ہوئی تو حسب معاہدہ سرکار نظام نے اپنی فوج کمپنی کی اعانت کے لیے بھیجی۔ شروع میں یہ جنگ پنڈاریوں کے استیصال کے لیے کی گئی تھی لیکن پنڈاریوں کا مرہٹہ حکمرانوں سے ایسا گہرا تعلق تھا کہ بعد میں لازمی طور پر اس جنگ کا رخ مرہٹوں کے خلاف ہو گیا۔ سندھیا اور ہلکر نے شکست کھا کر انگریزی حکومت سے مصالحت کر لی۔ پیشوا کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا اور اُس کی پنشن مقرر کر دی گئی۔ سر جان میلکم نے سرکار نظام سے ۱۸۲۲ء میں معاہدہ کیا جس کی رو سے شمال و مغربی اضلاع جو اصل میں سرکار نظام کے تھے اور جن پر پیشوا اور بھونسلا قابض و متصرف ہو گئے تھے سرکار عالی کو واپس کر دیے گئے۔ پیشوا کو سرکار نظام سے

چوتھ وصول کرنے کا جو حق حاصل تھا وہ باقی نہیں رہا اس واسطے کہ پیشوائی کا
خاتمہ ہوگیا۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی اس کے اقتدار کی جانشین ہوئی تو اس نے
اپنے آپ کو اس حق سے دست بردار کرلیا۔ سرکار نظام اپنے اُن تمام حقوق
سے ہمیشہ کے لیے کمپنی کے حق میں دست بردار ہوگئی جو اس کو ضلع احمد نگر
میں حاصل تھے۔ دریائے واردھا کے مشرق میں سرکار نظام کو جن علاقوں پر
حقوق حاصل تھے وہ راجا ناگ پور (بھونسلا) کو منتقل کردیئے گئے۔

انگریزی ریزیڈنٹ سر ہنری رسل نے گورنر جنرل مارکوئیس آف ہیسٹنگز
سے مشورے کے بعد جو جدید فوجی تنظیم کی اس کے اخراجات کی پابجائی کے
ضمن میں اس کی بھی ضرورت تھی کہ سپاہ کو پابندی سے وقت پر تنخواہ ملا کرے۔
چنانچہ اس بنا پر ریزیڈنٹ سر ہنری رسل نے ریاست کے اندرونی
در و بست میں مداخلت شروع کردی۔ خاص طور پر مال گزاری کی وصول یابی
کا جو طریقہ رائج تھا اس پر اس نے اپنی نگرانی قایم کرلی اور تقررات کے وقت
جو نذرانوں کا طریقہ تھا وہ مسدود کردیا گیا۔ رسل براہ راست رعایا سے
معروضے وصول کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے ۱۰۴۲ معروضے راجا چندو لال
کے پاس اپنے توسط سے بھیجے۔ اسی زمانے میں حیدرآباد میں ایک انگریزی
ساہوکارے کی کمپنی پامر اینڈ کمپنی کے نام سے قایم ہوئی۔ اس کے قیام میں
راجا چندو لال کا بھی ہاتھ تھا اور بعض دیسی ساہوکاروں نے بھی جن میں
بنکا وی داس سب سے بڑا سرمایہ دار تھا اس میں اپنا سرمایہ لگایا تھا۔ لیکن
زیادہ تر سرمایہ انگریز سرمایہ داروں کا تھا۔ اس کمپنی کا مقصد یہ تھا کہ بنک کاری
اور لین دین کے علاوہ تجارتی اغراض کے لیے دکن کے مادی وسایل سے استفادہ
کیا جائے۔ چنانچہ یہ کمپنی برار کی روئی اور دریائے گوداوری کے کنارے کے
جنگلات کی لکڑی کی تجارت بھی کرتی تھی۔ جس زمانے میں مارکوئیس آف ہیسٹنگز
گورنر جنرل ہوکر آیا تو اس کا ایک قریبی عزیز جس کا نام سر ولیم رمبولڈ تھا اس
ساہوکارے کے کاروبار میں شریک ہوگیا۔ فوج کے اخراجات کے لیے جب
روپیے کی ضرورت ہوتی تو مہاراجا چندو لال بلا تکلف پامر اینڈ کمپنی سے

۱۷۵ ۱۷۵

۲۴ فی صدی سود پر قرض لے لیتے۔ قرض کا یہ سلسلہ اسی طرح کئی سال تک چلتا رہا
حالاں کہ سنہ ۱۷۹۶ء کے قانون منظورۂ پارلیمنٹ کی رو سے کسی یوروپین کو اس کی
اجازت نہ تھی کہ وہ کسی والی ریاست سے بغیر گورنر جنرل کی خاص اجازت کے
روپے پیسے کا لین دین کرے۔ پامر اینڈ کمپنی کو مارکوئیس آف ہیسٹنگز نے
سر ہنری رسل کی سفارش پر حیدر آباد میں اپنا کاروبار کرنے اور سرکار نظام
سے لین دین کی بطور خاص اجازت دے دی تھی۔ لیکن یہ اجازت اس شرط
پر دی گئی تھی کہ سرکار نظام اگر پامر اینڈ کمپنی سے قرض لے گی تو اس کی ادائی
کی ذمہ داری حکومت ہند پر نہ ہوگی[1] پامر اینڈ کمپنی پابندی سے کنٹنجنٹ کی
تنخواہ کی ادائی کرتی تھی جس کی مقدار سات ہزار تھی اور راجا چندو لال کو
حکومت کے لیے جب کبھی قرض کی ضرورت ہوتی تو قرض دے دیتی تھی۔ اس
قرض کی ادائی کبھی نقد کی شکل میں جو مال گزاری سے وصول ہوتا اور کبھی
زمینیں تفویض کر کے ہوتی تھی۔ لیکن پوری ادائی کبھی نہیں ہوئی اور قرض
کچھ نہ کچھ ضرور باقی رہتا تھا۔ چنانچہ ہوتے ہوتے کمپنی کا قرض جمع ہو کر
ساٹھ لاکھ روپے تک پہنچ گیا۔ نہ صرف یہ کہ سرکار عالی پامر اینڈ کمپنی کے قرض
سے زیر بار ہو گئی بلکہ کمپنی کا سیاسی اثر ریاست کے معاملے میں بڑھنے لگا جب
ان حالات کی اطلاع انگلستان میں مجلس نظما کے ارکان کو ہوئی تو انھوں نے کمپنی
کے قیام اور اس کے طریق کار پر سخت اعتراض کیے چوں کہ گورنر جنرل
مارکوئیس آف ہیسٹنگز کا قریبی عزیز سر ولیم رمبولڈ بھی اس میں شریک تھا
اس لیے گورنر جنرل کی ذات پر بھی اعتراضوں کی بوچھار ہوئی اور اس سے
اس ضمن میں جواب طلب کیا گیا۔

سنہ ۱۸۲۰ء میں سر ہنری رسل کی جگہ سر چارلس مٹکاف حیدر آباد کا ریزیڈنٹ
مقرر ہوا۔ حیدر آباد پہنچنے کے بعد سر چارلس نے محسوس کیا کہ اگر راجا چندو لال

---

[1] Letter of Governor-General to the Resident, 13th September, 1822
Hyderabad Papers, P. 186.

پامر اینڈ کمپنی سے اسی طرح قرض لیتے رہے اور زمین حوالے کرتے رہے تو ملک کے نظم ونسق پر بہت ہی برا اثر پڑے گا۔ ممالک محروسہ سرکار عالی کی مال گزاری وصول کرنے کا جو انتظام اس وقت رائج تھا اور پامر اینڈ کمپنی کا مال گزاری وصول کرنے میں جو عمل دخل بڑھ رہا تھا اس سے سر چارلس مٹکاف کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ عنقریب دولت آصفیہ دوالیہ ہو جائے گی۔ ملک کی مالی حالت پہلے ہی سے خراب تھی۔ کنٹنجنٹ کے اخراجات کے بارے روز بہ روز مالی حالت اور زیادہ سقیم ہو رہی تھی۔ اس کو یہ معلوم کر کے تعجب اور رنج ہوا کہ خود ریزیڈنسی کے عہدہ داروں کا دامن پامر اینڈ کمپنی کے لین دین کی آلائش سے پاک نہیں ہے۔ سر چارلس مٹکاف ایک اصولی شخص تھا۔ اس نے اس کی مطلق پرواہ کی کہ اگر وہ پامر اینڈ کمپنی کے زور کو توڑنے کی کوشش کرے گا تو یہ گورنر جنرل کو ناگوار ہوگا۔ چنانچہ اس نے مال گزاری کی وصول یابی کے لئے بعض انگریز مقرر کر دیئے جو ہندوستانی مستاجروں کے ساتھ تعاون عمل کرتے تھے۔ ان انگریز عہدہ داروں نے جمیع محاصل کی تشخیص کی اور ملک کے انتظام کی بہتر صورت نکالی۔

پامر اینڈ کمپنی کے متعلق سر چارلس مٹکاف نے گورنر جنرل کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اس کے جو واجبات ہیں ان کی ادائی کم شرح سود پر قرض لے کر کی جائے اور کمپنی کو چونکہ آیندہ اپنا کاروبار بند کرنا پڑے گا اس لیے چودہ لاکھ روپیے بطور زاید منافع اور ہرجانے کے اس کو ادا کر دیا جائے۔ پامر اینڈ کمپنی کے شرکا نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی۔ سر ولیم رمبولڈ نے اپنا سارا اثر و رسوخ استعمال کر کے گورنر جنرل کو اپنے موافق کر لیا اور اس کو یہ باور کرا دیا کہ مٹکاف نے یہ تمام معاملہ اس لیے اٹھایا ہے کہ وہ اور راجا چندو لال دونوں اس کے خلاف ذاتی پرخاش رکھتے ہیں۔ مارکوئیس آف ہیسٹنگز نے پہلے تو مٹکاف کے مراسلوں کو ڈیڑھ سال تک ڈالے رکھا اور ان کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کی۔ لیکن جب اس معاملے کی نسبت انگلستان میں چرچا ہونے لگا تو اس نے مٹکاف کو لکھا کہ راجا چندو لال نے گزشتہ زمانے میں

انگریزی حکومت کی جو خدمات انجام دی ہیں اُن کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ بھلا اب انگریزی حکومت کے لیے یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ راجا چندو لال کے خلاف کوئی کارروائی کرے۔ لیکن جب مجلس نظما نے اس معاملے کے ضمن میں گورنر جنرل سے جواب طلب کیا تو اُس نے استعفیٰ دے دیا۔ اُس وقت انگریزی حکومت اور پامر اینڈ کمپنی کا سرکار نظام پر قرض ملا کر ایک کروڑ سات لاکھ ہو چکا تھا۔ حکومت ہند نے یہ سب قرض اس شرط پر ادا کر دیا کہ شمالی سرکار کی سالانہ پیشکش پر سرکار نظام کو کوئی حق باقی نہ رہے۔

سر چارلس مٹکاف نے ریاست حیدر آباد کی مالی حالت درست کرنے کے سلسلے میں کنٹنجنٹ کے اخراجات پر بھی اعتراض کیا اور بتلایا کہ اس کا وجود دولت آصفیہ کے لیے بے سود ہے۔ اس سے انگریزی حکومت کو چاہے کتنا ہی فایدہ ہو لیکن ریاست حیدر آباد کو اس سے کوئی فایدہ نہیں جو اس کے اخراجات کا بار اٹھاتی ہے۔ کنٹنجنٹ کا قیام کسی معاہدے کے ذریعے وجود میں نہیں آیا بلکہ ریذیڈنٹ اور راجا چندو لال کے درمیان سمجھوتے کا نتیجہ ہے جسے ہماری حمایت حاصل تھی اور جو خود اپنی حفاظت کے لیے کنٹنجنٹ کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔[1] اسی مسئلے کی نسبت سر چارلس مٹکاف نے دوسرے موقع پر اظہار خیال کیا ہے جو پارلیمانی بلیو بک[2] میں طبع ہو چکا ہے۔ وہ کہتے ہیں:-

جن لوگوں نے گزشتہ تیس سال سے ہماری اس حکمت عملی کا جائزہ لیا ہے جو ہم نے اس دربار (دربار حیدر آباد) کے متعلق اختیار کی ہے وہ جانتے ہیں کہ کس طرح ہم اپنے آوردوں کو وزیر بنواتے ہیں اور خود اُن کے بادشاہ کے خلاف اُن کی تائید کرتے ہیں۔ جس طرح ہم نے کارآمد فوج کو اپنے قابو میں

[1] Memoirs and Correspondence of General Fraser P. 74-76

[2] ایضاً۔ صفحہ ۷۶

رکھا ہے اور جس طرح ہم ملک کے دیوانی انتظام پر حاوی ہوگئے ہیں وہ معلوم ہے جنھیں ان امور کا علم ہے وہ اس میں شک نہیں کرسکتے اور نظام تو اس میں کبھی شک کرہی نہیں سکتے کہ ہم اس ملک کے حقیقی حکمران بن گئے ہیں۔ بہت ساری خرابیاں جو ریاست کے نظم ونسق میں پائی جاتی ہیں وہ ہماری بے ضابطہ مداخلت کے ناگزیر نتائج ہیں۔ جب حقیقت یہ ہے تو نظام اور اُن کے دیوان کو ان خرابیوں کا ذمہ دار نہیں ٹھیرایا جاسکتا۔ میرے خیال میں اُنھیں اتنی قدرت بھی نہیں کہ وہ اس ابتری کو دور کرسکیں۔ دراصل ہمیں اس صورت حال کا ذمہ دار ہونا چاہیے اس واسطے کہ خرابیوں کو درست کرنے کا اختیار ہمارے ہاتھ میں ہے۔ لیکن ہم اس اقتدار وقدرت کو بلا کسی احتیاط کے اُس وقت استعمال کرتے ہیں جب ایسا کرنا ہمارے مفید مطلب ہوسکے[1]

کنٹنجنٹ کے افسروں کو اُن کی تنخواہ کے علاوہ الاؤنس بھی دئے جاتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۲۹ء میں ان الاؤنسوں کی رقم کی تعداد ساڑھے تیرہ لاکھ تھی۔ ریزیڈنٹ کی کوشش یہ رہتی تھی کہ راجا چندولال کی پیشکاری اور مدارالمہامی برقرار رہے تاکہ کنٹنجنٹ برقرار رہے جس کے اخراجات روز بروز بڑھ رہے تھے۔ دراصل کنٹنجنٹ کا قیام راجا چندولال اور انگریزی حکومت کے درمیان مشترکہ کاروبار کی حیثیت رکھتا تھا[2] نواب سکندرجاہ کے بعد نواب ناصرالدولہ نے بھی کنٹنجنٹ کے قیام کی سخت مخالفت کی اس لیے کہ حکومت کے مالیہ پر اس کی وجہ سے سخت بار پڑرہا تھا۔ معمولاً اس کی وجہ سے ۳۸ لاکھ روپے سالانہ سرکار عالی کو خرچ کرنا پڑتا تھا حالاں کہ اعانتی فوج کے اخراجات کے

؁ [1] Memoirs and Correspondence of General Fraser, p. 86

؂ [2] Hyderabad Affairs, Vol. II, p. 247

ضمن میں سرکار نظام میسور کی آخری جنگ کے بعد سنہ ۱۸۰۰ء کے معاہدے کے بموجب انگریزی حکومت کو علاقے تفویض کر چکی تھی کرنل اسٹوارٹ نے بحیثیت ریزیڈنٹ اس کو محسوس کیا تھا کہ یہ بار غیر ضروری طور پر سرکار نظام کے خزانے پر ڈالا جا رہا ہے چنانچہ اس نے اس کی شکایت گورنر جنرل کو لکھا۔ لیکن لارڈ آکلینڈ نے ریزیڈنٹ کی اس تجویز سے اختلاف کیا کہ جس طرح دیوانی انتظام کے ضمن میں جو انگریز افسر مقرر کیے گئے تھے انہیں ہٹا لیا گیا اسی طرح کنٹنجنٹ کو بھی ختم کر دیا جائے اس لیے کہ اب اس کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ لارڈ آکلینڈ نے کنٹنجنٹ کے قیام پر زور دیا اور اور ریزیڈنٹ کو لکھا کہ اس کے خرچ کی ادائی کے متعلق خاطر خواہ انتظام ہونا چاہیئے اور اشارہ کیا کہ اگر اس سلسلے میں سرکار عالی کے علاقوں میں سے بعض انگریزی حکومت کو مل جائیں تو اطمینان کی صورت پیدا ہو جائے۔ حکومت ہند کی حکمت عملی یہ تھی کہ سرکار نظام کی ضروریات کے لیے کنٹنجنٹ پر انحصار ٹھیرایا جائے اور اعانتی فوج کو ممالک محروسہ سے ہٹا کر دوسری جگہ استعمال کیا جائے حالاں کہ اس کے اخراجات پیشگی طور پر مقبوضہ اضلاع کی شکل میں انگریزی حکومت کو ادا کیے جا چکے تھے۔ حکومت ہند چاہتی تھی کہ اعانتی فوج کو نصف کر دے اس لیے کہ اندرونی امن و امان کے قیام کے لیے کنٹنجنٹ کافی تھا۔[1] انگریزی حکومت کی اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ تھا کہ سرکار نظام پر فوجی اخراجات کا بار پڑ گیا اور مقبوضہ علاقے الگ ہاتھ سے نکل گئے۔ اسی حکمت عملی کے باعث آیندہ سرکار نظام کو مالی مشکلات میں پھنسنا پڑا جس کی ذمہ داری حکومت ہند پر عاید ہوتی ہے جیسا کہ سر چارلس مٹکاف نے وضاحت کی ہے اور جو بلیو بک میں شایع کر دی گئی ہے۔[2]

ستمبر سنہ ۱۸۳۸ء میں جنرل فریزر انگریزی ریزیڈنٹ ہو کر حیدر آباد آیا اس نے

---

[1] Memoirs and Correspondence of General Fraser P. 91

[2] ایضاً صفحہ ۳۶

حکومت ہند کی توجہ کنٹنجنٹ کے اسراف اور مصارف کی طرف مبذول کرائی کہ
یہ انگریزی حکومت کے لئے ایک رسوائی اور بدنامی کی بات تھی۔ اس نے
راجا چندو لال کی بڑی مخالفت شروع کردی اور حکومت ہند کو ان کی نااہلی اور
بدانتظامی کی شکایت متعدد مرتبہ توجہ دلائی چنانچہ ۱۸۴۳ء میں ان کی جگہ
ان کے بھتیجے راجا رام بخش پیشکار مقرر کئے گئے جو تین سال تک اس خدمت پر
فائز رہے۔ کنٹنجنٹ کے اخراجات کی ادائی کچھ عرصے سے ریزیڈنٹ کر رہا تھا
جس کے سبب سے سرکار نظام پر حکومت ہند کا قرضہ بڑھتا جاتا تھا۔
لیکن پیشکار راجا رام بخش سے نظم و نسق نہ سنبھل سکا۔ اس کے بعد کچھ
دنوں کے لئے سراج الملک مدار المہام ہوئے اور ان کے بعد سیف جنگ
امجد الملک اور نواب شمس الامرا تھوڑے تھوڑے عرصے کے لئے
مدار المہام مقرر کئے گئے جن کے عہد حکومت میں ملک کے انتظام کی حالت
بد سے بدتر ہوتی گئی۔ ۱۸۴۹ء میں راجا رام بخش کو پھر دو سال کے لیے مدار المہام
بنا دیا گیا۔ ان کے جانشین گنیش راؤ ہوئے جو صرف چند مہینے مدار المہام رہے
بالآخر ۱۸۵۱ء میں انگریزی حکومت کے مشورے کے مطابق سراج الملک
دوبارہ مدار المہام بنائے گئے۔ لیکن نواب ناصر الدولہ ان سے موافقت
نہیں رکھتے تھے اور انھیں برطرف کرنا چاہتے تھے۔ اس پر ڈلہوزی نے نواب
ناصر الدولہ کو لکھا کہ اگرچہ انگریزی حکومت سرکار نظام کے اندرونی معاملات
میں مداخلت نہیں چاہتی لیکن اگر سراج الملک کو برطرف کر دیا گیا تو اندیشہ ہے کہ
ملک کے انتظامات میں زیادہ خرابی کی صورتیں پیدا ہوں گی اور اس کا قوی
امکان موجود ہے کہ سراج الملک کا جو جانشین ہوگا وہ اتنا انتظام بھی نہیں
کر سکے گا جو سراج الملک نے کیا۔ اگر سرکار نظام کے منشا کے بموجب
راجا رام بخش کو سراج الملک کا دیوان مقرر کر دیا جائے تو انتظامی معاملات
میں اور زیادہ پیچیدگی پیدا ہوگی۔ پھر انگریزی حکومت کا فرض ہے کہ اپنے
منشا کی نگہداشت کرے اور چونکہ ممالک محروسہ کی انتظامی ابتری کا اثر
رعایا پر پڑے گا اس لئے برطانوی حکومت سرکار نظام کے اندرونی معاملات میں

دخل اندازی کے لیے مجبور ہو جائے گی۔[1] نواب ناصر الدولہ کے اصرار پر کچھ عرصہ کے لیے امجد الملک اور ان کے بعد امیر پائیگاہ شمس الامراء کو مدار المہامی سپرد کی گئی لیکن ان سے کام نہ چل سکا۔ مالی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔ سنہ ۱۸۵۱ء میں گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی نے جنرل فریزر ریزیڈنٹ حیدرآباد کو احکام بھیجے کہ حکومت نظام کا بار بار قرضہ بڑھتا جا رہا ہے اس کی تصفیہ معینہ مدت کے اندر تصفیہ کر لیا جائے تو مناسب ہے۔ اسی دوران میں سراج الملک حسب ایما ریزیڈنٹ پھر مدار المہام مقرر کیے گئے۔ جب معینہ مدت ۳۱ دسمبر سنہ ۱۸۵۱ء گزر چکی تو لارڈ ڈلہوزی نے سرکار نظام کو بذریعہ خط مطلع کیا کہ قرضے کے عوض برار پائین گھاٹ کے اضلاع کمپنی کے تفویض کیے جائیں تاکہ ۷۰ لاکھ کے قرض کی ادائی اور کنٹنجنٹ کی تنخواہوں کا انتظام ہو سکے۔ نواب ناصر الدولہ کو اپنے ملک کا کوئی حصہ انگریزی حکومت کے حوالے کرنا سخت شاق تھا انھوں نے قرض کو بہ اقساط ادا کرنے کا وعدہ کیا لیکن اس کی بھی تعمیل نہ ہو سکی نتیجہ یہ ہوا کہ جنرل فریزر کے جانے کے بعد کرنل جان لو کو مارچ سنہ ۱۸۵۳ء میں گورنر جنرل نے معاہدے کا مسودہ دے کر روانہ کیا جس پر سرکار نظام کے دستخط کرانے کی اس کو تاکید کی گئی۔ سراج الملک نے سرکار کی طرف سے کرنل لو کو ہر چند یقین دلایا کہ میں بہت جلد ادائے قرض کا بندوبست کر دوں گا لیکن ریزیڈنٹ نے کہا کہ میں مجبور ہوں۔ اگر معاہدے پر دستخط نہ ہوئے تو مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ پونا سے گوروں کی دو پلٹنیں طلب کروں تاکہ معاہدے کی تکمیل فوجی کارروائی کے ذریعے پایۂ تکمیل کو پہنچے۔

سراج الملک نے انگریزی ریزیڈنٹ کو بتایا کہ انگریزی حکومت عرصے سے سکندرآباد اور جالنہ کی آبکاری کے محاصل بحساب ایک لاکھ روپے سالانہ گزشتہ ۴۱ سال سے وصول کرتی رہی ہے۔ اس کو اگر کمپنی کے قرضے میں سے مع سود کے منہا کر دیا جائے تو سرکار نظام پر قرضے کی رقم کا بار بہت کم ہو جائے گا۔[2]

۱؎ Fraser, Our Faithful Ally, the Nizam p. 258

۲؎ Memoirs and Correspondence of General Fraser, p. 365

لیکن اس جا بز مطالبے کی مطلق شنوائی نہیں ہوئی۔ لارڈ ڈلہوزی نے پہلے ہی نواب ناصر الدولہ کو صاف صاف لکھ دیا تھا کہ قرض کی ادائی اور کنٹنجنٹ کی ماہوار تنخواہ پابندی سے ادا کرنے کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ برار پائین گھاٹ کے اضلاع حکومت کے تحویل کردیے جائیں لیکن شروع میں نواب ناصر الدولہ گورنر جنرل کے اس مطالبے کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے رہے۔ اُن کے جذبات کا اظہار ان الفاظ سے ہوتا ہے جو اُنھوں نے ریزیڈنٹ کرنل لو سے دوران گفتگو میں کہے تھے اور جنھیں کرنل موصوف نے اپنے ایک مراسلے میں نقل کیا ہے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ۔

> آپ پہلے ہی مجھے بتا چکے ہیں کہ آپ ایک نیا معاہدہ تجویز کرنے والے ہیں۔ لیکن آپ نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ میرے سامنے اس قسم کا معاہدہ تجویز کیا جانے والا ہے۔ آپ نے مجھ سے کبھی نہیں کہا کہ مجھ سے میری سلطنت کا ایک بڑا حصہ ہمیشہ کے لیے چھوڑنے کو کہا جائے گا۔ کیا میں نے کبھی انگریزی حکومت سے جنگ کی ہے یا کبھی اُس کے خلاف سازش میں حصہ لیا ہے یا اُس کے ساتھ تعاون عمل اور اُس کی خواہشات کی پیروی کرنے کے علاوہ کچھ اور کیا ہے کہ آج میری یہ ذلت کی جا رہی ہے[1]

اس پر کرنل لو نے نواب ناصر الدولہ کو ہر چند سمجھانے کی کوشش کی کہ اس معاہدے سے اُن کی کسی قسم کی ذلت مقصود نہیں ہے۔ اس کا جواب اعلیٰ حضرت نے ان الفاظ میں دیا "کسی صاحب اقتدار حکمراں کے لیے دو فعل سب سے زیادہ باعث ذلت ہوا کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنی موروثی مملکت کے کسی حصے کو غیر ضروری طور پر کسی دوسرے کے حوالے کردے اور دوسرے یہ کہ وہ اپنی بہادر اور وفادار سپاہ کو برطرف کردے ....

---

[1] Briggs, The Nizam, p. 394

تم جیسے لوگ جو کبھی انگلستان میں ہوتے ہیں تو کبھی ہندوستان میں، کبھی امور سلطنت میں حصہ لیتے ہیں تو کبھی سپاہی بن جاتے ہیں، کبھی جہاز رانی کرتے ہیں اور کبھی تجارت (اس لئے کہ میں نے سنا ہے کہ تمہارے بعض بڑے لوگ تاجر ہوئے ہیں) تم لوگ اس ضمن میں میرے جذبات کو نہیں سمجھ سکتے۔ میں ایک صاحب اقتدار خاندانی حکمراں ہوں۔ میں اسی سلطنت میں جو سات پشت سے میرے خاندان میں چلی آرہی ہے پیدا ہوا اور اسی میں مروں گا۔ تم سمجھتے ہو کہ میں اپنی اس سلطنت کا ایک حصہ دوا آ تمہاری حکومت کے تحت دے کر خوش رہ سکتا ہوں۔ میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی ذلت نہیں ہو سکتی مجھے معلوم ہوا کہ تم لوگوں میں سے بعض کا یہ خیال ہے کہ اگر مجھے محمد غوث خاں نواب کرناٹک کی حالت میں رکھا جائے تو میں خوش اور مطمئن رہوں گا یعنی مجھے کسی پرانے خدمت گار کی طرح وظیفہ دے دیا جائے اور میں کھانے سونے اور نماز پڑھنے کے سوا کسی کام سے واسطہ نہ رکھوں[1]

بالآخر نواب ناصر الدولہ نے یہ تجویز پیش کی کہ برار کے ۳۰ لاکھ کے اضلاع کنٹنجنٹ کی تنخواہ کے لیے شمس الامرا کے ہاتھ میں دے دئے جائیں جو ریزیڈنٹ کے ساتھ مل کر ان کا نظم و نسق کرے۔ لیکن کرنل لو اس تجویز کو ماننے کو تیار نہ تھا کیوں کہ اس کو یقین نہ تھا کہ بعد میں سرکار نظام کے عہدہ داروں کی طرف سے ان انتظامات میں مداخلت نہ کی جائے گی۔ انگریزی ریزیڈنٹ نے اس کے جواب میں نواب سراج الملک کو ڈلہوزی کے عندیے سے مطلع کر دیا کہ اگر معاہدہ کرنے میں اب زیادہ لیت و لعل ہوتا گیا تو پونا سے انگریزی فوج ممالک محروسہ پر چڑھائی کر دے گی۔ چنانچہ اس ضمن میں بمبئی کی رجمنٹ نمبر ۲۸ کو ضروری احکام دئے جا چکے ہیں[2]۔ اگرچہ انگریزی حکومت کو نواب سراج الملک پر اعتماد تھا اور کچھ عرصے قبل تو انھیں نواب ناصر الدولہ کی

---

[1] Briggs, The Nizam p. 394,

[2] Memoirs and Correspondence of General Fraser p. 414

مرضی کے خلاف مدار المہام بنانے پر اصرار کیا گیا تھا لیکن جب مسئلہ برار کی نسبت گفت و شنید ہو رہی تھی اور سراج الملک نے اس ضمن میں ممالک محروسہ کے مفاد کی حفاظت کی کوشش کی اور انگریزی حکومت سے یہ بات منوانی چاہی کہ کمپنی کا قرضہ ادا کرنے کا مزید موقع دیا جائے تو انگریزی حکومت اُن سے ناراض ہو گئی۔ کرنل لو چاہتا تھا کہ سراج الملک ہر معاملے میں اُن کی مرضی کے موافق چلیں لیکن یہ کیسے ممکن تھا۔ غرض کہ کئی مہینے کی سخت بحثی کے بعد ۲۱ مئی ۱۸۵۳ء کو نواب ناصر الدولہ بالکل مجبور ہو کر معاہدۂ برار پر دستخط کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس معاہدے کے بموجب برار پائین گھاٹ کے اضلاع، رائچور دو آب اور اضلاع سرحدی شولاپور و احمد نگر انگریزی حکومت کے تفویض کر دئے گئے۔ دو قسم کی سپاہ سلطنت آصفیہ میں مقرر کی گئی۔ ایک تو اعانتی (سبسی ڈیری) فوج جو ملک کی عام حفاظت کے لئے تھی۔ اس میں حسب سابق پیادوں کی آٹھ پلٹنیں اور سواروں کی دو رجمنٹیں، توپ خانہ اور جنگی ساز و سامان شامل تھا۔ اس فوج کی غرض یہ بتائی گئی کہ اس کو نواب کی شخصی حفاظت اور اندرونی فتنہ و فساد کو فرو کرنے کے لئے استعمال کیا جائے گا اور تحصیل مالگزاری کے سلسلے میں اگر کوئی زمیں دار یا اجارہ دار سرکشی اختیار کرے تو اس فوج کے ذریعے اس کی سرکوبی کی جا سکے گی۔ دوسری سپاہ کنٹنجنٹ تھی جسے اس معاہدے کی رو سے برقرار رکھا گیا۔ یہ پانچ ہزار پیادوں، دو ہزار سواروں اور چار فیلڈ بیٹری توپخانے پر مشتمل تھی[1] اس کے سب افسر انگریز تھے۔ اس کی تنخواہ کی ادائی اور دوسرے انتظامات کا تعلق براہ راست ریزیڈنٹ سے تھا۔ اگر انگریزی علاقے میں فتنہ و فساد برپا ہو یا کسی ایسے علاقے میں جس کی سرحد سلطنت آصفیہ سے ملی ہوئی ہو بدامنی کی کیفیت رونما ہو تو کنٹنجنٹ کو استعمال کیا جا سکے گا۔ اس کے جملہ اخراجات کا بار سرکار نظام کے ذمے ہوگا لیکن اس کے استعمال

---

[1] Fraser, Our Faithful Ally, the Nizam, p. 276

کرنے کا انحصار تمام تر ریزیڈنٹ پر ہوگا۔ اس معاہدے میں یہ بھی طے ہوا کہ اعانتی فوج اور کنٹنجنٹ کے علاوہ اور کوئی فوج انگریزی حکومت سرکار نظام سے طلب نہیں کرسکے گی ۱۸۰۰ء میں سرکار نظام اور انگریزی حکومت میں جب عہد معاونت طے ہوا تھا تو اس کی رو سے سرکار نظام پر لازم قرار پایا تھا کہ جب کبھی انگریزی حکومت اپنی فوجی اغراض کے لیے نو ہزار سوار اور چھ ہزار پیادے طلب کرے تو انھیں تیار رکھا جائے ۱۸۵۳ء کے معاہدۂ برار میں اس شرط کو منسوخ کردیا گیا۔ انگریزی حکومت کو اختیار دیا گیا کہ جب اسے ضرورت ہو تو اعانتی فوج اور کنٹنجنٹ کو طلب کرلے۔ جو اضلاع سرکار نظام نے انگریزی حکومت کے تفویض کیے تھے اُن کی آمدنی تقریباً پچاس لاکھ روپیہ سالانہ تھی۔ انگریزی حکومت نے اس معاہدے میں یہ بھی اقرار کیا تھا کہ وہ سرکار نظام کو سالانہ اس رقم کی جمع و خرچ کا حساب دیا کرے گی کنٹنجنٹ کی ساٹھ ہزار سپاہ کے خرچ اور مفوضہ علاقوں کے انتظامی اخراجات کو نکال کر جو رقم فاضل بچے گی وہ سرکار نظام کو دی جایا کرے گی۔ اس رقم میں سے ۴۵ لاکھ روپے جو انگریزی حکومت کے سرکار نظام پر قرض تھے منہا کیے جائیں گے۔ اس معاہدے میں اس کی کوئی صراحت نہیں کی گئی تھی کہ برار کے نظم و نسق کے اخراجات کتنے ہوں گے چنانچہ اس عدم وضاحت کے باعث انگریزی حکومت کو پورا اختیار حاصل رہا کہ انتظامی اخراجات کی مد کو اتنا بڑھا دے کہ سرکار نظام کو دینے کے لیے کوئی فاضل رقم نہ بچے۔ حالاں کہ خود کنٹنجنٹ کے اخراجات میں اضلاع کے تفویض کیے جانے کے بعد تخفیف عمل میں آگئی۔ جب کنٹنجنٹ کا انتظام سرکار نظام کے تحت لیکن ریزیڈنٹ کے ذریعے سے ہوتا تھا تو اس کے اخراجات سالانہ چالیس لاکھ کے لگ بھگ ہوتے تھے اور جب معاہدۂ برار کی رو سے اس کا انتظام انگریزی حکومت کے تحت آگیا تو یہ اخراجات ۳۴ لاکھ سالانہ رہ گئے[1] اگرچہ چند سال قبل کنٹنجنٹ کے

[1] Gribbles, History of The Deccan, Vol. II, p. 222

اخراجات میں تخفیف کی جاتی تو سرکار نظام کو خواہ مخواہ مقروض نہ ہونا پڑتا۔ پھر قرضے کی رقم اتنی زیادہ نہ تھی کہ اس کی بنا پر ممالک محروسہ کے نہایت زرخیز اور سیر حاصل علاقوں کو حوالے کرنا ضروری ہوتا۔ حکومت نظام جس کی سالانہ آمدنی اس وقت دو کروڑ سے زاید تھی یقیناً اس قرض کو چند سال کے اندر آسانی سے ادا کر سکتی تھی چنانچہ چالیس لاکھ روپے چند ماہ قبل سرکار نظام نے قرضے کی بیباقی کے ضمن میں یک مشت انگریزی حکومت کو ادا کئے تھے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ حکومت ہند کو اس قدر جلدی اور بے اعتباری کیوں تھی جس طرح چالیس لاکھ ادا کیا گیا تھا باقی ۴۸ لاکھ بھی ادا کر دیا جاتا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ لارڈ ڈلہوزی پہلے ہی سے یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ زر نقد کے بجائے قرضے کے بہانے سے وہ اضلاع برار کو انگریزی راج میں شامل کر لے۔

معاہدے کی تکمیل پانے کے چھ روز بعد ۲۵ مئی ۱۸۵۳ء کو سراج الملک راہی عدم ہوئے اور ان کی جگہ نواب سالار جنگ جن کی عمر اس وقت ۲۴ سال کی تھی مدار المہام مقرر ہوئے جس وقت موصوف نے خدمت مدار المہامی کا جائزہ لیا تمام ملک میں بد انتظامی پھیلی ہوئی تھی محاصل و مال گزاری کی وصول یابی کا انتظام جو اجارہ داروں کے ہاتھ میں تھا انتہا درجہ ناقابل اطمینان تھا۔ اضلاع مفوضہ کے ممالک محروسہ سے نکل جانے کے باعث آمدنی میں کمی ہو گئی تھی اور عام طور پر ملک میں بددلی اور برافروختگی پھیلی ہوئی تھی۔ جن امرا کی جاگیریں مفوضہ اضلاع میں واقع تھیں وہ سرکار عالی سے اپنی جاگیرات کا معاوضہ طلب کر رہے تھے۔ حکومت پر مقامی ساہوکاروں کا قرضہ ڈھائی کروڑ کے قریب تھا۔ غرض کہ ان ہمت شکن حالات میں نواب سالار جنگ نے ملک و مالک کی خاطر بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ اپنے شانوں پر اٹھا لیا اور راحت اطمینان و سکون کی زندگی کو جو ایک بڑے جاگیردار کی حیثیت سے انھیں حاصل تھی خیرباد کہا۔ سب سے پہلے انھوں نے ساہوکاروں کے قرضوں کی تنقیح کی۔ ڈھائی کروڑ کے بجائے یہ قرضہ

۸۰ لاکھ قرار پایا۔ یہ کام انھوں نے اس قدر ہوشمندی اور معاملہ فہمی سے کیا کہ ساہوکاروں پر بھی حکومت کا اعتبار باقی رہا۔ اس کے علاوہ انھوں نے عرب جمعداروں کو اپنا حامی بنا کر ایک کروڑ روپے سے زاید محاصل کی جاگیرات سرکار عالی کے لیئے واپس حاصل کریں جو مہاراجا چندو لال کے زمانے سے مرہونہ و مقبوضہ چلی آرہی تھی۔ عربوں کے تصفیہ معاملات کے لیئے ایک خاص عدالت قایم کردی۔ عرب جمعدار جو اضلاع میں اجارہ داروں کی حیثیت سے صاحب اقتدار چلے آرہے تھے انھیں نواب سالار جنگ نے ہمدردی اور معاملہ فہمی سے پہلے اپنا حامی بنایا اور اس کے بعد آہستہ آہستہ ان کے اقتدار کو کم کیا تاکہ حکومت کا اقتدار مستحکم ہو۔ غرض کہ اس نوجوان امیر نے اپنے ابتدائی تنظیم و نسق میں اعلیٰ تدبر و فراست کا ثبوت دیا اور حکمران و رعایا دونوں کا اعتبار حاصل کرلیا۔ نواب ناصر الدولہ نے ۱۸۵۷ء میں غدر کے پرآشوب زمانے میں ۲۸ برس حکومت کرنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا اور ان کی جگہ نواب افضل الدولہ بہادر تخت نشین ہوئے۔



ساتواں باب

نواب افضل الدولہ بہادر (سنہ ۱۸۵۷ء تا سنہ ۱۸۶۹ء)
اور
نواب میر محبوب علی خاں بہادر (سنہ ۱۸۶۹ء تا سنہ ۱۹۱۱ء)

دور اصلاحات

سنہ ۱۸۵۳ء میں جب سراج الملک نے داعی اجل کو لبیک کہا تو ان کی جگہ نواب ناصرالدولہ نے نواب سالار جنگ کو مدار المہامی پر فائز فرمایا سالار جنگ نے اپنی مدار المہامی کے زمانے میں جو تیس سال تک قائم رہی ریاست ابد مدت میں نہایت اہم انتظامی اصلاحات نافذ کیں اور ریاست کے نظم و نسق کی کایا پلٹ دی۔ جدید حیدرآباد بڑی حد تک نواب سالار جنگ (مختار الملک) کا بنایا ہوا ہے۔ انھوں نے نظم و نسق کے ہر شعبے میں اپنا

پھر اثر چھوڑا اور جو اعلیٰ عزائم شروع کئے تھے اُن کو نہایت سرگرمی کے ساتھ عملی جامہ پہنانے میں اپنی ساری عمر صرف کی۔

۱۸۵۷ء میں جب کہ ہندوستان میں غدر کی شورش برپا تھی نواب ناصر الدولہ کا انتقال ہوگیا اور ان کی جگہ نواب افضل الدولہ بہادر رونق افروز تخت سلطنت ہوگئے۔ یہ زمانہ ریاست حیدرآباد کے لیے سخت آزمائش کا تھا۔ اس آڑے وقت میں نواب سالار جنگ کی بیدار مغزی کام آئی اور انھوں نے ریاست کی کشتی کو بڑی ہوشمندی سے طوفانوں سے پار نکال لیا۔ حیدرآباد نے اس موقع پر انگریزی حکومت کے ساتھ حق رفاقت ادا کیا۔ نواب ناصر الدولہ نے بستر مرگ پر اپنے جانشین کو وصیت کی تھی کہ ہمیشہ برٹش گورنمنٹ کے وفادار دوست رہنا کہ اس میں ریاست کا بہت مفاد مضمر ہے۔ چنانچہ ان کے جانشین نے اپنے وزیر باتدبیر کے مشورے سے اس نصیحت پر عمل کیا اور غدر کے ہنگاموں میں انگریزی حکومت کے ساتھ معاہدوں کے بموجب دوستی قائم رکھی۔ اس زمانے میں انگریزی حکومت بڑی پریشانی میں مبتلا تھی۔ چنانچہ گورنر بمبئی نے ریزیڈنٹ حیدرآباد کو اس مضمون کا تار دیا تھا کہ "اگر حیدرآباد برگشتہ ہوگیا تو پھر سارا خاتمہ ہے" لیکن حیدرآباد نے اپنی دوستانہ روایات میں جو برٹش گورنمنٹ کے ساتھ عرصے سے قائم تھیں کوئی خلل نہیں پیدا ہونے دیا اور اس پر آشوب زمانے میں نہ صرف انگریزی حکومت کی حمایت کی بلکہ اپنے حدود ارضی میں کسی قسم کی باغیانہ تحریک کو پنپنے کا موقع نہیں دیا۔ بلدہ حیدرآباد میں بعض باغیوں نے فوج کو ملانے کی کوشش کی اور ریزیڈنسی پر حملہ کردیا تھا لیکن ان کی مساعی کامیاب نہ ہوسکیں۔ اسی طرح اورنگ آباد کی کنٹنجنٹ فوج میں بھی بعض سرپھرے سپاہیوں نے بغاوت کی کوشش کی تھی لیکن ان کی شورش فوراً فرو کردی گئی۔ جب کرنل ڈیوڈسن ریزیڈنٹ حیدرآباد کو گورنر جنرل کا تار ملا کہ دہلی پر باغیوں کا قبضہ ہوگیا تو اس نے نواب سالار جنگ سے مشورہ طلب کیا۔ نواب سالار جنگ نے

فرمایا کہ مجھے تو پہلے سے یہ خبر معلوم تھی اس واسطے کہ بلدے میں تین روز سے یہ خبر گشت لگا رہی ہے۔ نواب سالار جنگ نے ریزیڈنٹ کو ہر طرح کا اطمینان دلایا۔ راجا شورا پور نے اس موقع پر باغیوں کا ساتھ دیا تو نواب سالار جنگ نے حکمت عملی سے اس کو گرفتار کرا کے ریزیڈنٹ حیدرآباد کے حوالے کر دیا۔ جب بغاوت فرو ہوئی تو شوراپور کے علاقے ریاست حیدرآباد میں شامل کر دئے گئے۔

نواب افضل الدولہ اور ان کے مدار المہام نواب سالار جنگ نے غدر کے موقع پر انگریزی حکومت کی جو خدمات انجام دیں ان کے صلے میں دوآب رائچور کا علاقہ حیدرآباد کو واپس کر دیا گیا اور ۱۸۶۰ء میں انگریزی حکومت اور حکومت حیدرآباد کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے زر قرضہ پچاس لاکھ روپے جو ریاست حیدرآباد کے ذمے تھا انگریزی حکومت نے معاف کر دیا۔ دوآب رائچور کے علاوہ سرحدی علاقے جو ریاست کی مغربی سرحد پر احمد نگر اور شوراپور سے متصل تھے سرکار نظام کے حوالے کر دئے گئے جن کی مجموعی آمدنی ۴۰ ہزار سالانہ تھی۔ اب تک دریائے گوداوری کی راہ سے جو انگریزی مال آتا تھا اس پر سرکار نظام مالیت کے اعتبار سے ۵ فی صدی محصول عاید کرنے کا حق رکھتی تھی جو ۱۸۰۲ء کے معاہدے کے بموجب حاصل ہوا تھا۔ یہ محصول معاف کر دیا گیا۔[1] یہ بھی طے ہوا کہ اضلاع برار جن کی آمدنی ۳۲ لاکھ روپے سالانہ تھی حکومت انگریزی کے پاس مکفول بطور ضمانت رہیں گے تاکہ کنٹنجنٹ کے اخراجات کی ان کی آمدنی سے پابجائی ہو سکے۔ آیندہ ان اضلاع کی آمدنی کے متعلق انگریزی حکومت سے سرکار نظام کوئی حساب طلب نہیں کرے گی۔ اس کا دارومدار انگریزی حکومت پر ہوگا کہ وہ برار کے اخراجات میں سے جو بچے وہ سرکار نظام کو دے اور اگر کچھ نہ بچے تو کچھ

[1] Fraser, Our Faithful Ally, The Nizam p. 310-314

دے۔ اس کی بھی صراحت کی گئی تھی کہ برار کی تفویض بطور ایک امانت کے تھی چنانچہ جب دونوں فریق یہ قرار داد کریں کہ کنٹنجنٹ کو باقی رکھنا ضروری نہیں تو اضلاع برار اصلی مالک کو واپس کر دیئے جائیں گے اور تفویض منسوخ ہو جائے گی۔

سنہ ۱۸۶۰ء میں حکومت برطانیہ نے اور دوسرے والیان ملک کی طرح نواب افضل الدولہ بہادر کو بھی سند عطا کی جس میں اس کی بھی صراحت کر دی گئی کہ ریزیڈنٹ حیدرآباد کو اختیار ہوگا کہ وہ ان جرائم کی نسبت تحقیقات کرے جو اہل یورپ اور اُن ہندوستانیوں سے جو انگریزی رعایا ہوں حدود حیدرآباد میں سرزد ہوں۔ ریزیڈنٹ مجاز ہوگا کہ اپنے اس اختیار کو کسی دوسرے کو بھی جسے وہ چاہے منتقل کرے۔ اگر برطانوی رعایا کے کسی فرد اور سرکار نظام کے کسی فرد میں نزاع پیدا ہو تو ریزیڈنٹ اس کے متعلق تحقیقات کرے گا اور ملزم کو سزا دے گا۔ اس قسم کے مقدمات میں ریاست کی عدالتوں کو حق سماعت حاصل نہ ہوگا۔

غدر کے بعد ملکہ وکٹوریہ نے نواب افضل الدولہ کی حمایت اور دوستی کے صلے میں انھیں جی۔سی۔ایس۔آئی کا خطاب عطا کیا جسے قبول کرنے میں انھیں پس و پیش تھا۔ اس لیے کہ اب تک کسی حکمران دکن نے انگریزی حکومت کا خطاب قبول نہیں کیا تھا۔ لیکن ریزیڈنٹ نے اُنھیں یقین دلایا کہ اس کا مقصد سیاسی نہیں ہے۔ چنانچہ نواب افضل الدولہ خطاب قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے[1] غدر کے بعد انگریزی حکومت کے ایما پر ریاست حیدرآباد میں نئے سکے کا چلن ہوا۔ غدر سے پہلے جو سکہ رائج تھا اس کے ایک طرف مغل بادشاہ کا نام ہوتا تھا سلطنت مغلیہ کے خاتمے کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ چنانچہ یہ تجویز ہوا کہ سکے کے ایک جانب "سکہ نظام الملک آصف جاہ" رہے اور دوسری طرف "ضرب فرخندہ بنیاد حیدرآباد"

[1] Fraser, Our Faithful Ally, The Nizam p. 315

جلوس میمنت مانوس" رکھا جائے۔ اس سکے کا نام حالی مقرر ہوا جو اب تک اسی نام سے مشہور ہے۔

فروری ۱۸۶۹ء میں چند یوم کی علالت کے بعد تقریباً بارہ سال حکومت کرنے کے بعد نواب افضل الدولہ راہئ عالم بقا ہوئے اور اُن کے صاحبزادے نواب میر محبوب علی خاں اُن کے جانشین مقرر ہوئے۔ اس وقت اُن کی عمر صرف ڈھائی سال تھی۔ نواب سالار جنگ اور نواب شمس الامراء امیر کبیر کی تولیت (ریجنسی) قایم ہوئی۔ جب نواب میر محبوب علی خاں ذرا بڑے ہوئے تو اُن کی تعلیم کے لیے بڑے قابل اشخاص مقرر کیے گئے۔ مولوی محمد زماں خاں، مولوی حافظ محمد انوار اللہ خاں، نواب دولت یار جنگ اور نواب سرور جنگ عربی، فارسی، اور اردو کی تعلیم کے لیے اور کپتان کلارک انگریزی تعلیم پر مامور ہوئے۔ ان فاضل لوگوں کی تعلیم اور فیضیات کا اثر نواب میر محبوب علی خاں پر خاطر خواہ ہوا۔ بہت جلد انھوں نے مختلف علوم میں دستگاہ حاصل کر لی۔ فن سپاہگری میں بھی کمال رکھتے تھے اور بندوق کے نشانے میں اُن کا کوئی نظیر نہ تھا۔ نواب سالار جنگ کے ایما پر مولوی نذیر احمد دہلوی نے امور انتظامی کے متعلق چھوٹے چھوٹے رسالے نواب میر محبوب علی خاں کی تعلیم کے لیے لکھے جن سے امور مملکت کے متعلق اُن کی معلومات میں اضافہ ہوا۔

نواب سالار جنگ کی مدار المہامی کا یہ زبردست کارنامہ ہے کہ اُنھوں نے ریاست کے نظم و نسق کے ہر شعبے میں اصلاحات کیں۔ سب سے پہلے اُنھوں نے محکمۂ مال کی اصلاح کی طرف توجہ کی تاکہ حکومت کی آمدنی مستحکم بنیاد پر قایم ہو جائے کہ بغیر اس کے کوئی حکومت بھی اپنے اندر قوت نہیں پیدا کر سکتی اور نہ آیندہ اس کی ترقی کا امکان ہو سکتا ہے۔ نواب سالار جنگ کو مال گزاری وغیرہ کے معاملات کا عملی تجربہ حاصل تھا۔ ۱۸۴۷ء میں اُن کے چچا نواب سراج الملک نے جو اس وقت مدار المہام تھے انھیں تلنگانے کے علاقے میں تعلقداری کی خدمت پر مامور کر دیا تھا۔

اس لیے نواب سالار جنگ کو رعایا کی اصلی حالت کا بخوبی علم تھا اور وہ اس انتظام کی خرابیوں سے واقف تھے جو ملک میں مال گزاری وصول کرنے کے متعلق رائج تھا۔ ۱۸۵۳ء میں برار اور دوآبہ رائچور کے نکل جانے کی وجہ سے ریاست حیدرآباد کی آمدنی کم ہو گئی تھی جس کی پابجائی کرنی تھی۔ اب تک یہ دستور چلا آتا تھا کہ ہر سال تعہد پر سب سے اونچی بولی لگانے والے کو تعلقے دیئے جاتے تھے اور وہاں کے تحصیلوں کو سرکاری طور پر ہدایت کر دی جاتی تھی کہ وہ تعہد دار کے ساتھ مال گزاری کی وصولی کی بابت پوری طرح سے تعاون کریں۔ تعہد دار مقررہ رقم سرکاری خزانے میں داخل کرتا اور باقی جو وصول کرتا اپنے پاس رکھتا تھا۔ وہ بالعموم زیادہ ستانی سے کام لیتا تھا۔ ہر نئے سال جب تعلقوں کا از سر نو نیلام ہوتا تو تعہد دار گزشتہ سال کے مقابلے میں مقررہ رقم کم کرنے کی کوشش کرتے تاکہ حکومت کو جتنا کم ہو سکے ادا کریں اور رعایا سے جتنا زیادہ ہو سکے وصول کریں۔ یہ تعہد دار اکثر بلدے میں رہتے تھے اور اپنے نائب تعلقوں میں مقرر کر دیتے تھے جن کے اختیارات کا کوئی باقاعدہ تعین نہیں کیا گیا تھا اور نہ وہ حکومت کے روبرو کسی طرح سے جوابدہ قرار پا سکتے تھے۔ ان کے مظالم کی وجہ سے رعایا پریشان رہتی تھی۔ اکثر اوقات کاشتکار اپنے گاؤں کو چھوڑ کر دوسرے گاؤں میں جا بستے تھے کہ شاید وہاں کچھ امن و عافیت نصیب ہو۔ اس طرح بہت سے گاؤں ویران ہوتے جا رہے تھے اور پیداوار میں کمی واقع ہو رہی تھی جس کا اثر ظاہر ہے بالآخر حکومت کے خزانے ہی پر پڑتا تھا۔ چوں کہ تعہد دار خیال کرتے تھے کہ انھیں جو گاؤں ٹھیکے پر دیئے گئے ہیں وہ قلیل مدت کے لیے ہیں اس لیے جتنا زیادہ ہو سکے کاشتکاروں سے وصول کر لو۔ اس کے بعد چوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ کوئی دوسرا تعہد دار ان گاؤں کو حاصل کر لے گا اس لیے کاشتکاروں کا جتنا ہو سکے جی بھر کے خون چوس لو۔ چوں کہ کوئی ایسی عدالتیں موجود نہ تھیں جو تعہد داروں کی زیادہ ستانی کے متعلق چھان بین کر سکتیں اور جن کے روبرو کاشتکار

اپنی شکایتیں پیش کر سکتے اس لیے تعہد دار بلا کھٹکے اپنی زیادہ ستانی جاری رکھتے تھے۔[1]

جن علاقوں میں تعہد داری کے بجائے امانی طریقہ رائج تھا وہاں سرکار اپنے تعلقداروں کے توسط سے مال گزاری وصول کرتی تھی۔ یہ تعلقدار بھی قلیل مدت کے لیے مقرر کیے جاتے تھے اور اکثر بلدے ہی میں رہتے تھے۔ ان کے نائب اُن کی غیر موجودگی میں مال گزاری وصول کرنے کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ پولیس کا انتظام بھی تعلقداروں کے ذمے ہوتا تھا۔ تعلقدار جمع اور خرچ کی رسیدیں مقامی قاضی کی تصدیق کے بعد سرکار میں داخل کرتے تھے۔ انھیں بجائے معین تنخواہوں کے روپیے پر دو آنے اور بعض اوقات روپیے پیچھے چار آنے کمیشن دیا جاتا تھا۔ یا ۱۶ روپے میں دو آنے یعنی مال گزاری کا ۱۲½ فی صدی تعلقدار کو مل جاتا تھا۔

بعض اوقات تعہد داروں اور تعلقداروں کو فوج رکھنے کی اجازت تھی تاکہ اُن کی مدد سے نادہند کاشتکاروں سے مالگزاری کی رقم وصول کی جاسکے۔ اگر حکومت کو ضرورت ہوتی تھی تو وہ دولتمند تعہد داروں اور تعلقداروں سے قرضہ حاصل کرتی تھی جس کی پابجائی وہ مالگزاری کی رقم سے کر لیتے تھے۔ اس کی بھی مثالیں ملتی ہیں کہ اختلاف کی صورت میں حکومت تعہد داروں کو حکم دیتی تھی کہ وہ اپنے تعلقوں سے علحدہ ہو جائیں لیکن وہ ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیتے تھے اور چوں کہ اُن کے پاس کافی فوج موجود رہتی تھی اس لیے حکومت اُن پر ہاتھ ڈالتے ہوئے جھجکتی تھی۔ تعہد داروں اور تعلقداروں کی طرف سے آئے دن معاہدے کی خلاف ورزی ہوا کرتی تھی جسے "قول شکنی" کہتے تھے اور مقررہ رقم خزانے میں وقت پر داخل نہیں ہوتی تھی

[1] نواب سالار جنگ کے متعلق تمام معلومات مولوی چراغ علی کی کتاب Hyderabad under Sir Salarjung, 4 Vols. سے ماخوذ ہیں۔

جس کی وجہ سے اُن کے اور حکومت کے درمیان جھگڑے پیدا ہو جاتے تھے۔ بالعموم ذی اثر تعہد داروں کے مقابلے میں حکومت سختی نہیں کرتی تھی۔ مالگزاری کی رقم کے علاوہ تعہد داروں اور تعلقہ داروں کو چُنگی اور راہ داری کے محاصل وصول کرنے کا بھی اختیار ہوتا تھا جن کی مقدار ہر سال برابر بڑھتی رہتی تھی اور جن کی وجہ سے رعایا کو بڑی زیر باری اُٹھانی پڑتی تھی۔

نواب سالار جنگ نے تعہد داری کے طریقے کا مکمل انسداد کر دیا اس لئے کہ جن علاقوں میں یہ طریقہ رائج تھا وہاں ویرانی بڑھتی جاتی تھی اور رعایا سخت پریشان تھی۔ تعہد داروں کی لاپروائی کی وجہ سے آب پاشی کے جو ذرائع دیہات میں پہلے سے موجود تھے وہ بھی خراب ہوتے جا رہے تھے۔ تالابوں کی مرمت کے لئے رعایا کی اتنی آمدنی نہ تھی کہ وہ کچھ خرچ کر سکتی۔ تعہد دار خیال کرتے تھے کہ اگر وہ تالابوں کی مرمت پر کچھ خرچ کریں گے تو ممکن ہے آئندہ سال وہ تعلقہ کسی دوسرے تعہد دار کے پاس چلا جائے تو دوسرا شخص استفادہ کرے گا۔ تعہد داری کے ختم ہو جانے سے تالابوں وغیرہ کی مرمت کی ذمہ داری براہ راست حکومت پر عاید ہو گئی۔

نواب سالار جنگ نے تعلقہ داری کے طریقے کی خرابیاں بھی محسوس کیں۔ تعلقہ دار اگرچہ سرکار کے ایجنٹ تھے لیکن ان میں سے اکثر بلدے ہی میں رہتے تھے اور کبھی بھی اپنے تعلقوں کو جا کر حالات کو سدھارنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ اُن کے کارندے یا نائب مال گزاری وصول کرتے تھے۔ بعض اوقات تعلقہ دار کسی قریب کے تعہد دار سے بھی اپنے تعلقے کی مقررہ رقم وصول کرانے کا کام لیتے تھے۔ تعلقہ دار بھی یہ سمجھتے تھے کہ ان کا تقرر دو تین سال سے زیادہ کے لئے نہیں ہے اس واسطے جتنی ہو سکے نفع اندوزی کر لو۔ نتیجہ یہ تھا کہ غریب کاشتکار کو زیر بار ہونا پڑتا تھا۔ نواب سالار جنگ نے ایک ایک کر کے پرانے تعلقہ داروں کو اُن کی خدمات سے برطرف کر دیا اور اُن کی جگہ مستقل تعلقہ دار مقرر کیے جن کی تنخواہیں مقرر کر دی گئیں اور اُن کے لئے لازمی کیا گیا کہ وہ اپنے اپنے

تعلقوں میں جا کر رہیں اور دورہ کر کے دیہات کے حالات معلوم کریں اور حکومت کو اُن کے متعلق مطلع کرتے رہیں۔ تعلقہ دار کے تحت دوم اور سوم تعلقہ دار اور تحصیلدار ہوتے تھے۔ تعلقہ داروں کے کام کی نگرانی کے لیئے صوبہ دار مقرر کیئے گئے۔

۱۸۷۹ء میں ممالک محروسۂ سرکار عالی کو پانچ صوبوں، چودہ ضلعوں اور ۳۴ تحصیلوں میں تقسیم کیا گیا۔ ضلع بندی کا کام مجلس مال گزاری (بورڈ آف ریونیو) کے سپرد کیا گیا جس نے نہایت قابلیت سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ صرف خاص اور جاگیروں کے تعلقے اس تقسیم سے علیحدہ رکھے گئے۔ ملک کے رقبے کا تقریباً نصف دیوانی کے تحت آگیا اور باقی نصف میں صرف خاص اور جاگیریں رہیں۔

ملازم سرکار ہونے کی حیثیت سے تعلقہ داروں کو سرکار کے روبرو جواب دہ ہونا پڑتا تھا۔ اُن کی تنخواہیں مقرر کر دی گئیں جن کی ادائی کا باقاعدہ انتظام تھا۔ اس نئے انتظام سے بہت فایدہ ہوا۔ پرانے طریقے کے بموجب سرکار کو آمدنی کا ۱۲ ½ فی صدی کمیشن دینا پڑتا تھا اب سرکار کا خرچ حکام کی تنخواہوں کے ضمن میں مال گزاری کا صرف ۶ ½ فی صدی ہوتا تھا۔ پرانے انتظام میں ٹھیکہ دار اور تعلقہ دار من مانے طور پر لگان میں اضافہ کرتے تھے جس کی نسبت رعایا عذر خواہی نہیں کر سکتی تھی۔ ہر سال لگان میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور عمل میں آتا رہتا تھا۔ نواب سالار جنگ نے گشتی جاری کر دی کہ لگان میں اس وقت تک کوئی اضافہ نہ کیا جائے جب تک کہ سرکار سے اس کی منظوری نہ حاصل کر لی جائے۔

پرانے انتظام میں ہر کھیت اور ہر کاشتکار پر لگان کی رقم واجب الادا نہیں تھی بلکہ پورے گاؤں کی مجموعی طور پر اندازے سے تشخیص کر دی جاتی تھی اور پٹیل اور مقدم اس رقم کو گاؤں کے مختلف کاشتکاروں پر اُن کی زراعت کی مقدار کے مدنظر تقسیم کر دیتے تھے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اکثر اوقات کاشتکاروں پر نا واجب لگان عاید کیا جاتا تھا۔ مقدم لوگ اپنے ذاتی اور اپنے عزیزوں کے کھیتوں پر کم لگان

لگاتے تھے اور دوسروں پر زیادہ لگاتے تھے جس کی وجہ سے شکایت کا موقع پیدا ہوتا تھا۔ بعض اوقات جو کھیت زیر کاشت نہیں ہوتے تھے ان پر لگان لگا دیا جاتا تھا تاکہ گاؤں کی مجموعی رقم کی بابجائی ہوسکے۔ غرض کہ اس انتظام میں ہر قسم کی بدعنوانی ممکن تھی۔ نواب سالار جنگ نے تشخیص کا جو نیا طریقہ رائج کرایا اُس کے بموجب ہر کاشتکار اور ہر کھیت کی جمع بندی کی گئی۔ سالانہ جمع بندی کے موقع پر اگر کسی کھیت میں کاشت نہیں کی گئی تو اُس پر لگان وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ ہر کھیت کی پیمایش کرائی گئی اور اسی کے مطابق جمع بندی درج رجسٹر کرائی گئی۔ زمینوں کو اُن کی زرخیزی کے لحاظ سے مختلف قسموں میں تقسیم کیا گیا۔ ہر قسم کی زمین کے لیے شرح لگان علحدہ رکھی گئی۔ ناظم بند وبست کی خدمت پر مولوی سید مہدی علی (نواب محسن الملک) کا تقرر کیا گیا جو معتمدی مال میں تھے۔ انسداد قحط اور کاشتکاروں کی عام حالت کو سدھارنے کے لیے بھی نواب محسن الملک نے اپنے فرایض جس تن دہی اور قابلیت کے ساتھ انجام دیئے اس سے اُن کی اعلیٰ کارگزاری کا اظہار ہوتا ہے۔

تلنگانے میں بٹائی کا جو طریقہ رائج تھا اُس کی خرابی کا نواب سالار جنگ کو ذاتی تجربہ حاصل تھا۔ اس طریقے کے مطابق حکومت کاشتکار سے جنس کی شکل میں لگان وصول کرتی تھی یہ انتظام اکثر زیر تالاب اور زیر نالہ زمینوں میں جو کاشتکار پیدا کرے اُس کے متعلق تھا۔ کھیت کی پیداوار کے متعلق سرکاری حکام اندازہ لگا لیتے تھے جس کا نصف کاشتکار کو دینا پڑتا تھا۔ کاشتکار اُس وقت تک اپنی فصل نہیں کاٹ سکتا تھا اور نہ کسی دوسرے کو فروخت کرسکتا تھا جب تک کہ مال گزاری کے مطالبات کا تعین تعہدہ دار یا تعلقہ دار بشکل جنس نہ کردے۔ کاشتکار تو اپنی فصل کاٹنے کی اس وقت تک اجازت نہ ملتی تھی جب تک کہ وہ گاؤں کے ساہوکار کی حیثیت بطور ضمانت تشخیص کردے۔ پیداوار ... نصف کا جو اندازہ لگایا جاتا تھا وہ بالعموم گزشتہ سالوں کی پیداوار کے مقابلہ زیادہ لگایا جاتا تھا

جس میں غلطی کا امکان تھا۔ غرض کہ اس طریقے کے رائج رکھنے سے کاشتکاروں کو بھی خواہ مخواہ پریشان ہونا پڑتا تھا اور حکومت کی آمدنی بھی غیر متعین رہتی تھی۔ فصل کا اندازہ لگانے کا کام پٹیل پٹواری کی مدد سے ایسے لوگوں کے ذمے ہوتا تھا جنھیں تعہددار یا تعلقہ دار کے پاس سے بہت ہی قلیل تنخواہیں ملتی تھیں۔ ان حالات میں رشوت ستانی کا نہ ہونا قابل تعجب ہوتا جس کی وجہ سے ملکی انتظام میں لازمی طور پر خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ چوں کہ بٹائی کے طریقے میں لگان کی شرح مقرر نہ تھی اس لیے سرکاری ملازمین کو رعیت کو ستانے اور زیادہ ستائی کے مواقع حاصل تھے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ رعایا میں بددلی پیدا ہوتی تھی۔ اب تک مال گزاری نقد اور جنس دونوں طرح وصول کی جاتی تھی۔ نواب سالار جنگ نے قاعدہ مقرر کر دیا کہ آیندہ سے مال گزاری صرف نقد کی شکل میں وصول ہوگی۔ اس طرح بٹائی کے طریقے کو موقوف کر کے بڑی خرابی کا انسداد کر دیا گیا۔

پرانے انتظام میں تعہدداروں اور تعلقہ داروں کی تبدیلیاں اس قدر جلد جلد عمل میں آتی تھیں کہ اُن سے کاشتکار پریشان ہو جاتے تھے اور مال گزاری کی وصول یابی میں بھی خلل واقع ہوتا تھا۔ جدید تنظیم سے رعایا کو اطمینان ہو گیا کہ مقررہ مال گزاری براہ راست سرکار کو ادا کرنا ہے تو انھوں نے اپنی زمینوں کو زیادہ زرخیز بنانے کی طرف توجہ کی اور اس طرح ملک کی زرعی پیداوار میں اضافہ ہوا۔ اس جدید تنظیم میں کاشتکاروں کو بعض حقوق بھی حاصل ہو گئے جن سے انھیں فایدہ ہوا مثلاً کاشتکاروں کے مکان سے وابستہ جو افتادہ زمین ہو اُس پر اور گاؤں کی بنجر زمینوں پر کوئی لگان واجب الادا نہ ہوگا۔ کاشتکاروں کے خانگی استعمال کی اشیا اور آلات کشاورزی قرق نہ کیے جا سکیں گے۔ غرض کہ ان تمام اصلاحات کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ ایک طرف تو کاشتکار کے دل میں حکومت کا اعتبار قایم ہو گیا اور دوسری جانب ملکی ترقی کے اسباب مہیا ہو گئے۔ نئے انتظامات کی وجہ سے کاشتکاروں کی حالت بتدریج سدھر گئی

اور اُن کی خوش حالی میں اضافہ ہوا۔ رعایا کی خوش حالی کے ساتھ سرکار کی
آمدنی بہتر ہوگئی اور پہلے کی بہ نسبت تین گنا زیادہ ہوگئی حالاں کہ ملک محروسہ
برار اور دوآبۂ رائچور کی آمدنی سے محروم ہوچکا تھا۔

محکمۂ مال کی تنظیم کے بعد نواب سالار جنگ نے عدالتی اصلاح کا
بیڑا اُٹھایا تاکہ دادرسی میں رعایا کو سہولت ہو۔ اس زمانے تک بلدے
اور اضلاع میں جو عدالتی انتظام رائج تھا وہ قابلِ اطمینان نہ تھا۔
بلدے میں کوتوال فوجداری کے مقدمات کا چیف مجسٹریٹ کی حیثیت سے
فیصلہ کیا کرتا تھا۔ بلدے میں دارالقضا، دیوانی بزرگ اور عدالت فوجداری
موجود تھیں۔ اضلاع میں منصف اور میر عدل مقدمات کا فیصلہ
کرتے تھے۔ سراج الملک نے اپنی مدارالمہامی کے زمانے میں اپنے
محل میں عدالت دیوان خانہ قائم کی تھی تاکہ جو مقدمات اہلِ معاملہ
مدارالمہام کے پاس براہِ راست لاتے ہیں وہ اس عدالت کے روبرو
پیش ہوا کریں۔ نواب سالار جنگ نے پورے محکمۂ عدالت کی جدید تنظیم
کی اور عدالتوں کے انصرام کے لئے ایک معتمدی قائم کی اور ۱۲۸۵ھ
میں ایک مجلس قانون (لا کمیٹی) قائم ہوئی تاکہ ملک کے لئے فوجداری اور
دیوانی معاملات کے متعلق گشتیاں جاری کرے۔ انھیں گشتیوں کے
مجموعے پر اور جہاں ان سے مدد نہ ملتی ہو وہاں برطانوی ہند کے مروجہ
قانون پر عمل کیا جاتا تھا۔ اس کمیٹی کی سفارش پر کونسل آف اسٹیٹ
نے بعد میں "قانون محبوبی" کا نفاذ کیا۔ ایک مشیر قانونی کا بھی تقرر
کیا گیا تاکہ ملکی قوانین کی اصلاح اور نظر ثانی ہوتی رہے۔

نواب سالار جنگ نے جو عدالتیں موجود تھیں اُن کی اصلاح کی
اور بعض دوسری عدالتیں بھی قائم کرائیں۔ ان کے عہد میں بلدے میں
یہ عدالتیں تھیں۔

عدالت عالیہ فوجداری ۔ یہاں فوجداری کے مقدمات کی سماعت
ابتدائی حالت میں ہوتی تھی نیز اضلاع کے مرافعے ہوتے تھے۔ اسے

دس سال سے زیادہ سزا دینے کا اختیار تھا۔ اگر سرکاری حکام پر رشوت ستانی کا کوئی الزام ہو تو اس عدالت میں پیش ہوتا تھا۔ اس کے فیصلوں کی توثیق مجلس مرافعہ صدر میں ہوتی تھی۔

مجلس مرافعہ صدر۔ ایک صدر اور چار ججوں پر مشتمل تھی۔ یہاں دیوانی، فوجداری اور مال کی مختلف عدالتوں کے مرافعے ہوسکتے تھے۔ اسے عدالت بادشاہی بھی کہتے تھے۔

بلدے کی دوسری عدالتیں یہ تھیں: عدالت دیوانی بزرگ، عدالت دیوانی خورد، دارالقضا، مجلس تصفیہ مقدمات ساہوکاران اور عدالت کروڑگیری۔ عدالت دیوانی بزرگ میں ایک ہزار کی مالیت سے زاید کے مقدمات کی سماعت ہوتی تھی اور عدالت دیوانی خورد میں (جسے پہلے عدالت دیوان خانہ یا عدالت چبینی خانہ کہتے تھے) ایک ہزار کی مالیت تک کے مقدمات کی سماعت ہوسکتی تھی۔ ڈگریوں کی تعمیل کے لیے محکمۂ اجرا و تعمیل قائم کیا گیا۔ اگر مجلس مرافعۂ صدر کسی شخص کے لئے موت یا سزائے دوام کی سزا تجویز کرے تو اس کی توثیق مدارالمہام سے لینا ضروری تھا۔ نواب سالار جنگ نے جو عدالتی تنظیم کی اس سے مدارالمہام کے پاس براہ راست مقدمات پیش کرنے کا طریقہ مسدود ہو گیا۔ لیکن صدرالمہام عدالت کو حق حاصل تھا کہ اگر وہ خیال کرے کہ دادرسانی میں خلل واقع ہو رہا ہے تو وہ مدارالمہام کے حکم سے کسی مقدمے پر غور کرا سکتا تھا۔

اضلاع میں صدر تعلقہ داروں کی عدالتیں قائم کی گئیں جہاں مال کے مقدمات کی اپیل ہوسکتی تھی تحصیلداروں اور تعلقہ داروں کو مال کے مقدمات کی سماعت کا حق حاصل تھا۔ اول تعلقہ دار کی عدالت عدالت ضلع کہلاتی تھی۔ اضلاع میں عاملین مقرر کئے گئے جن کے تحت پورا ضلع ہوتا تھا اور جن کی عدالت میں فوجداری کے مقدمات پیش ہوتے تھے۔ نائب اور ناظم کے فیصلوں کی اپیل عدالت عالیہ میں ہوتی تھی۔

سنہ ۱۸۶۳ء میں حکومت سرکار عالی نے برطانوی ریزیڈنٹ کو [illegible]

عدالتی اختیارات اپنی مرضی سے تفویض کر دیئے۔ اگرچہ عملاً ریزیڈنٹ کو اس قسم کے عدالتی اختیارات ریزیڈنسی بازار اور سکندرآباد کی حد تک حاصل تھے۔ لیکن اب اختیارات کی باقاعدہ توثیق کر دی گئی۔ ریزیڈنٹ کو یہ بھی اختیار مل گیا کہ وہ انگریزوں اور دوسرے یوروپینوں اور ان کے وارثوں کے استغاثات کی سماعت کرے جو ممالک محروسہ کے حدود میں مقیم ہیں بعد ازاں ریلوے کی حدود میں بھی ریزیڈنٹ کا اختیار سماعت تسلیم کر لیا گیا۔ بعض صورتوں میں اس کی بھی رعایت رکھی گئی تھی کہ مقدمے کا فیصلہ ایک مشترکہ عدالت کرے جو ایک انگریز افسر جس کو ریزیڈنٹ نامزد کرے اور ایک سرکار عالی کے افسر پر مشتمل ہوگی۔

نواب سالار جنگ نے عدالت کی تنظیم کے ساتھ پولیس کی جدید تنظیم بھی کرائی اور ممالک محروسہ میں جدید ضابطۂ پولیس نافذ کیا گیا۔ ہر ضلع میں ایک مہتمم حکومت کی طرف سے مقرر ہونے لگا جس کے تحت صدر امین اور امین ہوتے تھے۔ ان تمام عہدہ داروں کا تقرر محکمۂ سرکار سے ہوتا ہے۔ پرانی ضلع واری تنظیم کی جگہ باقاعدہ امین، جمعدار اور دفعدار کے عہدے قائم کیے گئے جن پر موزوں اشخاص مقرر کیے جاتے تھے۔ ممالک محروسہ کے تمام اضلاع میں تقریباً دس ہزار کانسٹیبل مقرر کیے گئے تاکہ گاؤں گاؤں حکومت کے نمائندے امن و امان قائم کرتے اور رعایا کے جان و مال کی حفاظت کے لیے پھیل جائیں۔ پہلے پولیس کا انتظام تعلقہ داروں کے تحت تھا۔ اب اس محکمے کو اس کی اہمیت کے مدنظر ایک اعلیٰ افسر پولیس کے تحت کر دیا گیا۔ بلدے میں کوتوال کے عہدے کی اہمیت برقرار رہی لیکن اس کے سابقہ اختیارات میں کمی کر دی گئی۔ بلدے کی پولیس کی جمعیت بمقابلہ پیشتر کے تعداد میں کافی بڑھا دی گئی۔ پولیس کا محکمہ صدر المہام کوتوالی کے تحت تھا۔ پولیس اور عدالت کی جدید تنظیم سے ملک میں جرائم کی کمی ہوئی اور رعایا کو امن و عافیت نصیب ہوئی۔

اور دوسرے محکمے جن کی تنظیم کی طرف نواب سالار جنگ نے توجہ مبذول کی طبابت، تعمیرات، کروڑگیری، جنگلات، پولیس، صفائی اور تعلیمات ہیں۔ ان سب محکموں کی تنظیم سے رعایا کی مادی اور اخلاقی مرفہ الحالی میں اضافہ ہوا۔ لائق افراد کو ان کے انتظام پر مقرر کیا گیا۔ چیف انجینیر، ایک ناظم تعلیمات اور ناظم طبابت کا تقرر پہلی مرتبہ نواب سالار جنگ کے حکم سے ہوا۔ ہر ضلع میں دواخانے اور مدرسے کھلوائے گئے۔ مدارس میں جب یہ مضامین جیسے انگریزی، جغرافیہ، تاریخ اور حساب کو رواج دیا گیا۔ شروع میں مدرسوں کا تعلق بھی بورڈ آف ریونیو سے تھا لیکن بعد میں ایک بورڈ آف ایجوکیشن علیحدہ قائم کر دیا گیا۔ سالار جنگ کے عہد سے قبل ممالک محروسہ کی تعلیمی حالت ناقابل اطمینان تھی۔ حکومت نے اس جانب کوئی خاص توجہ نہیں کی تھی۔ ۱۸۵۵ء میں سالار جنگ نے دارالعلوم کی بنا ڈالی۔ ۱۸۵۹ء میں سٹی مدرسہ ہائی اسکول قائم ہوا اور ۱۸۷۰ء میں چادرگھاٹ مدرسہ ہائی اسکول کی بنا پڑی جہاں مدراس یونیورسٹی کے میٹرک کا امتحان ہوتا تھا۔ مدرسہ عالیہ طبقۂ امرا کے بچوں کے لیے قائم کیا گیا جو بعد میں ترقی کر کے نظام کالج ہو گیا۔ سٹی کالج کی بھی اسی زمانے میں بنا پڑی۔ ایک اسکول سول انجینیرنگ کی تعلیم کے لیے ۱۸۷۰ء میں قائم کیا گیا تاکہ یہاں کے کامیاب طلبا کو تعمیرات کے محکمے میں موزوں خدمات دی جا سکیں۔ استادوں کے لیے نارمل اسکول بھی قائم کیا گیا۔ عیسائی مشنریوں کے جو اسکول قائم ہوئے انھیں بھی سرکاری امداد دی گئی تاکہ انگریزی تعلیم کو ممالک محروسہ میں فروغ حاصل ہو۔ حکومت کے میزانیے میں تعلیم پر اب دو لاکھ روپے سالانہ خرچ ہونے لگے حالانکہ پہلے اس مد میں کوئی رقم مختص نہیں کی جاتی تھی۔

نواب سالار جنگ نے ملک کا سارا نظم و نسق چار صدر المہاموں پر تقسیم کر دیا۔ ہر صدر المہام کا ایک معتمد ہوتا تھا۔ یہ عہدیدار صدر المہام معین المہام کہلانے لگے جنھیں بعض اپنے محکمے تفویض کیے گئے جو پہلے مدار المہام کے تحت تھے۔

صدر المہام مال گزاری کے تحت جنگلات، آبکاری، کروڑگیری، نمک سازی، اسٹامپ، انعامات، تشخیص مال گزاری، بندوبست کے محکمے تھے۔ صدر المہام کوتوالی کے ذمے ممالک محروسہ کی پولیس کا انتظام تھا۔ صدر المہام عدالت ملک کا عدالتی انتظام کرتا تھا۔ صدر المہام متفرقات کے تحت تعمیرات، بلدیہ، تعلیمات، طبابت، سڑکیں اور امور مذہبی کے محکمے تھے۔ سب صدر المہام مدار المہام کے تحت ہوتے تھے۔ مدار المہام براہ راست مندرجہ ذیل محکموں کا ذمہ دار تھا۔ افواج (باقاعدہ و بے قاعدہ)، التمغا جاگیرات، تنخواہ بحالات، صرف خاص، محاسبی، ٹپہ، ریلوے، سکہ سازی اور امور خارجی۔

نواب سالار جنگ کی خارجی حکمت عملی استرداد برار کے متعلق رہی۔ ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے معاہدوں کی رو سے انگریزی حکومت نے وعدہ کیا تھا کہ کنٹنجنٹ اور برار کے نظم و نسق کے اخراجات نکالنے کے بعد جو رقم بچے گی وہ سال بسال سرکار نظام کو حوالے کر دی جایا کرے گی لیکن اول تو کنٹنجنٹ کے اخراجات میں اضافہ عمل میں آیا اور برار کے انتظامات پر اس قدر کثیر رقم صرف کی جانے لگی کہ سرکار نظام کو ادا کرنے کے لئے بہت کم رقم بچنے لگی۔ چنانچہ ۱۸۶۰ء سے ۱۸۹۰ء تک جو بچت کی رقم سرکار نظام کو ادا کی گئی اس کا اوسط سالانہ نو لاکھ سے زیادہ نہ بڑھ سکا۔ حالاں کہ برار کی آمدنی اس دوران میں ۳۲ لاکھ سے بڑھ کر ایک کروڑ روپے تک پہنچ چکی تھی۔ ۱۸۶۰ء میں لارڈ کیننگ نے نواب افضل الدولہ سے خواہش ظاہر کی تھی کہ اضلاع برار کو ناگ پور کی کمشنری سے ملحق کر دیا جائے۔ نواب سالار جنگ نے اس تجویز پر اعتراض کیا کہ اگر ایسا کیا گیا تو اضلاع برار کی بھی وہی حیثیت ہو جائے گی جو کڑپہ اور بلاری کے مفوضہ علاقوں کی ہے۔ نواب سالار جنگ نے اس ضمن میں حکومت ہند کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ اضلاع برار پر سرکار نظام کی سیادت قائم ہے جس کو

تسلیم کرنا چاہیے۔ چنانچہ حکومت ہند نے سرکار نظام کو یقین دلایا کہ "گورنر جنرل باجلاس کونسل اضلاع برار کو کلیتہً نواب نظام الملک کے مقبوضات کا ایک حصہ سمجھتے ہوئے اور برٹش گورنمنٹ کے کسی ضلع میں ان کو ضم کرنے سے احتراز کرتے ہوئے محض انتظامی سہولت اور خرچ کی کفایت کے لیے یہ چاہتے ہیں کہ ان اضلاع کو کمشنر ناگپور کی نگرانی میں دے دیں۔ اس طریقے سے جوڈیشل کمشنر کا عہدہ توڑ دیا جا سکے گا۔ اضلاع مفوضہ کے انتظام کے لیے دوسرا عملہ جو حیدرآباد میں رکھا جاتا ہے وہ بھی موقوف کیا جائے گا اور تخفیف اخراجات کے ضمن میں دوسری اصلاحات عمل میں لائی جا سکیں گی" (مسٹر بینگ ڈپٹی سکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا کا مراسلہ مورخہ ۵ ستمبر ۱۸۶۰ء نمبر (۳۸۸۹) صیغۂ خارجہ)۔

۱۸۶۶ء میں نواب سالار جنگ نے برٹش گورنمنٹ سے درخواست کی کہ اگر برار کے اضلاع سرکار نظام کو واپس کر دیے جائیں تو سرکار نظام کنٹنجنٹ کے اخراجات کے لیے نو کروڑ روپے کا سرمایہ جمع کیے دیتی ہے تاکہ اس کے سود سے کنٹنجنٹ کے خرچ کی پابجائی ہو سکے۔ حکومت ہند نے بجائے اس کے کہ سرکار نظام کے مطالبے پر انصاف اور ہمدردی سے غور کرتی یہ جواب دیا کہ "گورنمنٹ ہند کے لیے یہ امر بہت تکلیف دہ ہے کہ کسی دیسی ریاست کی درخواست پر سخت الفاظ میں کلام کرے لیکن سالار جنگ کے خط میں فضول ادعا کی جو کوشش کی گئی ہے جو ان کے شاہی آقا کے مرتبے اور خود ان کی شان تدبر دونوں کے خلاف ہے وہ گورنر جنرل کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں کہ وہ بتلا دے کہ آیندہ سے دربار حیدرآباد کی خط و کتابت اس سے زیادہ سنجیدگی اور ہوشمندی کے ساتھ ہونی چاہیے۔ حکومت ہند اپنی اس خود بیرونی سرپرستی کہ معاہدوں کے ذریعے ارضی ضمانت (ٹیریٹوریل گارنٹی) دے رکھی ہے اس لیے نقد مالی رقم ادا کرنے یا اس کا سرمایہ قائم کرنے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ وزیر ہند نے بھی حکومت ہند کی رائے کی

تائید کی اور ریزیڈنٹ حیدر آباد نے صاف طور پر نواب سالار جنگ کو مطلع کر دیا کہ اب آئندہ وہ مسئلہ برار کے متعلق کوئی خط حکومت ہند کو بھیجنے کے لیے وصول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اس پر نواب سالار جنگ اور اُن کے رفیق کار نواب شمس الامرا امیر کبیر نے جواب دیا کہ برار کی نسبت وہ حکومت ہند کی رائے کو کبھی بھی آخری فیصلہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ انگریزی حکومت نواب سالار جنگ سے ناراض ہو گئی لیکن انھوں نے اس کی مطلق پروا نہیں کی اس واسطے کہ جس بات کو حق سمجھتے تھے اس پر قایم رہنا اپنا فرض خیال کرتے تھے۔ بالآخر نواب سالار جنگ نے اس معاملے کی یکسوئی کے لیے خود انگلستان جانے کا فیصلہ کیا تاکہ وزیر ہند سے بالمشافہ گفتگو کر سکیں۔ چنانچہ سنہ ۱۸۷۶ء میں انھوں نے مدار المہامی کا کام نواب شمس الامرا کے سپرد کیا اور انگلستان روانہ ہو گئے۔ وہاں نواب سالار جنگ کی سرکاری طور پر آؤ بھگت ہوئی اور اُن کی دیرینہ خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ وزیر ہند، پرنس آف ویلز اور ملکۂ وکٹوریہ نے انھیں دعوتوں پر مدعو کیا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی نے ڈی سی ایل کی اعزازی ڈگری انھیں دی۔ نواب سالار جنگ انگلستان میں دو ماہ رہے۔ اگرچہ اُن کی بہت کچھ خاطر مدارات کی گئی لیکن برار کے معاملے میں یکسوئی نہ ہونی تھی نہ ہوئی۔ معاملہ جہاں تھا وہیں رہا۔ وزیر ہند نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ چوں کہ نواب میر محبوب علی خاں ابھی نابالغ ہیں اس لیے مناسب نہیں کہ اُن کی کم عمری میں اس اہم مسئلے کو چھیڑا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی معقول عذر نہ تھا اس واسطے کہ خود انگلستان کی تاریخ میں ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ بادشاہ کی نابالغی کے زمانے میں مجلس تولیت نے نہایت اہم سیاسی اور دستوری قضیے طے کیے اور اسی طرح دوسرے ملکوں کی تاریخ میں بھی اس قسم کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ وزیر ہند نے نواب سالار جنگ کو یقین دلایا کہ جب ہز ہائینس اپنی ریاست کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد یہ خواہش کریں گے کہ انگریزی حکومت

اور سرکار نظام کے ان معاملات پر جو از روئے معاہدہ طے ہوئے ہیں نظر ثانی کی جائے تو حکومت برطانیہ ہز ہائینس کی درخواست پر غور کرے گی۔ لیکن یہ ریاست حیدر آباد کی بدقسمتی تھی کہ اعلیٰحضرت مرحوم کی باقاعدہ تخت نشینی سے ایک سال قبل یعنی ۱۸۸۳ء میں نواب سالار جنگ راہی ملک بقا ہو چکے تھے۔ اس کے بعد کچھ عرصے تک برار کا مسئلہ پس پشت ڈال دیا گیا۔

نواب سالار جنگ کے انتقال کے بعد انگریزی حکومت کے ایما پر راجا نریندر بہادر اور نواب لائق علی خاں سالار جنگ دوم فرزند نواب سالار جنگ اول کو مکمل نظم و نسق سپرد کیا گیا۔ راجہ نریندر بہادر ریزیڈنسی کے اشارے پر چلتے تھے۔ اگرچہ نواب سالار جنگ اول کی انتظامی اصلاحات کا عام ملکی در و بست پر اچھا اثر موجود تھا لیکن باوجود اس کے نظم و نسق کے بعض شعبوں میں ابتری کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے[1]۔ اس بد انتظامی کی اصل وجہ راجا نریندر بہادر اور نواب لائق علی خاں کی باہمی مخالفت تھی جب بد انتظامی میں اضافہ ہونے لگا تو ریزیڈنسی کے ایما پر ایک کونسل آف ریجنسی قایم کی گئی جس میں راجا نریندر بہادر، سر آسماں جاہ بہادر اور نواب خورشید جاہ بہادر اراکین تھے اور نواب لائق علی خاں اس کونسل کے معتمد تھے۔ اس کونسل میں راجا نریندر بہادر کو بحیثا رکن اول دوسرے اراکین پر فوقیت حاصل تھی۔

۱۸۸۴ء میں نواب میر محبوب علی خاں وایسرائے ہند لارڈ رپن سے ملاقات کے لیے کلکتے تشریف لے گئے اور اُسے حیدر آباد آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ چند ماہ کے بعد لارڈ رپن حیدر آباد آیا اور نواب میر محبوب علی خاں کی مسند نشینی کی رسم ادا کی اور حکومت کے کامل اختیارات جو نابالغی کی وجہ سے ریجنسی استعمال کر رہی تھی اعلیٰحضرت مرحوم کو حاصل ہو گئے

[1] Blunt, India undes Ripon, P. 62.

مسند نشینی کے روز اعلیٰحضرت مرحوم نے میر لائق علی خاں سالار جنگ دوم کو مدار المہامی کے عہدے پر سرفراز کیا۔ ان کی مدار المہامی کے زمانے میں صدر المہاموں اور معین المہاموں (نائب وزرا) کے فرائض ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیئے گئے اور ایک کونسل آف اسٹیٹ (مجلس سلطنت) قائم کی گئی جس کی صدارت خود اعلیٰحضرت مرحوم بہ نفس نفیس فرماتے تھے۔ اس مجلس میں نواب خورشید جاہ، سر آسمان جاہ، نواب وقار الامراء اور راجہ نریندر بہادر رکن تھے۔ سنہ ۱۸۸۶ء میں ایک جدید محکمہ فینانس اور سیاسیات کا قائم کیا گیا۔ آہستہ آہستہ یہ محکمہ سول محکموں میں سب سے اہم اور افضل قرار پایا۔ رعایا کی حفاظت کے لئے بلدۂ حیدرآباد میں مجلس صفائی اور اضلاع میں مجالس لوکل فنڈ قائم کی گئیں اور مقامی ضروریات کے لئے انہیں محصول عاید کرنے کا اختیار دیا گیا۔ میر لائق علی خاں سالار جنگ دوم نے اعلیٰحضرت مرحوم سے ناموافقت کے باعث سنہ ۱۸۸۷ء میں استعفیٰ دے دیا۔ اس کے بعد ایک سال تک اعلیٰحضرت مرحوم بغیر کسی مدار المہام کے بہ نفس نفیس حکومت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ پھر نواب سر آسمان جاہ کو مدار المہامی کے عہدے پر سرفراز فرمایا۔ نواب سر آسمان جاہ کی مدار المہامی کے زمانے میں صنعت و حرفت اور آبپاشی کے محکموں میں ترقی ہوئی۔ اگرچہ ریل کا افتتاح نواب سالار جنگ اول کی مدار المہامی میں سنہ ۱۸۷۴ء میں ہو چکا تھا اور حیدرآباد سے واڑی ۱۲۱ میل ریل کا اجرا ہو چکا تھا لیکن ریلوے کی توسیع بعد میں سر آسمان جاہ کے عہد میں ہوئی۔ ورنگل سے چاندا تک ریل کا اجرا عمل میں آیا جس پر حکومت نے ایک کروڑ بیس لاکھ روپے صرف کئے۔ سنہ ۱۸۸۵ء میں نظام گارنٹیڈ اسٹیٹ ریلوے کمپنی کو ممالک محروسہ کی ریلوے لائنوں کا حق ملکیت سولہ لاکھ چھیاسٹھ ہزار پونڈ کے معاوضہ میں فروخت کر دیا اور بیس سال تک ۵ فی صدی سود کی ضمانت کمپنی نے کر دی۔

بعد میں سنہ ۱۸۹۷ء میں چار کروڑ روپے کے صرفے سے حیدرآباد سے منماڑ تک تقریباً چار سو میل لمبی ریلوے لائن نکل گئی جس کے باعث سفر اور تجارت میں بڑی سہولت ہو گئی۔ ریلوں کی وجہ سے ملک کی صنعت و حرفت کو ترقی ہوئی اور تجارت میں اضافہ ہوا۔

آسمان جاہ نے مجلس سلطنت (کونسل آف اسٹیٹ) کو موقوف کر کے اس کی جگہ کیبنٹ کونسل قایم کی جو حکومت کے اعلیٰ عہدہ داروں کی مجلس شوریٰ تھی اور جس میں ریاست کا سالانہ موازنہ پیش ہوتا تھا اور اہم انتظامی مسایل پر مشورہ کیا جاتا تھا۔ اس میں مدارالمہام اور کل معین المہام اور پیشکار شرکت کرتے تھے۔ مدارالمہام جلسوں کی صدارت کرتا تھا۔ اگر مدارالمہام اور کسی معین المہام میں اختلاف ہوتا تو کیبنٹ کونسل میں پیش کیا جاتا تھا پیشتر اس کے اعلیٰحضرت مرحوم کے پاس اس مسئلے کو رجوع کیا جاتا تھا اور تمام امور اعلیٰحضرت مرحوم کے سامنے پیش ہونے سے قبل کونسل میں پیش ہوا کرتے تھے۔ آسمان جاہ نے نواب وقار الملک کو معتمدی سے ہٹا کر اپنی پیشی میں لے لیا تھا۔ چنانچہ عملاً ملک کا نظم و نسق سنہ ۱۸۹۲ء تک انہیں کے ہاتھوں انجام پاتا رہا جب کہ آسمان جاہ کی جگہ وقار الامرا مدارالمہام مقرر ہوئے۔

سنہ ۱۸۸۶ء میں ہندوستان پر روسی حملے کا خطرہ ہوا تو انگریزی حکومت کو سرحدی استحکامات پر بہت کچھ روپیہ خرچ کرنا پڑا چنانچہ اعلیٰحضرت مرحوم نے انگریزی حکومت کا ہاتھ بٹانے کے لیے ساٹھ لاکھ روپے عنایت فرمائے تاکہ اس رقم کو شمال مغربی سرحد کی حفاظت کے کام میں صرف کیا جائے۔ لارڈ ڈفرن وائسرائے ہند نے اپنی پٹیالہ والی تقریر میں اعلیٰحضرت مرحوم کا شکریہ ادا کیا اور دوسرے والیان ملک کو اس مثال کی تقلید کی طرف متوجہ کیا تاکہ وہ سب بھی حکومت برطانیہ کی حفاظت ہند کی ذمہ داری میں شریک ہوں لیکن بعد میں غور کرنے کے بعد لارڈ ڈفرن نے اعلیٰحضرت مرحوم سے درخواست کی کہ

وہ ممالک محروسہ کے اندر سواروں کا ایک دستہ مرتب کریں جس کا کل خرچ سرکار عالی کے ذمے ہو اور وہ امپیریل سروس ٹروپس کے نام سے مشہور ہو۔ اس فوج کو جدید ترین طریقے پر فن جنگ کی تعلیم دی جائے اور جب کبھی برٹش گورنمنٹ کو ضرورت ہو تو اس فوج کو استعمال کر سکے۔ اُس ساٹھ لاکھ روپیہ سے جو اعلیحضرت مرحوم نے حکومت ہند کو بطور عطیہ دیے تھے امپیریل سروس ٹروپس کی ابتدائی تنظیم کی گئی۔ مشتاق حسین نواب وقار الملک نے حکومت ہند کی اس تجویز سے اختلاف کیا۔ اُن کا کہنا یہ تھا کہ سب سی ڈیری اور کنٹنجنٹ کی دو علحدہ علحدہ فوجوں کے موجود ہوتے ہوئے ایک اور تیسری نئی فوج کی کوئی ضرورت نہیں سب سی ڈیری فوج کے ضمن میں سلطنت حیدرآباد نے کڑپہ کرنول اور بلاری کے اضلاع جن کی مجموعی سالانہ آمدنی ایک کروڑ کے لگ بھگ تھی حکومت ہند کے حوالے کیے کنٹنجنٹ کے سلسلے میں برار کے اضلاع سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اب تیسری فوج کے خرچ کے ضمن میں نہ معلوم کوئی اور حصۂ ملک انگریزی حکومت کے تفویض کرنا پڑے۔ ان اعتراضات سے حکومت ہند بہت ناراض ہوئی اور کوئی معقول جواب نہیں دیا۔ وہ ارادہ کر چکی تھی کہ امپیریل سروس ٹروپس کی بنا حیدرآباد میں پڑے تاکہ دوسرے والیان ملک کو بھی اس قسم کی فوج تیار کرنے کی ترغیب دی جائے اور بلا کسی خرچ کے ایک بڑی فوج اس طرح ہمیشہ تیار رہے جسے امپیریل مقاصد کے لیے استعمال کیا جا سکے۔ چنانچہ یہی ہوا حیدرآباد کی طرح دوسری ریاستوں نے بھی امپیریل سروس ٹروپس اپنے اپنے یہاں قایم کیں اور حکومت ہند نے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ وقار الملک کو انگریزی حکومت کے ایما پر ریاست حیدرآباد کی خدمت سے سبکدوش کر کے وظیفہ دے دیا گیا۔

سر آسماں جاہ کے مستعفی ہونے پر ۱۸۹۲ء میں اُن کے چچازاد بھائی نواب وقار الامرا مدار المہام مقرر ہوئے۔ اُن کی مدار المہامی کے پہلے سال میں اعلیحضرت مرحوم نے قانونچۂ مبارک نافذ فرمایا جس میں مدار المہام اور معین المہاموں کے اختیارات اور فرایض کی حد بندی کی گئی تاکہ نظم و نسق میں سہولت ہو۔ اس کی تکمیل قواعد قانونچہ کے ذریعے کی گئی تاکہ مختلف محکموں کے اختیارات معین ہو جائیں اور ان میں آپس میں تصادم نہ ہونے پائے۔ اس کے تقریباً ایک سال بعد بذریعۂ فرمان مبارک مورخۂ ۲۰ رفروری ۱۸۹۳ء ایک مجلس وضع قوانین قایم

کی گئی تاکہ سرکاری اعلیٰ عہدہ داروں اور غیر سرکاری اراکین کو موقع ملے کہ وہ آپس کے مشورے اور بحث و تمحیص کے بعد ملک کے لئے موزوں قوانین مرتب کریں جو اعلیٰحضرت کی منظوری کے بعد نافذ کئے جائیں مجلس وضع قوانین شروع میں صرف چھ ارکان پر مشتمل تھی لیکن ایک سال بعد ۱۹ ارفروری ۱۸۹۴ء اس میں توسیع کی گئی۔ مدار المہام کو اس کی صدارت تفویض ہوئی۔ مجلس مندرجۂ ذیل ارکان پر مشتمل تھی:۔

ارکان بلحاظ عہدہ	
چیف جسٹس	۱
جوڈیشل سکریٹری	۱
مشیر قانونی	۱
سرکار عالی کے نامزد کردہ ارکان	۶
منتخب شدہ غیر سرکاری ارکان	
طبقۂ وکلا میں سے ۲، اور طبقۂ جاگیرداران میں سے ۲	۴
غیر سرکاری نامزد شدہ ارکان	۲
	۱۵

سنہ ۱۹۰۰ء میں مجلس وضع قوانین میں دو سرکاری نامزد شدہ ارکان کا اضافہ کیا گیا۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں مدار المہام کو اختیار دیا گیا کہ وہ کسی مسودۂ قانون کو پیش ہونے کے وقت دو غیر معمولی ارکان بطور ماہرین رکن مقرر کرے۔ سنہ ۱۹۱۱ء میں تین غیر سرکاری ارکان کا مزید اضافہ عمل میں آیا۔ ایک حیدرآباد بلدیہ کی طرف سے اور دو چاروں صوبوں کی مجالس ضلع (ڈسٹرکٹ بورڈز) سے باری باری سے مقرر ہوں گے سنہ ۱۹۱۳ء میں فرمان مبارک کے ذریعے صرف خاص کے ایک رکن کا اضافہ ہوا غرض کہ اس طرح اب مجلس وضع قوانین ۲۱ ارکان پر مشتمل ہے۔ ارکان کی میعاد عہدہ دو سال ہے۔ ہر مسودۂ قانون کو ایک مجلس منتخبہ کے غور کے لیے پیش کر دیا جاتا ہے جو مجلس وضع قوانین میں اپنی رپورٹ پیش کرتی ہے اور اگر اس میں کوئی ترمیم پیش کرتا ہے تو اس وقت پیش کی جاتی ہے۔ اس کے بعد جب مسودۂ قانون غلبۂ آرا سے منظور ہو جاتا ہے تو اعلیٰحضرت کی منظوری

کے لئے پیش ہوتا ہے بعض ایسے مسودات قانونی جو غیر مختلف فیہ ہوں بغیر مجلس تنقیحیہ میں پیش ہوئے بھی مجلس وضع قوانین میں منظور ہو جاتے ہیں لیکن مجلس وضع قوانین کے کسی منظور شدہ مسودۂ قانون سے اعلیحضرت بندگان اقدس کے حقوق مقتدرانہ متاثر نہیں ہو سکتے اور کوئی مسودۂ قانون اُس وقت تک ملکی قانون نہیں بن سکتا جب تک کہ اعلیحضرت نے منظوری صادر نہ فرمادی ہو سنہ ۱۸۹۳ء سے لے کر آج تک یہی دستور چلا آرہا ہے۔

سنہ ۱۹۰۱ء میں وقارالامرا کے انتقال پر مہاراجہ سرکشن پرشاد مدارالمہامی پر فائز ہوئے۔ ابھی انھوں نے مدارالمہامی کا جایزہ لیا ہی تھا کہ برار کا مسئلہ درپیش ہوا سنہ ۱۹۰۲ء کے شروع میں وائسرائے ہند لارڈ کرزن خود حیدرآباد آئے تا کہ اس مسئلے کے متعلق اعلیحضرت مرحوم سے بذریعۂ معاہدہ یکسوئی کرلیں۔ اعلیحضرت مرحوم اور امرا و اعیان سلطنت اضلاع برار کو دوامی طور پر انگریزی حکومت کے تفویض کرنے کے خلاف تھے اس لیے کہ سنہ ۱۸۵۳ء اور سنہ ۱۸۶۰ء کے معاہدوں کی رو سے برار کے اضلاع عارضی طور پر بطور امانت (ٹرسٹ) حکومت ہند کے تفویض کیے گئے تھے تا کہ کنٹنجنٹ کے اخراجات کی پابجائی ہو سکے۔ لیکن لارڈ کرزن کا اصرار تھا کہ برار پر انگریزی حکومت کو دوامی پٹے کے حقوق حاصل ہونے چاہئیں۔ چنانچہ اس معاہدے پر دستخط کرنے سے قبل اعلیحضرت مرحوم نے سعی فرمائی کہ دوامی پٹے کی شرط نہ منظور کرائی جائے اور اضلاع برار سرکار نظام کو واپس دے دیئے جائیں لیکن لارڈ کرزن نے صاف صاف کہہ دیا کہ "میں یور ہائینس کو کسی غلط امید میں نہیں رکھنا چاہتا میں بالکل صفائی کے ساتھ کہتا ہوں کہ محض میری ہی نہیں بلکہ تمام وائسراؤں کو جو میرے بعد آئیں گے یہی حکمت عملی ہوگی اور انگلستان میں بھی حکومت کی یہی پالیسی رہے گی کہ برار کو کبھی واپس نہ کیا جائے" اعلیحضرت مرحوم نے خیال فرمایا کہ جب برار کو واپس حاصل کرنا ممکن نہیں تو بہتر ہے کہ موجودہ حالات کو برقرار رکھنے کے بجائے حکومت ہند کو اسے پٹے پر اُٹھا دیا جائے اور اس کے عوض کچھ مستقل رقم حاصل کرلی جائے چنانچہ یہ طے ہوا کہ اضلاع برار پر سرکار نظام کے شاہی حقوق برقرار رکھتے ہوئے انھیں حکومت ہند کو انتظامی ضروریات کے مدنظر دوامی پٹے پر دے دیا جائے جس کے عوض حکومت ہند سرکار نظام کو ۲۵ لاکھ روپے سالانہ متعین

اور مستقل طور پر دیا کرے گی حکومت ہند اضلاع مفوضہ میں اپنے حسب صوابدید انتظامات عمل میں لائے گی۔ وہ اس کی بھی مجاز ہوگی کہ جو افواج حیدرآباد کنٹنجنٹ کے نام سے قائم ہیں اُن کی تنظیم جس طرح چاہے کرے۔ البتہ ۱۸۵۳ء کے معاہدے کی دفعہ ۲ میں ہز ہائینس کے مقبوضات کی حفاظت کا جو وعدہ حکومت برطانیہ نے کیا ہے اُسے کما حقہ پورا کیا جائے گا۔؎۱ اس معاہدے کے بعد حکومت ہند نے حیدرآباد کنٹنجنٹ کو امپیریل آرمی میں ضم کر دیا اور یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ ریاست حیدرآباد کی حدود اراضی میں رہے۔؎۲

اعلیحضرت مرحوم کے عہد حکومت کا ایک مشہور واقعہ موسیٰ ندی کی طغیانی ہے۔ ستمبر ۱۹۰۸ء میں شدید اور متواتر بارش کے باعث موسیٰ ندی میں سخت طغیانی آگئی ایسی کہ پہلے کبھی نہ دیکھی تھی اور نہ سنی تھی۔ بیشمار مکان گر گئے اور ہزاروں جانیں ضائع گئیں ہزاروں بچے یتیم اور سیکڑوں سہاگنیں بیوہ ہوگئیں۔ خاص کر ان محلوں میں جو دریا کے کنارے پر تھے تباہی کی حد نہ رہی بیشتر مخلوق گرتے ہوئے مکانوں کے نیچے دب گئی اور بہت سے لوگ غرق ہو گئے شہر کا سب سے زیادہ گنجان حصہ جو پرانے پل کے قریب تھا سب سے زیادہ تباہ ہوا کوئی مکان نام کو باقی نہ رہا اور مخلوق خدا کی پریشانی کا تو اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا سرکار عالی نے اس موقع پر جو انتظام ممکن تھا کیا ساری فوج شہریوں کی جان بچانے اور ملبے کے نیچے دبے ہوئے لوگوں کو کھود کر نکالنے پر مامور کر دی گئی۔ اس طرح ہزاروں کی جانیں بچ گئیں غریب شہریوں کے لیے سرکاری طور پر کئی ہفتے تک کھانے کا انتظام کیا گیا شہر میں پانچ باورچی خانے ہندوؤں اور پانچ مسلمانوں کے لیے کھول دیے گئے تاکہ کوئی فاقے کی مصیبت کا شکار نہ ہو موسیٰ ندی میں پہلے بھی کئی مرتبہ طغیانی آچکی تھی ۱۸۲۲ء میں ۱۸۳۱ء میں اور ۱۹۰۳ء میں سیلاب آئے تھے لیکن ۱۹۰۸ء کی طغیانی ایک عذاب تھا جس کا حال آج تک لوگوں کی زبانی سننے میں آتا ہے۔ بعد میں ہمارے موجودہ حکمراں اعلیحضرت میر عثمان علی خاں خلد اللہ ملکہ کے حکم سے موسیٰ ندی کے پانی کو عثمان ساگر اور حمایت ساگر میں روک لیا گیا ہے اور جس قدر انسانی بس میں ہے آئندہ کے لیے طغیانی کا سدباب کر دیا گیا ہے۔

نواب میر محبوب علی خاں کا ۲۹ اگست ۱۹۱۱ء کو انتقال ہو گیا۔ آپ نے ۴۲ سال حکومت فرمائی آپ اخلاق کریمانہ کے باعث رعایا میں بیحد محبوب تھے۔ آپ کی انصاف پرستی زبان زد خاص و عام تھی۔ آپ کی فیاضی کی دور دور شہرت تھی۔ آپ کے عہد حکومت میں رعایا خوش و خرم رہی اور ملک نے ہر شعبے میں ترقی کی۔

Aitchison's Treaties, engagements and Sanads, relating to India ؎۱ and neighbouring countries, IX, p.175.

Fraser, India under Curzon and after, p. 226 ؎۲

آٹھواں باب

عہد عثمانی

اعلیحضرت نواب میر عثمان علی خاں بہادر ۲۹ اگست ۱۹۱۱ء کو ستائیس سال کی عمر میں تخت و تاج دکن کے مالک بنے۔ شروع ہی سے آپ کے پیش نظر ملک کی فلاح و ترقی رہی ہے۔ آپ کی تخت نشینی کے وقت مہاراجا سرکشن پرشاد مدارالمہام تھے۔ جولائی ۱۹۱۲ء میں ان کی جگہ میر یوسف علی خاں سالار جنگ سوم مدارالمہام مقرر ہوئے۔ لیکن اگست ۱۹۱۴ء میں اس عہدۂ جلیلہ سے سبکدوش ہوگئے۔ چوں کہ یہ زمانہ دنیا کی تاریخ میں نہایت نازک تھا اس لئے حضرت جہاں پناہی نے مدارالمہامی کے فرائض بھی اپنے ہی ذمے کر لیئے۔ اسے دراصل خوش نصیبی سمجھنا چاہیے کہ جنگ اور بعد جنگ کے ہنگاموں میں جب کہ زندگی ہر طرف انقلاب و تغیر سے دوچار ہو رہی تھی سلطنت آصفیہ کے نظم حکومت کی باگ ڈور ایک ایسے صاحب تدبیر کے ہاتھ میں رہی جو زمانے کے نشیب و فراز سے پوری آگاہی رکھتا تھا۔ جنگ کے ہنگامہ خیز زمانے میں حضرت اقدس و اعلیٰ نے سلطنت کے نظم و نسق کو براہ راست اپنے ہاتھ میں لے لیا اس لیئے کہ ایسے نازک زمانے میں صدر عالی کو انتظام مملکت کی جزویات پر بھی حاوی ہونا

ضروری ہوتا ہے۔ لیکن جب دنیا کے دوسرے ملکوں میں امن و عافیت کا نقشہ جمنا شروع ہوا تو ذات شاہانہ نے یہ محسوس فرما کر کہ عمدہ نظم و نسق کے لیئے لازمی ہے کہ مختلف صیغہ جات حکومت کے باہمی تعلقات کو ایک معین اصول پہ مبنی قرار دیا جائے، ایک دستور اساسی کا اعلان فرمایا جو اس وقت تک جملہ حکومتی ضروریات پر حاوی ہے۔ آصف جاہیوں کو ہمیشہ بلا امتیاز نسل و مذہب اپنی رعایا کی ہردلعزیزی حاصل رہی ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ انھیں کی بدولت سرزمین دکن میں بدامنی کے عفریت کا سر کچلا گیا اور مشاغل امن کو فروغ کا موقع ملا۔ کچھ تعجب نہیں کہ جذبہ شکرگزاری عوام کے دلوں میں نسلاً بعد نسل چلا آرہا ہے۔ اور وہ اپنے بادشاہ کو تدبیر و اصلاح اور امن و عافیت کا سرچشمہ تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت جہاں پناہی کی نظر دوربین اور فکر رسا سے یہ امر پوشیدہ نہیں رہا کہ ملک کے مادی ذرایع کی ترقی کا انحصار مختلف انتظامی سررشتوں کے باہمی تعاون عمل پر ہے۔ ذات شاہانہ نے ان نقایص کو محسوس فرما کر جو نظم و نسق میں رخنہ انداز ہورہے تھے تنظیم جدید کا ارادہ فرمایا تاکہ اس قوت کے قیام کا جس پر ترقی کا انحصار ہے خاطر خواہ تعین اور استحکام ہوجائے اور رعایا کی خوش حالی میں اضافہ ہو۔ چنانچہ حضرت جہاں پناہ نے مملکت حیدرآباد کی بہبودی ترقی کے مدنظر ۱۷ نومبر سنہ ۱۹۱۹ء جدید دستور اساسی کا نفاذ فرمایا اور ایک فرمان مبارک دربارہ تنظیم باب حکومت شرف صدور لایا جس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

"سنہ ۱۸۹۳ء میں غفران مکان حضرت والد مرحوم نے اس مملکت کے نظم کے لیئے ایک جدید ضابطہ مرتب فرما کر بنام "قانونچہ مبارک" جاری فرمایا۔ اس تاریخی سرکاری کاغذ میں حضرت غفران مکان نے ان اصول پہ نظر ڈالی جو اس ملک کے نظم کے قدیم دستور تھے اور اس میں ان نقایص پر بھی غور فرمایا جو سر سالار جنگ اول کے انتظامی اصلاحات میں موجود تھے اور جن کی برائیاں دور فرما کر اپنے ارشادات کو الفاظ ذیل پر ختم کیا:

"اس مملکت کا ابتدائی طرز حکومت محض شخصی حکمرانی تھا۔ سالار جنگ اول نے

اسے تقریباً سلطنت منضبط (کانسٹی ٹیوشنل مانرکی) سے مبدل کیا۔ سالار جنگ دوم کی پس روی سے زمام اختیار چند غیر مستحق ہاتھوں میں آگئی۔ اور آسمان جاہ کے نظم میں ان کے مددگار کی ذاتی حکومت اس خودسری تک پہنچی کہ مابدولت کو احساس ہوا کہ بلا تاخیر اس کا انسداد کیا جائے۔"

"پھر اس طرز حکومت کے بین نقایص کی جو محتاج اصلاح تھے صراحت کی گئی۔ جدید طرز عمل میں بعض اصول تاکیداً واجب التعمیل قرار دے کر اپنی عزیز رعایا کے آرام و طمانیت اور خوشحالی کے لئے بہتر سلسلہ نظم کی تجویز کا خیال ظاہر فرمایا۔ حضرت غفران مکاں کا یہ ارشاد ہوا کہ:-

"امن عامہ، رعایا کی بہبودی اور سرکاری خزانے کا مکتفی رہنا حکومت کے معیار ہیں۔ الغرض اس وقت انصرام نظم کے قواعد کی تدوین میں حضرت غفران مکاں کے متذکرۂ صدر عالی خیالات کی کامل تقلید کی گئی اور ان کی تعمیل پر تہدید۔

۱۸۹۸ء میں مرتبہ قواعد موسوم بہ "قواعد قانونچہ" اس غرض سے شایع کیے گئے کہ اصل اصول قانونچۂ مبارک کی بلحاظ تجربہ مابعد توضیح کی جائے۔ یہ توضیح شدہ نظم حضرت غفران مکاں کی پیش از وقت وفات حسرت آیات تک اور نیز بعد تخت نشینی مابدولت تا نہم نومبر ۱۹۱۴ء قائم رہی۔"

"مابدولت نے اس روز بلا توسط احدے نظم حکومت کی ذمہ داریاں اختیار کیں اور جب سے اب تک بغیر معاونت مدار المہام اپنی جانب بہ نفس نفیس کار فرما ہیں۔ انصرام کار حکومت میں اپنی جانب نے وہی روش برابر اختیار کی جو حضرت والد مرحوم غفران مکاں کی جلیل القدر رہنمائی نے بتائی اور جس کا ذکر نہایت خوبی سے قانونچۂ مبارک کے ابتدائی حصے میں آیا ہے۔ بایں ہمہ سابق کے طرز حکومت سے اپنی جانب نے صرف ایک امر میں تجاوز کیا ہے۔ دفاتر کے معمولی روزمرہ کام سے سبکدوشی حاصل کرنے کے لئے معین المہامان و صدر المہامان کے اختیارات میں توسیع

کی گئی۔ اس ملک کے نظم ونسق میں متعدد گوناگوں اصلاحات جو اس وقت تک ہوئے ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دانشمندی و دور اندیشی نے قواعد قانونچۂ مبارک میں کس قدر روح پھونکی ہے اور سلطنت کی مالی حالت میں استحکام کا مادہ پیدا ہوگیا ہے۔ اور سکہ جو اس ملک کا طغرائے امتیاز کہا جاسکتا ہے اس کی بنیاد بھی مستحکم ہوگئی ہے۔ غور کردہ تدابیر وقتاً فوقتاً عمل میں آئی ہیں۔ جدید صیغہ جات جیسے ادارۂ زراعت اور انجمن ہائے قرضۂ امداد باہمی رعایا کی مادی و مالی حالت کی ترقی کی غرض سے قائم کرلئے گئے ہیں۔"

"حکومت کے کام کے ساتھ ذاتی تجربہ نے اس جانب کو صحیح اندازہ کرنے کا موقع دیا کہ تغیر زمانہ و حالات نے کیا کیا نئی ضرورتیں اور حاجیاں پیدا کردیں اور ہر امر جو رعایا کی فلاح و بہبودی میں معین پایا گیا اس نے مابدولت کو مزید کوششوں کی طرف راغب کیا ساتھ ہی ایسا جانب کو ان اہم مسائل کا بھی پورا احساس ہوا جن کے حل و عقد کے لئے بڑی حکمت و دانائی درکار ہے۔ اور ملک کے مادی ذرائع میں اب تک خاطر خواہ ترقی نہیں ہوئی۔ صنعت و حرفت کی توسیع اور عام تعلیم کی ترقی ہنوز کامل توجہ کے محتاج ہیں۔

"وہ حقیقی ہمدردی اور شفقت آمیز فکر جو اپنی رعایا کی فلاح و بہبودی سے متعلق ہے ہمیشہ مابدولت کے مطمح نظر رہی۔ اس کا صحیح اندازہ ان کارروائیوں سے جو اب تک عمل میں آئی ہیں کافی طور پہ نہیں ہوسکتا۔ مابدولت کو ہر وقت خیال رہا کہ جلد کوئی ایسی صورت نکالی جائے جس سے مابدولت کی رعایا زیادہ خوشحال نظر آئے۔ اور نیز یہ کہ وقتاً فوقتاً قحط کے نمایاں ہونے سے جن مصائب کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے حتی المقدور ان کا سدباب ہوجائے۔

"کیونکہ اچھی حکومت کی بنیاد کا انحصار زیادہ تر سلسلۂ سیاسیات پر ہے نہ کہ ذاتی اوصاف حکمرانی پہ۔ اس ستائیس برس کے ممتد زمانے میں

یعنی جب سے کہ ۱۸۹۳ء کے کانسٹی ٹیوشن پر عمل ہونا شروع ہوا اس میں بھی بہت سی خرابیاں جو ہر انسان کے اعمال کا خاصہ ہیں بتدریج داخل ہوکر نمو پاگئیں اور جس وقت سے کہ فرایض مدارالمہامی اس جانب خود انجام دے رہے ہیں متعدد اقسام کے نقایص اور کمزوریاں ما بدولت پر آشکار ہوئیں"

"نظر غایر نے ان نقایص کو عیاں کرکے یہ بھی دکھا دیا کہ کہاں تک وہ اصل مقاصد حاصل نہ ہوئے جو حضرت مرحوم کے مرکوز خاطر تھے اور جن کے واسطے انھوں نے متعدد تاکیدی احکام جاری فرمائے تھے۔ اولاً صیغہ جات کی باہمی مدد و امداد کی کمی ایک ایسا نقص ہے جس سے وقت و محنت کی بربادی اور جس کا لازمی نتیجہ کام کی فضولی ہے۔ ثانیاً یہ کہ معمولی مقدمات کے انفصال میں بھی غیر معمولی تعویق ہوتی ہے اور یہ بھی کہ حکومت کے اصلی فرایض کا مفہوم بعض صیغوں میں ناکافی ہونے سے دوسرے صیغوں کے کام میں بے جا دست اندازی ہوتی ہے جس کا نتیجہ کارروائی میں پیچیدگی و مراسلت میں طوالت ہے"

"ما بدولت کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ فرایض مدارالمہامی کا بڑا حصہ جو گزشتہ پانچ سال سے اس جانب کے دست خاص سے انجام پا رہا ہے اب اس سے ما بدولت سبکدوش ہو جائیں۔ ما بدولت نے تصفیہ کردیا ہے کہ کیبنٹ کونسل برخاست کردی جائے اور ما بدولت کے قطعی و کامل اقتدار کے تحت حکومت کا کام اور اس کی ذمہ داریاں ایک مجلس کے سپرد کی جائیں۔ مملکت کے بہترین نظم کے لیے ما بدولت کا ارادہ ہے کہ وسعت کے ساتھ زیادہ اجتماعی نہ کہ شخصی اختیارات کا عملدرآمد ہو۔ جب ما بدولت کا مصمم ارادہ ہے کہ ایک بڑا حصہ ان فرائض کا جسے مدارالمہام نے انجام دیا ہے جلد سے جلد اگزیکیٹیو کونسل یعنی باب حکومت کے تفویض کیا جائے۔ اراکین باب حکومت کو (جن کا ہر فرد بہ لقب "صدرالمہام" ملقب ہوگا) اس وقت سے منفرداً وہی اختیارات حاصل ہوں گے جو زمانہ مدارالمہامی میں معین المہاموں کو حاصل تھے .... باب حکومت علاوہ صدر اعظم کے

آٹھ ارکین (یعنی سات صدر المہامان صیغہ جات اور ایک صدر المہام اختصاصی) پر مشتمل ہوگا۔ اگر ارکین کی تعداد میں اضافہ مناسب سمجھا جائے گا تو بندگان عالی متعالی بخوشی اس پر غور کریں گے۔ ان ارکین میں سے ایک نائب صدر اعظم (جس کا تقرر بندگان عالی کریں گے) صدر اعظم کی غیر موجودگی میں ان کے فرائض انجام دے گا۔"

بندگان عالی کا منشا اس فرمان کے اعلان سے یہ ہے کہ ان اختیارات و اقتدارات منتقلہ کے فوائد سے جو ایک اچھی گورنمنٹ کی ضروریات کے موافق ہوں حتی الوسع اپنی عزیز رعایا کو بہرہ اندوز کیا جائے اور سرکاری ملازمین کی انتظامی ذمہ داریوں کے دائرے کی توسیع اور ان کی نوعیت کی اصلاح کی جائے۔ بندگان عالی کے عہدہ دار اور غیر عہدہ داروں کے مابین ارتباط کے زیادہ مواقع پیدا کیے جائیں تاکہ رعایا کی فلاح و بہبودی کے مشترکہ کام میں سہولت اور اس قدیم حکومت کی کامیابی و نیک نامی ہو۔ بندگان عالی اپنے تمام ملازمین کو بطور خاص متنبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی مقررہ خدمات کی انجام دہی میں احساس فرائض و حب الوطنی اور نہایت دلچسپی و انہماک سے کام لیں اور ہر فرد کو (خواہ عہدہ دار سرکار ہو یا نہ ہو) سمجھ لینا چاہیے کہ بندگان عالی کی رعایا کے خوش و خرم رکھنے اور فارغ البال بنانے میں جہاں تک اسے موقع ہو حصہ لے۔" پھر افتتاح باب حکومت کے وقت دربار کے موقع پر اعلیٰحضرت نے فرمایا:-

"آج کا دربار ایک ایسے امر کو نمایاں کرنے کی غرض سے منعقد کیا گیا ہے جو اس مملکت کی تاریخ میں نہایت عظیم الشان واقعہ ہے۔ سب کو معلوم ہوگا کہ اس مملکت کا قدیم طرز حکومت ذاتی حکمرانی رہا ہے جس میں انصرام کار بذریعہ دیوان ہوتا رہا ہے اور یہ بھی ایک تاریخی واقعہ ہے کہ باستثنائے چند قابل قدر افراد کے وزرائے سلف نے کن کن طریقوں سے اپنے آقا کی حکومت میں ضعف پیدا کرنے کی تدابیر پیش نظر رکھیں گو رعایا اور ملازم کی حیثیت سے وفا شعاری ان کا عین فرض تھا۔ دفاتر سرکاری میں وافر

مواد موجود ہے جو حدود و اختیار سے تجاوز کر کے باہمی تعلقات میں بدمزگی، خوبی انتظام میں خلل اور فلاح عامہ میں نقصان پیدا کرنے کی شہادت دیتا ہے۔

حکومت کی ہوس نے خواہ وہ حکومت کیسی ہی ناجائز یا خلاف ضابطہ کیوں نہ ہو لازمی طور سے تدبیر اور اصلاح کے سرچشموں کو خشک کر دیا۔ یکے بعد دیگرے متعدد وزرا کے طرز عمل نے ان نقایص کو اور بھی واضح کر دیا جو اس طریقۂ حکومت میں موجود تھے۔ میرے والد مرحوم حضرت غفران مکاں نے سالار جنگ اول کی وفات کے بعد ان کے مرتبہ طرز حکومت کی کافی آزمایش کر کے ان نقایص کو محسوس فرمایا جو اس میں موجود تھے اور سنہ ۱۸۹۳ء میں "قانونچۂ مبارک" نافذ فرمایا جس میں مدار المہام اور معین المہاموں کے اختیارات اور فرایض کے حدود معین کیے گئے۔ اس کے بعد اور ایک دفعہ اصلاح انتظام کی طرف ان کی توجہ مبذول ہوئی اور قواعد "قانونچۂ مبارک" کی اشاعت عمل میں آئی۔"

"جب کہ خود مابدولت نے اپنی تخت نشینی کے بعد ہی مسایل انتظام کو نظر غائر سے ملاحظہ شروع کیا تو یہ خیال یقین کے درجے تک پہنچ گیا کہ موجودہ طریقۂ حکومت کے نقایص کو دور کرنا ممکن نہیں ہے تاوقتیکہ اس کی ترکیبی حالت میں اصلاح نہ کی جائے۔ پس کامل غور و فکر کے بعد مابدولت نے انتظام مملکت کا بار گراں خود برداشت کرنا قبول فرمایا۔ اس پانچ سال کی مدت دراز تک انصرام کار کی سعی بلیغ کے ساتھ ساتھ اپنی عزیز رعایا کی فلاح و بہبودی کے ذرایع کا قیام اور استحکام مابدولت کا مطمح نظر رہا ہے کیونکہ ان کی ترقی و خوشحالی اور فارغ البالی میں مابدولت کی شفقت آمیز دلچسپی لازوال ہے۔ اس وقت تک کے خاص ذاتی تجربے نے مابدولت پر ظاہر کر دیا کہ موجودہ انتظام میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ انقلاب زمانہ، زمانۂ حال کی زندگی کے پیچیدہ مسایل، مشرقی اقوام کا جدید سیاسی احساس اور خود اس ملک کے اندرونی و بیرونی تعلقات کے نازک مسایل نے ذاتی

حکومت کے بار کو اس قدر گراں کر دیا ہے کہ اس سے ایک حد تک سبکدوشی حاصل کرنے کے لئے فوری تدابیر کی ضرورت ہے۔

"چونکہ یہ ممکن نہ تھا کہ پھر وہی طریقہ اختیار کیا جائے جس کی ناکامی اس کو غیر مفید ثابت کر چکی تھی لہذا بندگان اعلیٰ حضرت بدولت نے غور و خوض کے بعد تنظیم جدید کا مصمم ارادہ کیا تاکہ اس سے انتظام ریاست کی کافی اصلاح اور اس قوت کے قیام کا جس پر ترقی منحصر ہے کافی تیقن ہو جائے۔ اور ممالک کے تجربے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جو حکومت کونسل کے ذریعے عمل میں آئے اس کو کئی وجوہ سے ایسی حکومت پر ترجیح ہے جو کسی ایک عہدہ دار کے ہاتھ میں رہے خواہ وہ کیسا ہی لائق و سر برآوردہ کیوں نہ ہو پس بندگان بدولت کی دلی خواہش یہ ہے کہ اپنی رعایا کو اس مرجح طرز حکومت کے فوائد سے مستفید ہونے کا موقع دیں۔ نظر بر اں بندگان بدولت نے بذریعۂ فرمان امروزہ ایک اکزیکیٹیو کونسل (یعنی باب حکومت) قائم فرمایا ہے جو ایک صدر اعظم سات ارکان معمولی اور ایک رکن اختصاصی (جن سے کوئی صیغہ متعلق نہ ہوگا) سے مرکب ہوگی۔

"ایسی کونسل کے قیام سے ہر شعبۂ نظم مملکت کو تقویت ہوگی اور ان مسائل کے حل کرنے میں جو اس ملک کے وسیع اور اہم اغراض سے متعلق ہیں اور جن کا خاص بندگان بدولت کے حکم سے تصفیہ ہوگا کونسل کے مشورے سے بیش بہا مدد مل سکے گی۔ اس کے اجتماعی عمل سے انتظام میں یکجہتی اور اس سے ایسے نتائج پیدا ہوں گے جو رعایا کے حق میں مفید ثابت ہوں گے۔ اشاعت تعلیم ذرائع معیشت کی ترقی، تجارت و صنعت و حرفت کی ترغیب، حفظان صحت کے جدید اصول پیدا کرنے کی تدابیر، ذرائع آمد و رفت کا قیام اور ان کی توسیع اور ایسے ہی بہت سارے مسائل ابھی تصفیہ طلب ہیں۔ ان امور میں جو اندرونی اصلاحات سے متعلق ہیں کونسل کی کارگزاری اسی طرح قابل قدر ثابت ہوگی جس طرح امور سیاسی میں بندگان بدولت اور سرکار عظمت مدار کے تعلقات کے لحاظ سے مفید ہو سکتی ہے۔ یہ تعلقات ہمیشہ دوستانہ رہے ہیں۔

کیا زمانۂ سلف میں اور کیا آج۔ تسلیم ہند میں آغاز حکومت برطانیہ سے تا ایں وقت اس خاندان کے ساتھ دوستی اور اتحاد کا سلسلہ برابر قایم رہا ہے۔ ایک سے زیادہ معرکوں میں سلطنت برطانیہ کی حرمت اور بقا کے لئے شمشیر آصف جاہی نیام سے نکل چکی ہے۔ حال کی جنگ عظیم میں جس سے ابھی سلطنت برطانیہ فتحمندی کے ساتھ فارغ ہوئی ہے جو کچھ امداد بدولت کی جانب سے کی گئی وہ محتاج بیان نہیں ہے"۔

"ان خاص حالات میں باب حکومت کو واپسی ملک برار کے اہم مسئلے پر غور کرنے کا ایسا نادر موقع ہمدست ہوگا جس کا مستقبل نہایت خوش آئند ہے مابدولت کی مملکت کے اس جزو لاینفک کا دعویٰ انصاف اصلی پر مبنی ہے اور اگر اس کی تنقیح بلا طرفداری کی جائے تو یہ امر خارج از قیاس ہے کہ وہ دعویٰ قابل تسلیم نہ قرار پائے۔ پس اس اہم مسئلے کی نسبت کونسل کے مشورے کا مابدولت کو خاص دلچسپی کے ساتھ انتظار رہے گا۔ مابدولت اپنے تمام امرا عہدہ داران اور عزیز رعایا کو اس جدید انتظام کی طرف متوجہ و مائل کرا کے متوقع ہیں کہ وہ سب اپنی ارادت و عقیدت سے اس کو کامیاب بنانے میں ہمیشہ ساعی رہیں گے۔ کیونکہ کوئی انتظام حکومت کامیاب نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس کے عمل کی پابندی حزم و احتیاط کے ساتھ نہ کی جائے اس اشارے کے ساتھ مابدولت کی دلی خواہش ہے کہ صدر اعظم و ارکان باب حکومت اپنے فرایض کی انجام دہی میں سرگرم و کامیاب ہوں"۔

ان جدید دستوری انتظامات کی بدولت نظم و نسق کے مختلف شعبوں میں باہمی تعلق و تعاون کی صورت پیدا ہو گئی اور منشائے شاہی کو ملکی درو بست میں یکسانی اور سہولت سے شایع اور موثر کرنا ممکن ہوا۔ باب حکومت مقتدر اعلیٰ اور مختلف صیغہ جات حکومت کے درمیان ایک اتصالی کڑی یا قدر مشترک قرار دیا گیا۔ اس بنیادی انتظامی اصلاح سے حضرت جہاں پناہی نے ممالک محروسہ کی ترقی کی دوسری راہوں کو ہموار کر دیا۔ عہد عثمانی کا سب سے بڑا کارنامہ تعلیمی اصلاح ہے جس کی بدولت

اہل دکن کی ترقی کا ولولہ ایک ایسے راستے پر ڈال دیا گیا ہے جو انھیں صحیح منزل مقصود تک پہنچانے والا ثابت ہوگا۔ میکالے کے وقت سے جو تعلیمی نظام کل ہندوستان میں رائج تھا اس کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی تھیں۔ بعض اہل فکر نے یہ ضرورت محسوس کی کہ مروجہ تعلیم اجتماعی زندگی کے مقاصد کو پورا کرنے سے قاصر رہی ہے اس لیئے کہ اس نے ماضی اور حال میں رشتہ جوڑنے کے بجائے انھیں ایک دوسرے سے بالکل الگ اور بے تعلق کر دیا ہے خاص طور پر گزشتہ جنگ عظیم کے بعد احساس خودداری کی جو لہر سارے ہندوستان میں نمودار ہوئی اس کے اثر سے دکن بھی علٰحدہ نہ رہ سکا۔ بنفس نفیس ذات شاہانہ نے اپنی بصیرت سے یہ ضرورت محسوس فرمائی کہ ماضی کی مستحکم بنیادوں پر حال اور مستقبل کی شاندار عمارت تعمیر کی جاسکتی ہے چنانچہ جامعہ عثمانیہ کی تاسیس کے موقع پر اس کی تصریح یوں فرمائی۔

"اس جامعہ میں قدیم و جدید مشرقی و مغربی علوم و فنون کا امتزاج اس طور سے کیا جائے کہ موجودہ نظام تعلیم کے نقائص دور ہو کر جسمانی دماغی اور روحانی تعلیم کے قدیم و جدید طریقوں کی خوبیوں سے پورا فایدہ حاصل ہو سکے۔" جامعہ عثمانیہ میں اردو زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دیا گیا اور انگریزی زبان کی تعلیم بھی بی۔ اے تک لازمی رکھی گئی۔ چونکہ اردو زبان سارے ملک کی مشترک زبان ہے اور اس کو فروغ دینے میں ہندؤں اور مسلمانوں نے برابر کا حصہ لیا ہے اس لیئے حضرت جہاں پناہی نے اس قومی زبان کی سرپرستی فرمائی۔ پھر اس کے علاوہ یہ زبان عرصے سے ممالک محروسہ کی سرکاری زبان رہی ہے اور اس میں انتظامی اور عدالتی اصطلاحات پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہیں۔ اس زبان کی سرپرستی فرما کر حضرت جہاں پناہی نے ہندوستانی قومیت کی جڑوں کو مستحکم کر دیا۔ غرض کہ مختلف قومی مصالح کو پیش نظر رکھ کر اردو کو جامعہ عثمانیہ کا ذریعۂ تعلیم قرار دیا گیا "تاکہ سارے ملک کے دوسرے تعلیمی اداروں کے لیئے ایک مثال قایم ہو جائے۔" بحمداللہ کہ یہ تجربہ توقع سے زیادہ کامیاب رہا۔ فنون کی تعلیم میں تو ابتدا ہی سے

کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اُردو میں سائنس کی کتابیں نہ ہونے کے سبب سے شروع میں تھوڑی بہت دقت ہوئی لیکن تھوڑے ہی عرصے میں تراجم کے ذریعے یہ دشواری بھی رفع ہوگئی۔ جامعۂ عثمانیہ کا سررشتۂ تالیف و ترجمہ چارسو سے اوپر معیاری کتب کا ترجمہ شایع کرچکا ہے جن کا تعلق مختلف علوم و فنون سے ہے۔

احیائے علوم و فنون کا اثر جامعہ کی چاردیواری تک محدود نہیں رہا بلکہ اہلِ دکن کی زندگی کے ہر شعبے میں اس کا اثر نمایاں ہے۔ دراصل حیدرآباد کے عہد حاضر کی تمام بیداری اور ترقی کے باب میں جامعۂ عثمانیہ کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا صحیح اندازہ آیندہ نسلیں بہتر طور پر کرسکیں گی۔ گزشتہ بیس بائیس سال میں جامعۂ عثمانیہ اہلِ دکن کا ایک قومی مرکز بن گیا ہے جو حیات اجتماعی کے ٹوٹے ہوئے تاروں کو جوڑتا اور ان میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ یہ ادارہ حیات ذہنی کا مرکز ہونے کے ماسوا دکن کی تہذیب و معاشرت کا امین ہے اور اس کی تمدنی بنیادوں کو مستحکم کرتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اس معنوی سرچشمے کی آبیاری سے نہ صرف دکن بلکہ سارا ہندوستان مستفیض ہورہا ہے۔

پچھلے تیس سال میں اعلیٰ تعلیم کے علاوہ وسطانی اور تحتانی تعلیم پر بھی ممالک محروسۂ سرکار عالی میں کافی توجہ کی گئی۔ اعلیٰحضرت بندگان اقدس کی تخت نشینی کے وقت مدارس کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی جن میں ۲۵ ہزار طلبہ تعلیم پاتے تھے اور آج مدارس کی تعداد پانچ ہزار کے قریب اور طلبہ کی تعداد ساڑھے تین لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اس وقت سررشتۂ تعلیمات پر حکومت ساڑھے نو لاکھ روپے خرچ کررہی تھی اور آج ڈیڑھ کروڑ کے لگ بھگ خزانۂ عامرہ سے صرف ہورہا ہے۔ پچھلے دنوں تحتانی تعلیم اور تعلیم بالغان کی طرف حکومت نے خاص طور پر توجہ مبذول کی ہے جس کے نتائج ملک و قوم کے لئے یقیناً نہایت مفید ثابت ہوں گے۔

انتظامی اصلاح اور قیام جامعۂ عثمانیہ کی بدولت جو ذہنی بیداری وجود میں آئی ہے اس کا اثر زندگی اور حکومت کے ہر شعبے میں نظر آرہا ہے

گزشتہ زمانے میں عہدہ داران مالگزاری کو عدالتی اختیارات بھی حاصل ہوتے تھے اور وہ خفیف دیوانی مقدمات کی سماعت کے مجاز تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ چونکہ ان کو مالی معاملات سے بہت کم فرصت ملتی تھی اس لئے مقدمات کے انفصال میں دیر لگتی تھی۔ فریقین مقدمہ اپنے وکیلوں اور گواہوں کو ان عہدہ داروں کے مقامات دورہ پر لے جاتے اور اس طرح زیر بار ہوتے تھے۔ ان خرابیوں کو دور کرنے کی غرض سے بذریعہ فرمان عدالتی اور مالی مقدمات کی سماعت کے لئے علحدہ علحدہ محکمے مقرر کر دیئے گئے تاکہ رعایا کو سہولت ہو اور عدالتی کارکردگی میں اضافہ عمل میں آئے۔ یہ ایک ایسی اہم انتظامی اصلاح ہے جو اب تک برطانوی ہند میں بھی نہیں ہوئی ہے اور ہندوستان میں جس کی اولیت کا سہرا ریاست حیدرآباد کے سر ہے۔ اس کے علاوہ ہائی کورٹ کی جو جدید تنظیم عمل میں آئی اس کے بموجب ججوں کے اختیارات میں اضافہ کیا گیا تاکہ وہ انتظامی محکموں سے بے نیاز ہو کر دادرسانی کے اہم فریضے کو کما حقہ ادا کر سکیں۔ محکمۂ عدالت کے استحکام کی خاطر ہائی کورٹ کے اختیارات میں وسعت دی گئی تاکہ اس محکمے کے تقررات اور تعیناتی بڑی حد تک خود اس کے تحت آجائیں۔

محکمۂ عدالت کے علاوہ صحت عامہ، صنعت و حرفت، زراعت، بلدیہ، آرائش بلدہ، پولیس، آثار قدیمہ اور دوسرے محکموں میں پچھلے تیس سال میں ترقی کی رفتار نہایت تیز رہی ہے۔ صنعت و حرفت کے محکمے نے دیہی صنعتوں کو جو مشینوں کے بنے ہوئے مال کے مقابلے میں برباد ہو رہی تھیں بچا لیا ہے۔ اس کی بدولت ورنگل کی قالین بافی، بیدری دھات کی مصنوعات، پیٹھن کی ساڑیاں اور پگڑیاں، کریم نگر کے چاندی کے زیورات اور برتن وغیرہ اور اسی طرح کی دوسری گھریلو صنعتیں مٹنے سے بچ گئیں۔ ایک کروڑ روپے کے سرمایے سے ایک انڈسٹریل ٹرسٹ فنڈ قایم کیا گیا جس سے بڑی صنعتوں کے حصے خریدے جاتے ہیں اور جو منافع حاصل ہوتا ہے اس کو چھوٹی صنعتوں کی ترقی پر صرف کیا جاتا ہے۔ بڑی صنعتوں میں

شاہ آباد سمینٹ کمپنی، نظام شوگر فیکٹری بودھن، سرپور کا کارخانہ کاغذ سازی، پارچہ بافی کی گرنیاں، سگریٹ، دیا سلائی اور بٹن کے کارخانے ملک کی پیدائش دولت میں اضافہ کر رہے ہیں۔

اعلیٰحضرت کے عہد ہمایونی میں سررشتۂ تعمیرات نے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ اس محکمے نے جو تعمیری کام انجام دیئے ہیں ان کا براہ راست تعلق رفاہ عام سے ہے۔ کروڑوں روپے کے خرچ سے پرانے شکستہ تالابوں کو ازسرنو تعمیر کیا گیا تاکہ کاشتکاری کے لیئے پانی جمع ہوسکے۔ اس کے علاوہ متعدد نئے تالاب تعمیر کرائے گئے تاکہ ملکی زراعت کو سیراب کرنے میں سہولت ہو۔ حکومت نے نظام ساگر پر رقم خطیر صرف کی ہے۔ اس سے دو لاکھ ستر ہزار ایکڑ اراضی زیر کاشت لائی جاسکتی ہے۔ حمایت ساگر اور عثمان ساگر کے پانی سے شہر حیدرآباد کی آبادی کو پینے کا پانی صاف کر کے مہیا کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ پوچارم، فتح نہر، پالیر، سنگ بھوپالم، باتھل مرچڈ اور نارائن پلی کے پانی کے خزانے ہزاروں ایکڑ زمین کو سیراب کر رہے ہیں۔ آبپاشی کی ترقی پر حکومت سرکار عالی نے بے دریغ روپیہ پانی کی طرح بہادیا تاکہ کاشتکاروں کو سہولت ہو اور ملک کے زرعی امکانات کی ترقی ہو۔ گرانی اجناس اور قحط کے مصائب سے کاشتکاروں کو محفوظ رکھنے کے لیئے ڈھائی کروڑ روپے کا سرمایہ مختص کر دیا گیا ہے تاکہ تقاوی کے ذریعے حاجتمند کاشتکاروں کی مدد کی جاسکے۔ گزشتہ تیس سال میں ممالک محروسہ میں تین ہزار میل سڑکیں اور ۱۳۰۰ سو میل ریل بنائی گئی تاکہ تجارت اور رسل ورسائل کی سہولت رعایا کو حاصل ہو۔ دور عثمانی سے پہلے اور کچھ دنوں بعد تک ممالک محروسہ میں انگریزی کمپنی کی ریلوے چل رہی تھی جو نظامس گارنٹیڈ اسٹیٹ ریلوے کے نام سے مشہور تھی۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں حکومت سرکار عالی نے اس ریلوے کو کمپنی سے خرید لیا تاکہ اس سے خود مملکت نفع اندوز ہو۔ دور عثمانی میں قاضی پیٹ تا بلہارشاہ (۱۴۶ میل)، سکندرآباد تا کرنول (۱۳۹ میل)، وقار آباد تا بیدر و پرلی (۱۴۲ میل)

چانکم پیٹ تا بودھن (۱۲ میل) لائنیں قایم کی گئیں۔ بلہارشاہ لائین کے کھل جانے سے وسط اور شمالی ہند کی مسافت بہت کچھ گھٹ گئی ہے۔

یہ تمام اصلاحات اس لیئے ممکن ہوئیں کہ حکومت کی مالیات اور ملک کی اقتصادی خوشحالی میں ایک خوشگوار تعلق قائم رہا۔ حکومت حیدرآباد کی خوش انتظامی کا یہ ایک کارنامہ ہے کہ گزشتہ جنگ عظیم کے بعد عالمگیر کساد بازاری کے باوجود اس کا میزانیہ متوازن رہا۔ بلکہ آمدنی اخراجات سے کچھ زیادہ ہی رہی۔ بغیر حکومت کی مالیاتی پائداری کے تعمیر قومیت کے منصوبوں کو پورا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ رعایا پر محصول اور ٹیکس کا کوئی مزید بار نہیں ڈالا گیا۔ خزانۂ عامرہ کے موجودہ سرمایے کی مقدار ۲۰ کروڑ روپیے کے لگ بھگ ہے جو مختلف شکلوں میں موجود ہے۔ حضرت اقدس و اعلیٰ کی جوہر شناس نظر نے سر اکبر حیدری مرحوم جیسے ماہر مالیات کی قابلیت کو اپنی سلطنت ابد مدت کے مالی استحکام کے لیئے اس طور پر استعمال کیا کہ اس کی بدولت نظم و نسق کے ہر شعبے کو ترقی دینا ممکن ہوا۔

عہد عثمانی میں ممالک محروسۂ سرکار عالی کی خارجی حکمت عملی زیادہ تر مسئلۂ استرداد برار سے متعلق رہی۔ گزشتہ جنگ عظیم کے بعد جب کہ برطانوی حکومت کو یکسوئی حاصل ہو چکی تھی اعلیحضرت بندگان عالی نے ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۳ء لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند کے نام ایک مکتوب ارسال فرمایا جس میں مسئلۂ برار کی دستوری نوعیت کو جو دستاویزی شہادتوں پر مبنی تھی واضح فرمایا۔ دوران جنگ میں سلطنت حیدرآباد نے برطانیہ کی جو امداد کی اور اس کے علاوہ ویسے بھی خاندان آصف جاہی نے حکومت برطانیہ کے ساتھ ہمیشہ جس دوستی اور اتحاد کا ثبوت دیا اس کی بنا پر یہ توقع تھی کہ لارڈ موصوف استرداد برار کے مطالبے پر حق اور انصاف کے تحت غور کریں گے۔ اعلیحضرت نے اس کی بھی تصریح کر دی تھی کہ وہ اہل برار کو اپنے ایک گورنر کے ماتحت حکومت خود اختیاری دیں گے تا کہ وہ اپنی نظم و نسق میں انھیں

اس سے زیادہ حقوق حاصل ہوجائیں جو انگریزی راج کے تحت انھیں حاصل رہے ہیں۔ لیکن حکومت ہند نے برطانوی حکومت کے مشورے سے مسئلہ برار کی صاف اور صریح تنقیح پر غور کرنے کے بجائے مقتدر اعلیٰ کا دوسرا غیر متعلق مسئلہ چھیڑ دیا۔ لارڈ ریڈنگ کا استدلال اس بنیاد پر مبنی تھا کہ سنہ ۱۹۰۲ء میں لارڈ کرزن نے حکمران حیدرآباد سے جو معاہدہ طے کیا اس کے بعد اب اس مسئلے کو دوبارہ نہیں چھیڑا جاسکتا اس لیئے کہ اس کی رو سے برار کی تفویض دائمی ہے اور برطانوی حکومت اس امر کا فیصلہ کر چکی ہے کہ استرداد برار کا آیندہ کبھی سوال پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ اعلیحضرت بندگان اقدس نے اس کا جواب اپنے خط مورخہ ۲۰ ستمبر سنہ ۱۹۲۵ء کو دیا اور اس امر کی صراحت کردی کہ برطانوی حکومت اور سرکار نظام کی حیثیت دو حلیف دول کی ہے اس واسطے کسی ایک کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ گفت و شنید کے دوران میں کسی مسئلے سے متعلق قطعی فیصلہ کرسکے۔ حضور ممدوح نے فرمایا:۔

"حکومت برطانیہ کے ساتھ میرے تعلقات نظام اور اپنی مملکت کا فرمانروا ہونے کی حیثیت سے اس عسکری اور دفاعی اتحاد کے تحت ہیں جو میرے اسلاف اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان باہمی احترام دوستی اور اشتراک مصالح کی بنیاد پر ہوا تھا........ باستثناء ان مسایل کے جو خارجی دول اور خارجی سیاست سے تعلق رکھتے ہیں حیدرآباد کے حکمراں اپنی ریاست کے داخلی امور میں ویسے ہی خودمختار رہے ہیں جیسے کہ برطانوی حکومت ہندوستان میں ہے۔ اس استثناء کے ساتھ جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے فریقین نے ہمیشہ بین الحکومتی مسایل میں جو فطری طور پر وقتاً فوقتاً ہمسایوں کے درمیان پیدا ہوتے رہتے ہیں کامل آزادی اور خودمختاری کے ساتھ عمل کیا ہے۔ مسئلہ برار پر اس استثناء کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہیں ہوسکتا اس واسطے کہ اس کا تعلق کسی خارجی مملکت یا خارجی حکمت عملی سے نہیں ہے۔ غرضکہ یہ مسئلہ دو ایسی حکومتوں کے درمیان متنازع فیہ رہ جاتا ہے جو مساوی حیثیت رکھتی ہیں اور جن میں کوئی کسی کی

تابع نہیں ہے۔ میں اس امر سے انکار نہیں کرتا کہ اس حیثیت کے دو فریق ایک دوسرے کے دعاوی اور تجاویز کو رد کر دینے کی آزادی ضرور رکھتے ہیں لیکن برطانوی حکومت کا پورا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے میں یہ دریافت کرنے سے احتراز نہیں کر سکتا کہ مسئلۂ برار کے ضمن میں لفظ "فیصلہ" کا استعمال کہاں تک صحیح ہے۔ خارجی معاملات کو الگ کر کے میں برطانوی حکومت کے حلیف کی حیثیت سے اپنے لیے یہ حق محفوظ رکھنے میں بالکل حق بجانب ہوں کہ ہز مجسٹی کی حکومت کے اس انکار کو محض ایک انکار سمجھوں نہ کہ فیصلہ.... میرے مطالبۂ استرداد برار کے جواب میں ہز مجسٹی کی حکومت کا انکار محض اس کی رائے کا اظہار تو ہو سکتا ہے لیکن وہ مجھ پر اور میرے خاندان پر کوئی ایسی پابندی عاید نہیں کر سکتا کہ اب اس قضیے کو ختم شدہ اور اپنے دعوے کو ہمیشہ کے لیے خارج شدہ سمجھ لیا جائے۔ اس قسم کی پابندیاں ایسے حلیفوں پر کبھی عاید نہیں ہو سکتیں جو اپنے عہد ناموں کے شرائط کے ماتحت اس کی پوری آزادی رکھتے ہیں کہ ایک دوسرے کی تجاویز سے اتفاق کریں یا نہ کریں"

اعلیحضرت بندگان اقدس نے لارڈ ریڈنگ کے تمام دلایل کا جواب دیتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ مسئلۂ برار کا فیصلہ ایک آزاد کمیشن کی تحقیقات کے مطابق ہو تو مناسب ہے۔ اعلیحضرت فرماتے ہیں "تصفیۂ برار کے متعلق امور متنازع فیہ کو ایک کمیشن کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ ان کی تحقیقات کر کے رپورٹ پیش کرے اور اس کا صدر ایک بلند پایہ اعلیٰ قانونی تجربہ رکھنے والا کوئی انگریز ہو جسے وزیر ہند نامزد کریں۔ صدر کے علاوہ اس کمیشن کے چھ ارکان ہوں جن میں سے دو حکومت ہند کے نامزد شدہ ہوں دو میرے نامزد شدہ اور دو خود اہل برار کے نمایندے ہوں جنھیں صوبۂ متوسط کی کونسل لیجسلیٹیو اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے غیر سرکاری براری ارکان نے منتخب کیا ہو۔ اس کمیشن کے لیے معین مگر وسیع حدود بحث و تحقیق مقرر ہونے چاہئیں تاکہ وہ ان تمام مسایل کی چھان بین کرنے کا

مجاز ہو جو ہز اعلیٰ حضرتی کی حکومت اور میرے درمیان متنازع فیہ ہو گئے ہیں۔ ان حدود کا تعین اس طرح ممکن ہے کہ حکومت ہند کے پولیٹکل ڈپارٹمنٹ کا ایک عہدہ دار اور میرا ایک آدمی دونوں مل کر بحث کریں اور اس کے بعد میں اور پورا مسلسل امور تنقیح طلب کی نسبت باتفاق رائے طے کریں۔ اس کمیشن کے ضمن میں جو خرچ ہوگا وہ میری حکومت برداشت کرنے کو تیار ہے۔"

اس کا جواب لارڈ ریڈنگ نے اپنے ۲۷ مارچ ۱۹۲۶ء والے خط میں دیا اور گفت و شنید کا دروازہ ان الفاظ کے ذریعے بند کر دیا۔

"میں یور اگزالٹڈ ہائینس کی پیروی میں اس قضیے کی تاریخی تفصیلات پر بحث کرنا نہیں چاہتا۔ جیسا کہ میں آپ کو اس سے قبل اطلاع دے چکا ہوں آپ کے پیش کردہ امور کی پوری توجہ کے ساتھ تحقیق و تفتیش کی گئی ہے اور اب جو کچھ آپ فرماتے ہیں ان میں کوئی چیز ایسی نظر نہیں آئی جو میری گورنمنٹ اور وزیر ہند کے اخذ کردہ نتائج پر اثر انداز ہو سکے ...... آپ نے بیان کیا ہے کہ حیدر آباد کے داخلی امور میں فرماں روائے ریاست حیدر آباد ہونے کی حیثیت سے آپ وہی درجہ رکھتے ہیں جو انگریزی حکومت کو برطانوی ہند کے داخلی امور کے متعلق حاصل ہے۔ ان الفاظ سے پتا چلتا ہے کہ یور اگزالٹڈ ہائینس نے اپنے اور قوت بالادست (پیرامونٹ پاور) کے درمیان جو تعلق ہے اس کی نسبت غلط تصور قائم کیا ہے جسے دور کرنا ہز امپیریل مجسٹی کا نمایندہ ہونے کی حیثیت سے مجھ پر لازم ہے کیوں کہ اس وقت ایک ایسے مسئلے میں میری خاموشی کو ممکن ہے کہ بعد میں اس دعوے کو تسلیم کر لینے کا مرادف تصور کر لیا جائے جس کو آپ نے پیش کیا ہے تاج برطانیہ کی سیادت ہندوستان میں سب سے برتر ہے اور اس بنا پر کوئی والئی ریاست برٹش گورنمنٹ کے ساتھ مساویانہ طریق پر گفت و شنید کرنے کا دعویٰ کرنے میں حق بجانب نہیں ہو سکتا ہے۔ تاج برطانیہ کی بالادستی معاہدات اور عہد ناموں جات ہی پر مبنی نہیں ہے بلکہ وہ ان سے بے نیاز ہو کر بھی قائم ہے۔ خارجی دول اور خارجی سیاست سے تعلق

رکھنے والے معاملات میں اس کے خصوصی اختیارات سے قطع نظر
برٹش گورنمنٹ کا حق اور فرض ہے کہ پوری احتیاط سے ان تمام معاہدوں
اور مواثیق کا احترام کرتے ہوئے جو ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ کیئے گئے ہیں
ہندوستان کے طول وعرض میں امن اور خوش انتظامی کو برقرار رکھے۔ اس ضمن
میں جو نتائج نکلتے ہیں وہ اس قدر معروف ہیں اور دوسرے والیان ریاست
کی طرح یور اگزالٹیڈ ہائینس پر بھی ان کا اطلاق اتنا واضح ہے کہ ان کے
بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تاہم اگر وضاحت کی ضرورت ہو تو ہم
یور اگزالٹیڈ ہائینس کو یاد دلائیں گا کہ ۱۸۶۲ء میں دوسرے والیان ریاست
کی طرح فرماں روائے حیدرآباد کو بھی ایک سند دی گئی تھی جس میں
ظاہر کیا گیا تھا کہ برٹش گورنمنٹ ان کے خاندان اور ان کی حکومت کے
بقا کی خواہشمند ہے بشرطیکہ وہ تاج کے وفادار رہیں اور یہ کہ مسند حیدرآباد
پر کسی کی جانشینی اس وقت تک جائز نہیں تصور کی جائے گی جب تک کہ
ہز مجسٹی کی گورنمنٹ اس کو منظور نہ کرے۔ نیز جانشینی کے مسئلے میں اگر
کوئی نزاع برپا ہو تو برٹش گورنمنٹ تنہا اس کی نسبت فیصلہ کرے گی۔ دیسی
ریاستوں کے معاملات میں برٹش گورنمنٹ کا حق مداخلت ان نتائج کی
دوسری مثال ہے جو برطانوی تاج کی بالادستی کے ساتھ لازمی طور پر وابستہ ہیں۔
برٹش گورنمنٹ نے بارہا اس بات کا اظہار کیا ہے کہ شدید وجوہ کے بغیر
اس حق کو استعمال کرنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتی۔ لیکن داخلی اور خارجی
تحفظ جس سے والیان ریاست متمتع ہوتے ہیں بالآخر برٹش گورنمنٹ ہی
کی محافظ قوت کے باعث انھیں حاصل ہے اور جہاں کہیں شاہی مفاد کا
تعلق ہو یا کسی ریاست کے طرز عمل سے اس کے باشندوں کی فلاح وبہبود
پر حقیقی اور شدید مضرت رساں اثر پڑتا ہو تو حسب ضرورت اس کا تدارک
کرنے کی ذمہ داری آخر میں قوت بالادست ہی پر عاید ہونی چاہیے۔ اندرونی
اقتدار اعلیٰ کے وہ تمام مدارج جن سے والیان ریاست متمتع ہوتے ہیں
سب کے سب قوت بالادست ہی کی جانب سے اس ذمہ داری کی

مناسب انجام دہی کے ساتھ مقید ہیں۔ اس کے علاوہ اور دوسری مثالوں کو بھی پیش کیا جا سکتا ہے جو مندرجہ بالا مثالوں کی طرح آپ کے اس دعوے کو غلط ثابت کرتی ہیں کہ دول خارجی اور سیاست خارجی کے امور کے علاوہ یور اگزالٹیڈ ہائینس کی حکومت اور برٹش گورنمنٹ ایک ہی درجۂ مساوات پر قائم ہیں۔ لیکن مجھے اس موضوع پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں صرف اتنا کہوں گا کہ یور اگزالٹیڈ ہائینس کو جو "یار وفادار" کا خطاب حاصل ہے اس کا یہ اثر نہیں ہو سکتا کہ تاج برطانیہ کی سیادت میں جو دوسری ریاستیں ہیں ان کے مقابلے میں آپ کی حکومت کو کوئی جداگانہ حیثیت حاصل ہو۔"

"آپ نے حیدرآباد اور برطانوی حکومت کے تعلقات کے متعلق اپنے موجودہ تصور کی توضیح کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہز مجسٹی کی گورنمنٹ جن نتائج پر پہنچی ہے ان کو لفظ "فیصلہ" سے تعبیر کرنے میں میں نے غلطی کی ہے نیز یہ کہ اصول امر "فیصل شدہ" کا اطلاق حیدرآباد اور حکومت ہند کے مابین نزاعی امور میں درست نہیں ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں یور اگزالٹیڈ ہائینس کی اس رائے سے اتفاق نہیں کر سکتا کہ آپ کے پیش کردہ امور سے متعلق وزیر ہند کے احکام ایک "فیصلے" کی حد تک نہیں پہنچے۔ یہ قوت بالادست کا امتیازی حق ہے کہ وہ تمام ان نزاعات کا فیصلہ کرے جو دو ریاستوں کے درمیان یا خود اس کے اور کسی ریاست کے درمیان پیدا ہوں۔ اگرچہ خاص خاص حالات میں ایک عدالتی ثالثی بھی مقرر کی جا سکتی ہے لیکن اس عدالت کا کام بھی صرف اتنا ہی ہوگا کہ حکومت ہند کو آزادانہ مشورہ دے۔"

اگرچہ سر علی امام مرحوم صدر اعظم سلطنت آصفیہ نے مسئلۂ برار کی تاریخی اور دستوری حیثیت کو بڑی قابلیت کے ساتھ حکومت ہند کے سامنے پیش کیا لیکن حکومت ہند اپنے نقطۂ نظر پر اڑی رہی۔ دس سال کا زمانہ گزر گیا اس دوران میں حکومت ہند کے نقطۂ نظر میں تبدیلی پیدا ہوئی

اور چند سال قبل جسے امر فیصل شدہ تصور کیا جا رہا تھا اس کے متعلق گفت و شنید کا دروازہ کھول دیا گیا۔ گول میز کانفرنسوں کے موقع پر دوسری ریاستوں کی طرح حیدر آباد نے بھی شرکت کی۔ حضرت جہاں پناہی نے اپنے تجربہ کار وزیر نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر سر اکبر حیدری کو ریاست کی نیابت کا حق تفویض فرمایا اور متعلقہ سیاسی امور کے متعلق حکومت سرکار عالی کا جو نقطۂ نظر ہونا چاہیئے اس کی اصولی حیثیت سے رہنمائی فرمائی ہے۔ اس ضمن میں مسئلۂ برار کی نسبت پھر گفت و شنید شروع ہوئی اور بالآخر نومبر ۱۹۳۳ء میں ہز اکسلنسی لارڈ ولنگڈن وِیسرائے ہند حیدر آباد تشریف لائے اور شاہی دعوت کے موقع پر مسئلۂ برار کے متعلق اطمینان بخش اعلان فرمایا۔ یکم دسمبر ۱۹۳۳ء اس مسئلے کی نسبت مندرجۂ ذیل فرمانِ مبارک شرفِ صدور لایا۔ ”ہز اکسلنسی ویسرائے بہادر کے میری ریاست سے روانہ ہو جانے سے قبل اور با اعتراف اس اعلان کے جو انھوں نے اسٹیٹ بنکوٹ کے موقع پر فرمایا ہے میں ان جدید انتظامات کے متعلق اپنا اطمینان ظاہر کرنا چاہتا ہوں جو سرکار عظمت مدار کے ساتھ حالیہ گفت و شنید کے نتیجے کے طور پر ہندوستان میں وفاقی دستور قائم ہونے پر میرے ملک برار کا نظم و نسق اس خطۂ ملک ملکِ معظم کے ساتھ جو بنام ممالکِ متوسطہ موسوم ہے بہ مثل ایک صوبۂ واحد کے ہوگا جس کا نام ممالکِ متوسطہ برار رہے گا اور برار پر میری سلطنت عملاً اس طرح محقق ہوگی کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے گی۔ برٹش گورنمنٹ اور میری گورنمنٹ دونوں کو امید ہے کہ ہندوستان کا دستوری نشو و نما بہ دوری ممکنہ اعلان مذکور کی اجازت دے گا تاکہ ابواب طے شدہ سے مجھے جو اطمینان ہوا ہے اس میں میری رعایا بھی شریک ہو سکے۔“

بالآخر ہز مجسٹی ملکِ معظم اور اعلیٰحضرت بندگان عالی کے مابین مسئلۂ برار کے متعلق ۲۴ راکتوبر ۱۹۳۶ء مندرجۂ ذیل معاہدہ پایۂ تکمیل کو پہنچا جس کی رو سے علاقۂ برار پر اعلیٰحضرت کے مالکانہ و شاہانہ حقوق کو عملاً تیقن طور پر

برطانوی حکومت نے تسلیم کیا۔

ہرگاہ ان ممالک محروسہ میں جو ہز اکزالٹیڈ ہائینس نظام حیدرآباد کے اقتدار اعلیٰ کے تحت ہیں چند علاقہ جات موسوم بہ برار شامل ہیں۔

اور ہرگاہ بذریعہ معاہدہ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۲ء یہ قرار پایا تھا کہ ہز اکزالٹیڈ ہائینس کے علاقہ جات موسوم بنام برار میں جس پر ہز اکزالٹیڈ ہائینس کے اقتدار اعلیٰ کے متعلق اس معاہدے میں مکرر اقرار کیا گیا تھا سرکار عظمت مدار جس طریق سے مناسب تصور کرے انتظام نظم و نسق عمل میں لائے گی۔

اور ہرگاہ ایک ایسے وفاق ہند کے قیام سے متعلق تجاویز پر جو مشتمل ہو ان ریاست ہائے ہند پر جو وفاق مذکور میں شرکت پر رضامند ہوں اور ان صوبہ جات برطانوی ہند پر جو بطور صوبہ جات خود مختار قائم ہیں نمائندگان حکومت ہز مجسٹی و پارلیمنٹ سلطنت متحدہ و برطانوی ہند اور والیان ریاست میں مباحثے ہو چکے ہیں۔

اور ہرگاہ وفاق ہند کے لیے پارلیمنٹ نے ایک دستور منظور کیا ہے اور وہ قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء میں مدون کیا جا چکا ہے لیکن اس میں اس امر کا انتظام کیا گیا ہے کہ قانون مذکور کے مختلف حصے مختلف تواریخ سے نافذ کیے جا سکیں گے۔

اور ہرگاہ قانون مذکور کے کسی حکم کا ہز اکزالٹیڈ ہائینس کے کسی علاقہ پر ان کی رضامندی و اتفاق کے بغیر اطلاق نہ ہوگا۔

اور ہرگاہ قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء میں اس امر کا انتظام کیا گیا ہے کہ مابین ہز مجسٹی اور ہز اکزالٹیڈ ہائینس ایک معاہدہ بدیں غرض طے پا جانے کی صورت میں صوبہ جات متوسط اور برار کا نظم و نسق جب تک کہ ایسا معاہدہ نافذ العمل رہے قانون مذکور بطور ایک گورنر کے صوبے مشترکہ طور پر عمل میں آسکے گا۔

اور ہرگاہ ہز اکزالٹیڈ ہائینس اس امر کے خواہشمند ہیں کہ ان کے علاقہ جات موسوم بنام برار کا نظم و نسق بہیئت ان علاقہ جات ہز مجسٹی موسوم بہ صوبہ جات متوسط کے

حسب احکام قانون مذکور عمل میں آئے اور وہ بہ حیثیت علاقہ جات مذکور اس وفاق کے جو تحت قانون مذکور قائم ہونے والا ہے ایک وحدت قرار دی جائے اور بدیں غرض یہ قرین مصلحت سمجھا گیا ہے کہ بعوض معاہدہ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۲ء ایک نئے معاہدے کی تکمیل ہو۔

لہٰذا اب اس تحریر کے ذریعے سے حسب ذیل قرار کی جاتی ہے۔

فقرۂ اول:- ہز مجسٹی برار پر ہز اگزالٹیڈ ہائینس کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم اور اس کا مکرر اقرار فرماتے ہیں۔

فقرۂ دوم:- ہز اگزالٹیڈ ہائینس اپنی اور اپنے ورثا اور جانشینوں کی جانب سے بذریعہ ہذا اس امر کا اظہار فرماتے ہیں کہ بہ متابعت شرائط مندرجۂ معاہدۂ ہذا وہ اپنے ان علاقہ جات سے متعلق جو بنام برار موسوم اور آیندہ تحریر ہذا میں اسی نام سے مذکور ہیں وفاق ہند میں جو تحت قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء تجویز کیا گیا ہے شرکت پر رضامند ہیں اور ہز مجسٹی بذریعۂ ہذا اس رضامندی کی نسبت اپنی مقبولیت کا اظہار فرماتے ہیں۔

فقرۂ سوم:- ہز اگزالٹیڈ ہائینس اپنی اور اپنے ورثا اور جانشینوں کی جانب سے بذریعۂ ہذا قانون مذکور کے ان احکام کے متعلق جن کا برار پر اطلاق ہو اس غرض سے اظہار قبولیت فرماتے ہیں کہ بہ متابعت و مطابقت شرائط معاہدۂ ہذا اور باوجود اس کے برار پر ہز اگزالٹیڈ ہائینس کا اقتدار اعلیٰ برقرار رہے گا۔ برار اور ہز مجسٹی کے وہ علاقہ جات جو صوبہ جات متوسط کے نام سے موسوم ہیں دونوں کا نظم و نسق اس طرح عمل میں آئے گا کہ گویا وہ ایک ہی صوبہ ہے جو بنام صوبہ جات متوسط و برار موسوم ہوگا اور ہز مجسٹی اور جملہ وفاقی مرکزی و صوبہ جاتی ادارہ ہائے حکومت صوبہ جات متوسط و برار کی نسبت وہ تمام اختیارات و فرائض انجام دیں جن کے وہ قانون مذکور کی رو سے یا اس کے تحت حامل ہیں۔

فقرۂ چہارم۔ صوبہ جات متوسط و برار کے گورنر کا تقرر منجانب ہز مجسٹی بعد مشورۂ ہز اگزالٹیڈ ہائینس عمل میں آئے گا۔ اور گورنر جو اختیارات و فرائض تحت قانون مذکور منجانب یا بہ نیابت ہز مجسٹی انجام دے سکیں گے وہ برار کی

حد تک ہز اکزالٹیڈ ہائینس کے اس معاہدے کو منظور فرمانے کی بنا پر انجام دیئے جائیں گے۔

فقرہ پنجم:۔ برار میں جب کبھی اور جہاں کہیں گورنر صوبہ جات متوسط و برار کے احکام کی بنا پر برطانوی پرچم بلند کیا جائے گا تو اس کے پہلو بہ پہلو ہز اکزالٹیڈ ہائینس کا پرچم بھی بلند کیا جائے۔

فقرہ ششم:۔ ہز اکزالٹیڈ ہائینس کا یہ حق بذریعہ ہذا تسلیم کیا جاتا ہے کہ حیدرآباد کے اعزازی خطابات باشندگان برار کو عطا فرمائیں بشرطیکہ ہز مجسٹی کے اس قایم مقام کا اتفاق قبل از قبل حاصل کیا جائے جو ریاست ہائے ہند سے تاج برطانیہ کے تعلقات کے ضمن میں تاج کے اختیارات و فرایض انجام دینے کا مجاز ہو۔

فقرہ ہفتم:۔ ہز اکزالٹیڈ ہائینس کے اس حق کو ہز مجسٹی تسلیم فرماتے ہیں کہ وہ برار میں دربار منعقد فرمائیں بشرطیکہ ہر مرتبہ ہز مجسٹی کے قایم مقام مذکور کا اتفاق حاصل کیا جائے۔

فقرہ ہشتم:۔ ہز اکزالٹیڈ ہائینس کو اختیار ہوگا کہ ہز مجسٹی کے قایم مقام مذکور کے اتفاق سے گورنر صوبہ جات متوسط و برار کو موزوں تقاریب میں شرکت کے لیے حیدرآباد آنے کی دعوت دیں۔

فقرہ نہم:۔ برار کی مساجد میں ہز اکزالٹیڈ ہائینس کے نام کا خطبہ پڑھے جانے پر ہز مجسٹی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

فقرہ دہم:۔ باوجود اختتام معاہدۂ مذکور مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۲ء ہز مجسٹی سالانہ رقم پچیس لاکھ روپے جو برار کی بابت اس وقت تک ادا ہوتی رہی ہے ہز اکزالٹیڈ ہائینس کو ادا فرماتے رہیں گے۔

فقرہ یازدہم:۔ ہز اکزالٹیڈ ہائینس کو یہ حق ہوگا کہ صوبہ جات متوسط و برار کے مستقر حکومت میں اپنا ایک ایجنٹ بدیں اغراض مقیم رکھیں کہ وہ کسی ایسے معاملے سے متعلق اپنی حکومت کے خیالات کی نمایندگی کرے جو صوبہ جات متوسط و برار اور حیدرآباد دونوں کے مشترکہ اغراض پر مشتمل ہو یا جو حیدرآباد کے اغراض پر

بلا واسطہ موثر ہو۔ لیکن بجز صورت مصرحہ بالا ایجنٹ مذکور کو صوبہ جات متوسط و برار کے کسی داخلی معاملے سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

فقرۂ دوازدہم:۔ گورنر صوبہ جات متوسط و برار نظم و نسق برار میں اپنی اس خاص ذمہ داری کو ادا کرتے ہوئے جو کسی ریاست ہند کے حقوق کی حفاظت سے متعلق ہو، ریاست حیدرآباد کے تجارتی و معاشی اغراض کا لحاظ و اہتمام رکھیں گے۔

فقرۂ سیزدہم:۔ گورنر جنرل کو لازم ہوگا کہ مجلس وضع قوانین صوبہ جات متوسط و برار کے کسی ایسے مسودۂ قانون کی نسبت جس کا اطلاق برار پر ہوتا ہو اور جو ان کے غور کے لیے مختص کیا گیا ہو ہز مجسٹی کے نام سے اپنی منظوری کا اعلان کرتے ہوئے اس امر کی صراحت کریں کہ جہاں تک اس کا اطلاق برار پر ہوگا مسودۂ قانون کو جو منظور کیا گیا ہو ہز اکزالٹیڈ ہائینس کے اس معاہدے کو منظور فرمانے کی بنا پر ہے۔

فقرۂ چہاردہم:۔ گورنر صوبہ جات متوسط و برار کو لازم ہوگا کہ مجلس وضع قوانین صوبہ جات متوسط و برار کے کسی ایسے مسودۂ قانون کی نسبت جس کا اطلاق برار پر ہوتا ہو ہز مجسٹی کے نام سے اپنی منظوری کا اعلان کرتے ہوئے یا اس قسم کے کسی ایسے مسودۂ قانون کی نسبت جو ہز مجسٹی کے اظہار پسندیدگی کے لیے محفوظ کیا گیا ہو ہز مجسٹی منظور کرتے ہوئے اس امر کی صراحت کریں کہ جہاں تک اس کا اطلاق برار پر ہوگا مسودۂ قانون کو جو منظور کیا گیا وہ ہز اکزالٹیڈ ہائینس کے اس معاہدے کو منظور فرمانے کی بنا پر ہے۔

فقرۂ پانزدہم:۔ معاہدۂ ہذا میں کوئی امر کسی طرح ان فوجی کفالتوں پر موثر نہیں ہے اور نہ ان میں تخفیف کرتا ہے جن سے ہز اکزالٹیڈ ہائینس کسی موجودہ تنامے یا معاہدے کے تحت مستفید ہو رہے ہیں اور معاہدۂ ہذا میں کسی امر کی ایسی تعبیر نہ کی جائے گی جس سے فوجی جمعیت موسوم بنام حیدرآباد کنٹنجنٹ کو یا اس کی جدید قائم مقام جمعیت کو برقرار رکھنے کے لیے ہز اکزالٹیڈ ہائینس پر آیندہ کوئی ایسی ذمہ داری جو بتاریخ معاہدۂ ہذا موجود نہ ہو عاید کی جائے۔

فقرۂ شانزدہم :۔ مجلس وضع قوانین صوبہ جات متوسط و برار کے انتخابات سے متعلق اور بعد قیام وفاق انتخابات کونسل آف اسٹیٹ کے متعلق احکام مندرجۂ ذیل کے بموجب عمل ہوگا :۔

(الف) جس حد تک کہ رائے دہندوں کی قابلیت کسی امتحان کی کامیابی پر منحصر ہو حیدرآباد کے کسی مساوی درجے کے امتحان کی کامیابی کا برار کے حلقہ ہائے انتخاب کی نسبت وہی اثر ہوگا جو کسی ایسے امتحان کی کامیابی کا ہوتا ہے جو عموماً صوبہ جات متوسط و برار میں فی الوقت رائے دہندوں کو رائے دہی کے قابل بناتی ہے۔

(ب) جس حد تک کہ رائے دہندہ کی قابلیت کسی فوج باقاعدہ یا کسی جمعیت پولیس میں اس کی یا کسی اور شخص کی شرکت پر منحصر ہو ہز اگزالٹیڈ ہائینس کی افواج باقاعدہ کی اور جمعیت پولیس ریاست حیدرآباد کی رکنیت برار کے حلقہ ہائے انتخاب کی نسبت ایسی ہی متصور کی جائے گی جیسی کہ علی الترتیب ہز مجسٹی کی افواج باقاعدہ کی اور کسی جمعیت پولیس برطانوی ہند کی رکنیت متصور کی جائے گی۔

فقرۂ ہفتدہم :۔ قانون حکومت ہند بابتہ سنہ ۱۹۳۵ء کے حوالہ جات مندرجۂ معاہدۂ ہذا کی یہ تعبیر کی جائے گی کہ ان حوالہ جات کا اطلاق قانون مذکور پر بشمول ایسی جملہ ترمیمات کے ہوگا جو مابعد کے کسی قانون کی رو سے یا اس کے تحت ہوئی ہوں لیکن اگر کوئی ایسی ترمیم عمل میں آئے جو اس معاہدے کی کسی شرط کے متناقض ہو یا جس سے قانون مذکور کے کسی حکم مصرحۂ ضمیمۂ معاہدۂ ہذا کی ترمیم ہوتی ہو اور یہ ترمیم ایسی نہ ہو جس کا برار پر اطلاق ہونا ہز اگزالٹیڈ ہائینس نے منظور فرمایا ہو یا جس کا اطلاق صرف علاقہ جات ماسوائے برار پر ہوتا ہو تو ہز اگزالٹیڈ ہائینس کو اختیار ہوگا کہ تاریخ ترمیم مذکور سے چھ ماہ کے اندر کسی وقت اس بارے میں اطلاع دے کر معاہدۂ ہذا کو ختم فرمادیں۔

فقرۂ ہیجدہم :۔ معاہدۂ ہذا بعوض معاہدہ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۲ء تا فیصلہ کامل

رہے گا اور اس میں بجز رضامندی فریقین کوئی تغیر یا ترمیم نہ ہو سکے گی اور یہ متابعت شرایط مندرجہ آخر فقرہ ماسبق کسی ایک فریق کی جانب سے اس وقت تک ختم نہ کیا جا سکے گا جب تک کہ اس کے محفوظ حقوق فریق ثانی کو پابندی کے ساتھ ملحوظ رہیں اور وہ اس تاریخ سے نافذ ہوگا جو حصہ سوم قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء کے نفاذ کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود تاریخ مذکور کے قبل قانون مذکور صوبہ جات متوسط و برار میں نافذ کرنے کی غرض سے برار میں ایسی تدابیر اختیار کی جا سکیں گی جن کا قانون مذکور کی رو سے یا اس کے تحت کسی آرڈران کونسل کی رو سے اختیار دیا جائے۔

فقرہ نوزدہم:۔ قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء کی دفعہ (۶) کے احکام کا معاہدۂ ہذا پر اطلاق نہ ہوگا اور نہ وفاقی عدالت کا اختیار سماعت کسی ایسی نزاع پر حاوی ہوگا جو اس کے تحت پیدا ہو۔

فقرہ بستم:۔ معاہدہ ہذا کا کوئی امر ہز اکزالٹیڈ ہائینس کے ان حقوق پر جو ان کے علاقہ جات ماسوائے برار سے متعلق ہوں موثر نہ ہوگا اور بذریعۂ ہذا اس امر کا اظہار کیا جاتا ہے کہ قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء کے حصۂ دوم کے احکام کی رو سے جس وفاق ہند کی تجویز ہوئی ہے اس میں شرکت کے متعلق خواہ ہز اکزالٹیڈ ہائینس دستاویز کی تکمیل فرمائیں یا نہ فرمائیں اور خواہ ہز مجسٹی ایسی دستاویز قبول فرمائیں یا نہ فرمائیں بہرحال اقرار نامۂ ہذا نافذ العمل رہے گا۔"

متذکرۂ بالا دفعات معاہدہ میں برار پر اعلیٰحضرت بندگان عالی کا حق شاہی نہایت صراحت کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہے لیکن اس معاہدے کی دوسری دفعات میں اس کی بھی صراحت کر دی گئی ہے کہ صوبہ جات متوسط و برار کے نظم و نسق کی ذمہ داری گورنر صوبۂ مذکور پر عاید ہوگی جو بلا شرکت غیرے انتظامی اختیارات استعمال کرنے کا مجاز ہوگا۔ یہ مسئلہ یہاں چھیڑنا بے موقع ہوگا کہ اس معاہدے سے ریاست حیدرآباد کے مطالبات کس حد تک

پورے ہوتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اصل مطالبے کے حصول کی جانب یہ ایک قدم ہے اور اس کی اہمیت اسی میں مضمر ہے کہ اس سے صورت حالات میں ایک طرح کی جنبش پیدا ہوگئی ہے۔ لارڈ ریڈنگ نے برار کے مسئلے کو ایک امر منفصلہ قرار دے کر اس کے متعلق گفت و شنید کا دروازہ بند کردینا چاہا تھا لیکن جب سے وفاق ہندوستانی سیاست کا نصب العین بنا اس وقت سے حکومت ہند کے سامنے یہ مسئلہ آیا کہ برار کی آیندہ دستوری حیثیت کیا ہو۔ برار کو قانونی حیثیت سے کسی جدید سیاسی انتظام میں اس وقت تک شریک نہیں کیا جاسکتا تھا جب تک کہ اس علاقے کے اصلی مالک کی رضامندی نہ حاصل کرلی جائے ورنہ آیندہ دستوری الجھاؤ پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ باوجود لارڈ ریڈنگ کی ہٹ دھرمی کے بہت جلد حکومت ہند نے محسوس کیا کہ برار میں اس کی حیثیت ایک کفیل اور ٹھیکہ دار سے زیادہ نہیں ہے۔ چنانچہ پہلی گول میز کانفرنس کے وقت سے حکومت ہند کی یہ خواہش تھی کہ برار کے متعلق کوئی سمجھوتے کی شکل پیدا ہو تاکہ برار کو ممالک متوسط کے ساتھ مثل ایک صوبہ واحد کے وفاق میں شریک کیا جاسکے۔ اس تذکرے کے ساتھ وائسرائے بہادر نے یہ اعلان بھی کیا ہے کہ بہ اعتراف اقتدار اعلیٰ کے جو ہز اگزالٹڈ ہائینس کو علاقہ برار پر حاصل ہے ان کا اور ان کے خاندانی جانشینوں کا لقب آیندہ سے ہز اگزالٹڈ ہائینس دی نظام آف حیدرآباد اینڈ برار ہوگا اور شہزادہ ولیعہد دولت آصفیہ کا لقب آیندہ سے ہز ہائینس دی پرنس آف برار قرار پائے گا۔ غرض کہ اس معاہدے سے مطالبۂ برار کے ضمن میں ریاست حیدرآباد کی دستوری حیثیت بہت بہتر ہوگئی ہے اور برطانوی حکومت نے اعلیحضرت بندگان عالی کے برار کے حق ملکیت کو اس قدر صراحت کے ساتھ تسلیم کرلیا ہے کہ اب اس میں کسی شک و شبہے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اب اس کا قطعی امکان پیدا ہوگیا ہے کہ ہندوستان کی سیاست کوئی نئی کروٹ بدلے تو حیدرآباد کے واسطے ممکن و مقدور ہو کہ برار کے متعلق اپنے جائز مطالبے کو مکمل طور پر

تسلیم کرائیں اور یہ قدیم تصفیہ طلب مسئلہ عدل و انصاف کے اصول کے مطابق طے پائے۔ فرمانروائے دکن خلد اللہ ملکہ کے سامنے جو نصب العین اس باب میں رہا ہے وہ اس قدر جائز اور قرین انصاف ہے کہ ایک نہ ایک دن اس کا پایہ تکمیل کو پہنچنا یقینی ہے۔

حیدرآباد ایک ترقی پسند مملکت ہے مختلف زمانوں میں اندرونی نظم و نسق میں جن تبدیلیوں کی ضرورت لاحق ہوئی وہ ہمیشہ یہاں ہوتی رہی ہیں تاکہ رعایا کی فلاح و بہبود میں ترقی ہو۔ ہر ملک کی ترقی میں اس ملک کی دستوری زندگی کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے ضرور تھا کہ اس ضمن میں بھی حکومت سرکار عالی اپنے مخصوص مصالح کے مدنظر حالات کے اقتضا سے نیا اقدام کرتی۔ چنانچہ ۲۲ ستمبر ۱۹۳۷ء اعلیٰحضرت بندگان اقدس نے مجلس وضع قوانین کو اپنے ایک پیام فیض التیام سے سرفراز کیا جسے اس وقت کے صدر اعظم سر اکبر حیدری حیدر نواز جنگ بہادر نے مجلس کو پڑھ کر سنانے کی عزت حاصل کی۔ اس پیام کے بموجب حکومت سرکار عالی نے کمیٹی اصلاحات قائم کی جس کے ذمے یہ مسئلہ تحقیقات کیا گیا۔

"ملک کے مختلف اغراض اور حکومت کے مابین زیادہ موثر اشتراک عمل کے ایسے متبادل طریقوں کی تحقیق کرنا اور ان کے متعلق سفارشات پیش کرنا جو ریاست کے حالات اور ضروریات کے مدنظر موزوں اور قابل عمل ہوں اور جن سے حکومت رعایا کی ضروریات اور جذبات سے ہمیشہ واقف رہ سکے"۔ اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ ۳۱ اگست ۱۹۳۸ء کو محکمہ سرکار امور دستوری میں پیش کی۔ کمیٹی کی سفارشات پر حکومت سرکار عالی نے جدید دستوری اصلاحات منظور کیں۔

ان دستوری اصلاحات میں رعایا اور حکومت کے درمیان وسیع تر اشتراک عمل کے ذریعے جس اصول نمایندگی کو اختیار کیا گیا ہے وہ ہندوستان کے لیے بالکل نیا ہے۔ یہ مفاداتی نمایندگی کا اصول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ مقررہ علاقوں کی جانب سے نمایندے منتخب کیے جائیں

جیسا کہ برطانوی ہند میں ہوتا ہے مختلف پیشوں کی بنا پر اہل ملک کے طبقوں کو مقننہ کے لیئے اپنے نمایندے منتخب کرنے کا حق دیا جائے۔ مثلاً کاشتکاروں کے نمایندے کاشتکار ہوں، مزدوروں کے نمایندے مزدور ہوں اور اسی طرح وکیلوں کے نمایندے وکیل اور ساہوکاروں کے نمایندے ساہوکار ہوں۔

کمیٹی اصلاحات نے ریاست کے دستور کے لیئے جو بنیادی تصور پیش کیا اور جس کی حکومت سرکار عالی نے تائید کی یہ ہے کہ "مملکت کا صدر اپنی ذات میں عوام کی بلا واسطہ نیابت کرتا ہے اور اس کا تعلق عوام سے ساتھ نمایندہ جماعتوں کے اراکین کے تعلق کے بہ نسبت زیادہ فطری، زیادہ مستقل اور زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ ایک طرف تو (۱) "قانون سازی کے دایرے میں توثیق اور امتناع (ویٹو) کے اختیارات کا حامل ہوتا ہے اور دوسری طرف (۲) عاملانہ حکومت کے دایرے میں کابینہ کی تخلیق اور شکست کا مخصوص اختیار بھی اس کو حاصل ہوتا ہے۔ یہ اقتدار اعلیٰ دستور کی بنیاد ہے اور اس کی حفاظت ضروری ہے"

مقننہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے تناسب کے متعلق یہ طے ہوا کہ برابر رکھا جائے۔ سر علی امام مؤتمد الملک بہادر مرحوم کی صدارت عظمیٰ کے زمانے میں جب کہ راجا بہادر جی کرشنا چاری معتمدی وضع قوانین پر مامور تھے تو بندگان عالی نے یہ خواہش ظاہر فرمائی تھی کہ رعایا کی اخلاقی اور تعلیمی ترقی کے مدنظر بعض امور کی طرف خاص توجہ کی جائے۔ ان امور میں منجملہ اور مسایل کے انتخابی عنصر میں معتدبہ اضافہ، جملہ اہم طبقات اور مفادات کی نمایندگی اور اقلیتوں کا موثر تحفظ بھی شامل تھا اور ان کی نسبت تحقیقات کے لیئے رائے بالمکند آنجہانی کو مقرر فرمایا گیا تھا۔ چنانچہ آخر الذکر امر کے متعلق کمیٹی اصلاحات نے ان کی رپورٹ سے تفصیلی اقتباسات نقل کیئے ہیں۔ ایک اقتباس یہ ہے:۔

"ہندو اور مسلمان ہمارے ملک کی دو آنکھیں ہیں اور ہر شخص اس امر کو

قبول کرنے پر مجبور ہوگا کہ بوجہ ہئیت ترکیبی اس سلطنت کے مسلمانوں
کی سیاسی اور اخلاقی قوت اس سلطنت میں کبھی ہندوؤں سے کم نہیں
رہی ہے۔"

اس بنا پر رائے بالمکند نے ہندوؤں اور مسلمانوں کی نمایندگی کے لیئے پچاس پچاس کا تناسب تجویز کیا تھا اور اس کے بعد جو ذیلی کمیٹی مقرر کی گئی اور جس کے ایک رکن راجا بہادر کرشنا چاری بھی تھے اس نے بھی اس رائے کی تائید کی تھی اور خود سر علی امام مؤید الملک بہادر کی تجاویز بھی اس رائے پر مبنی تھی۔ پس کونسل نے سفارش کی کہ اب بھی وہی تناسب ان تمام نمایندہ اداروں کے اغراض کے لیئے تسلیم کر لیا جائے جو اس دستور میں نافذ کرنے کی تجویز ہے۔

کونسل کی رائے ہے کہ نشستوں کا تحفظ مفادات کی بنیاد کو قائم رکھتے ہوئے اور مشترکہ حلقہ ہائے انتخاب کی بنا پر اس شرط کے ساتھ کیا جانا چاہیئے کہ ہر مفاد میں امیدوار انتخاب اپنے فرقے کے ان ووٹوں میں سے جو دئے گئے ہوں کم سے کم چالیس فی صدی حاصل کرے۔ ممالک محروسہ کے مختلف مفادات اور حکومت کے درمیان زیادہ موثر اشتراک عمل کے ذرایع مہیا کرنے کی غرض سے مقننہ کی از سر نو تشکیل اس طرح ہوگی:۔

(الف) مقننہ کے ۴۲ ارکان حسب ذیل طریقے پر منتخب ہوں گے:۔

(۱) والیان سمستان و جاگیرداران		۴
(۲) معاش داران		۲
(۳) زراعت پیشہ		
پٹہ داران	۸	۱۶
کاشتکاران	۸	
(۴) مزدوری پیشہ مفادات		۲
(۵) صنعت و حرفت		۲
(۶) تجارت		۲

(۷) بنک کاری　۲
(۸) پیشۂ وکالت　۳
(۹) پیشۂ طبابت　۲
(۱۰) طیلسانین　۲
(۱۱) مجالس اضلاع　۴
(۱۲) اضلاع کی بلدیات اور قصباتی کمیٹیاں　۲
(۱۳) بلدیۂ حیدرآباد　۲

(ب) ارکان نامزد شدہ جن میں سے
(۱) سرکار عالی چودہ سرکاری اور چودہ غیر سرکاری ارکان کو نامزد کرے گی اور (۲) علاقہ جات حسب ذیل نمایندے نامزد کریں گے:-
(۱) صرف پائیگاہ　۳
(۲) علاقۂ پیشکاری　۱
(۳) علاقۂ سالارجنگ　۱

ارکان متذکرۂ صدر کے علاوہ ارکان باب حکومت اور صرف خاص مبارک کے ۳ نمایندے جن کو اعلیحضرت مقرر فرمائیں گے مجلس مقننہ کے ارکان ہوں گے۔

(۱) حسب ذیل امور کی بابت مجلس میں کوئی مسودۂ قانون یا تحریک یا قرارداد یا سوال یا کوئی اور کارروائی نہ تو پیش کی جاسکے گی اور نہ اس کے پیش کیئے جانے کی تحریک ہوسکے گی۔
(۱) اعلیحضرت۔ خانوادۂ آصفی اور خاندان شاہی
(۲) صرف خاص مبارک کے متعلق اعلیحضرت کے اختیارات
(۳) اعلیحضرت کے تعلقات تاج برطانیہ یا کسی دوسری حکومت، ریاست یا فرماں روا کے ساتھ جس میں اعلیحضرت اور تاج یا کسی دوسری حکومت، ریاست یا فرماں روا کے ساتھ معاہدے۔ اقرار نامے۔ میثاق یا دوسری دستاویزات بھی شامل ہیں۔
(۴) امور متعلقۂ برار

(۵) پائیگاہوں سے اعلیحضرت کے تعلقات
(۶) باب حکومت
(۷) فوج اور بہ شمول کوتوالی دوسری مسلح جمعیتیں۔ محکمۂ تحقیقات جرائم بہ شمول اسپیشل برانچ
(۸) اعلیحضرت کے تعلقات سمستانوں۔ جاگیروں اوران لوگوں کے ساتھ جن کو بربنائے سند عطیات حاصل ہوں۔
(۹) اعلیحضرت کے اختیارات موجودہ اور آیندہ عطیات کے متعلق خواہ وہ اراضی کی شکل میں ہوں یا رقم کی۔
(۱۰) اعلیحضرت کے عطا کردہ منشور
(۱۱) دربار یا ان کے آداب و مراسم۔ حکمنامۂ تقدیم۔ خطابات
(۱۲) اعلیحضرت کا اپنے کسی اختیار شاہی کو بروئے عمل لانا بہ شمول اختیار رحم و کرم۔
(۱۳) ریاست کی سرکاری زبان
(۱۴) امور مصرحۂ بالا کے منجملہ کسی امر کے متعلق تقررات یا مصارف بہ شمول ان اخراجات کے جو کسی نافذ الوقت قانون کے تحت ہوں یا جنھیں سرکار عالی نے "سیاسی مصارف" قرار دیا ہو۔ تنخواہیں اور الاؤنس، وظایف اور رعایتی ماہوارییں، ذخیرہ ادائی اور قرضۂ عامہ، سرکاری خیرات یا چندے یا مذہبی اوقاف۔
(۱۵) امور مصرحۂ بالا کے منجملہ کسی امر کے متعلق تحقیقات اور اعداد و شمار کی فراہمی
(۱۶) اس قانونچے کے کسی حکم کی ترمیم
(۱۷) کوئی اور امر جس کی اعلیحضرت صراحت فرمائیں۔
(۳) قانونچۂ ہذا کے احکام اور ان قواعد کے تحت جو اس کے ضمن میں بنائے گئے ہوں ہر رکن مجلس کو اس کا اختیار ہوگا کہ وہ کسی ایسے امر کی بابت جس کی صراحت ضمیمے میں کی گئی ہے مجلس میں کوئی مسودۂ قانون یا تحریک یا

قرارداد یا سوال یا کوئی اور کارروائی پیش کرے یا اس کے پیش کیئے جانے کی تحریک کرے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ سرکار عالی کی قبل از قبل تحریری اجازت کے بغیر اور ایسی شرایط کی تعمیل کے بغیر جو سرکار عالی اس خصوص میں عاید کرے کوئی ایسا مسودۂ قانون پیش نہ ہو سکے گا جو ریاست میں رہنے والے کسی ملت یا فرقے کے مذہبی عقاید یا رسوم کو کسی طرح متاثر کرتا ہو۔

(۳) کسی رکن مجلس کو اس کا اختیار نہ ہوگا کہ کسی ایسے امر کی بابت جس کی صراحت ضمیمۂ مذکور میں نہ ہو سرکار عالی کی قبل از قبل تحریری اجازت حاصل کیئے بغیر اور ایسی شرایط کی تکمیل کے بغیر جو سرکار عالی اس خصوص میں عاید کرے مجلس میں کوئی مسودۂ قانون یا تحریک یا قرارداد یا سوال یا کوئی اور کارروائی پیش کرے یا اس کے پیش کیئے جانے کی تحریک کرے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مصرحۂ ذیل قسم کے امور کی بابت کوئی مسودۂ قانون بجز اس کے کہ وہ سرکار عالی یا اس کے کسی رکن کی جانب سے ہو پیش نہیں کیا جا سکے گا۔

(۱) مال یا مسافروں کا ریل یا ہوا کے ذریعے نقل و حمل اور اس کے جملہ ذیلی امور جن میں اسٹیٹ ریلوے ٹیلیگراف بھی شامل ہوگا۔

(۲) اسلحہ۔ آہنی اسلحہ۔ گولہ بارود یا ایسے آتش گیر مادوں کا جن میں پٹرولیم یا دوسری مائعات اور اشیا شامل ہیں جن کو سرکار عالی خطرناک طور پر آتش گیر قرار دے قبضے میں رکھنا۔ مہیا کرنا۔ استعمال کرنا۔ جمع کرنا یا ان کا نقل و حمل۔

(۳) امن عامہ اور انسدادی نظربندی۔ احتساب اور سرکاری راز۔

(۴) ممالک محروسہ میں داخلہ یا ممالک محروسہ سے ترک وطن اور اخراج بہ شمول ایسے اشخاص کی ممالک محروسہ میں نقل و حرکت کے انضباط کے جو رعایائے سرکار عالی سے نہ ہوں۔ آبادکاری۔ حقوق وطنیت۔

(۵) جملہ عدالتوں کا آئین اور ان کی تنظیم خواہ وہ عدالتیں دیوانی یا فوجداری یا مال کی ہوں۔ جوڈیشل کمیٹی اور عدالت العالیہ کے حدود سماعت

اور اختیارات۔

(۶) عطیات اور کوئی قانونی رواج یا سلسلہ جس کا تعلق وراثت۔ تبنیت۔ تقسیم جائداد۔ انتقال جائداد سے ہو۔

(۷) معادن اور معادنی ترقی جس میں معادن کے اندر انسانی حفاظت کی تدابیر شامل ہیں۔

(۸) سرکاری بیمہ اور سرکاری بنک کاری۔ اجارے

(۹) نظم و نسق اور سرکاری ملازمت

(۱۰) مقامی حکومت جس میں ریاست کی چھاؤنیوں اور معدنی علاقوں کی مقامی حکومت بھی شامل ہے اور ایسی چھاؤنیوں اور علاقوں کی حدبندی

(۱۱) سکہ۔ سکہ سازی اور زر قانونی

(۱۲) محصول بندی جس میں مقامی محصول بندی شامل ہے مالگزاری۔ اور بندوبست۔ مصرحۂ بالا اقسام امور میں سے کسی امر کی بابت فیس۔ محصول یا صرفہ۔

(۱۳) مردم شماری

(۱۴) امور کی اور کوئی قسم جس کی اعلیحضرت صراحت فرمائیں

جدید دستور میں مقننہ کے علاوہ آئینی مشاورتی کمیٹیاں، زراعت تعلیم فینانس صنعت و حرفت صحت عامہ۔ ہندوؤں کے مذہبی اوقاف مسلمانوں کے مذہبی اوقاف اور امور مذہبی کی بابت قائم کی جائیں گی۔ یہ کمیٹیاں متعلقہ ارکان حکومت کو ایسے معاملات میں مشورہ دیں گی جو ان کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ یہ کمیٹیاں متعلقہ صدر المہام کی صدارت میں قایم ہوں گی اور سرکاری اور غیر سرکاری ارکان کی مساوی تعداد پر مشتمل ہوں گی غیر سرکاری ارکان کا مجلس وضع قوانین ہی سے لیا جانا ضروری نہ ہوگا اور نہ یہ ضروری ہوگا کہ سرکاری ارکان سررشتہ جات متعلقہ کے عہدہ دار ہوں۔ ان کمیٹیوں کو عام حکمت عملی کے مسائل، صرفہ عاید کرنے والی جملہ تجاویز، متعلقہ سررشتوں کی سالانہ

رپورٹوں اور ان سب اہم مسایل پر جو حکومت ان کو مشورے کی غرض سے روانہ کرے بحث اور اظہار رائے کا اختیار حاصل ہوگا۔ لیکن انھیں متعلقہ سررشتوں کی انتظامی تفصیلات سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ یہ کمیٹیاں تین تین سال کے لیئے مقرر کی جائیں گی اور سررشتۂ متعلقہ کے افسران ان کے معتمد ہوں گے۔
جہاں پر ضرورت ہوگی تو ان کمیٹیوں کے تحت ذیلی کمیٹیاں بھی قایم ہوسکیں گی تاکہ خصوصی نوعیت رکھنے والے امور جو ماہرانہ غور کے محتاج ہوں ان کے سپرد کیئے جاسکیں۔ صدرالمہامان متعلقہ کو جو برنائے عہدہ ایسی کمیٹیوں کے صدر نشین ہوں گے یہ اختیار ہوگا کہ وہ اپنی صوابدید پر ان امور کے علاوہ جو معمولاً کمیٹیوں کے دائرے میں داخل ہوں گے اور اس بنا پر ان کے سامنے پیش کیئے جائیں گے ایسے دوسرے امور کو بھی کمیٹیوں میں رجوع کرسکیں جن کے متعلق وہ محسوس کرتے ہوں کہ کمیٹیوں کا مشورہ ان کی سررشتہ جاتی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں معاون ثابت ہوگا۔ فینانس کمیٹی اس کی مجاز ہوگی کہ موازنے کے نوٹ پر کسی ایسی اسکیم یا تجویز پر جو نئے محصول عاید کرتی ہو یا محصولات میں اضافہ کرتی ہو، توفیر آمدنی یا تخفیف مصارف کے اہم مسایل پر ان خاص کمیٹیوں کی رپورٹوں اور سفارشات پر جنھیں معروضۂ صدر امور میں سے کسی امر پر غور کرنے کی غرض سے سرکارعالی نے مقرر کیا ہو اور معروضۂ بالا امور سے متعلق مسودات قانونی پر جن کے مقننہ میں پیش کرنے کی تجویز ہو غور، بحث اور اظہار رائے کرے بشرطیکہ وہ امور جو مقننہ کے دائرے سے خارج کردیئے گئے ہیں اس کمیٹی فینانس کے اغراض کے لیئے بھی خارج متصور ہوں۔
مقامی حکومت کے متعلق بھی اس دستور میں مزید اختیارات دیئے گئے ہیں چنانچہ اس کی رو سے ہر ضلع میں مجلس ضلع کی از سر نو تشکیل ہونی چاہیئے۔ لیکن ہر ایسے جاگیری رقبے کے لیئے جو یک جا واقع ہو اور جس کی مالگزاری کی تشخیص (مقامی محصول کو چھوڑکر) دو لاکھ یا اس سے زیادہ ہو سرکارعالی کی طرف سے علٰحدہ علاقہ یا جاگیر بورڈ قائم کیئے جائیں۔ بقیہ جاگیری رقبوں کو جہاں اس طرح علاقہ یا جاگیر بورڈ قائم نہ کیئے گئے ہوں مجلس ضلع کے رقبے میں شامل کرلینا چاہیئے

اور وہاں جو مقامی محصول وصول کیا جائے وہ جاگیردار کی طرف سے ضلع فنڈ کے حوالے کر دینا چاہیے۔ بشرطیکہ جو رقوم اس طرح وصول ہوں ان کو اخراجات کی منہائی کے بعد حتی المقدور متعلقہ جاگیر یا علاقے ہی کے فائدے کے لیئے صرف کیا جائے۔ اول تعلقدار بر بنار عہدہ مجلس ضلع کا صدر نشین ہوگا اور ہر مجلس کے ارکان کی تعداد معمولاً ۲۵ ہونی چاہیئے۔ گو ہر ضلع کے مقامی حالات کے لحاظ سے اس میں تبدیلی کی گنجایش رکھی جاسکتی ہے۔ صدر نشین کے علاوہ منتخب اور نامزد شدہ ارکان کا تناسب پانچ اور تین ہوگا۔ نامزد شدہ ارکان کی نصف تعداد بالعموم غیر سرکاری ہونی چاہیئے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی نمایندگی خواہ وہ مفادات کے نمایندہ ارکان کی حد تک ہو یا خواہ دیگر ارکان کی حد تک مناسب تبدیلیوں کے ساتھ اسی طرح ہونی چاہیئے جیسا کہ مجلس مقننہ کے لیئے تجویز کیا گیا ہے اور جہاں حلقہائے انتخاب وہی ہوں جو مقننہ کے لیئے تجویز کیئے گئے ہیں تو وہاں امیدواروں کا اور ووٹ دینے والوں کا معیار قابلیت یا ناقابلیت بھی وہی ہونا چاہیئے جو مجلس مقننہ کے لیئے مقرر کیا گیا ہے۔ علاقہ یا جاگیر بورڈ عام طور پر مجالس اضلاع کے بہ نسبت چھوٹے ہوں گے اور علاقہ یا جاگیر کے اعلیٰ عہدہ داران مال بر بنار عہدہ ان کے صدر نشین ہوں گے۔ ہر ضلع میں موزوں مقام پر معینہ تاریخوں کے اندر صوبہ دار متعلقہ کی صدارت میں ہر سال پبلک کانفرنس منعقد ہوگی تاکہ اضلاع کے لوگ اپنی ضروریات کا اظہار کر سکیں اور عرایض پیش کر سکیں تاکہ ان کانفرنسوں کے ذریعے ایک معینہ محلد رآمد کی تجدید ہو۔ ان کی نسبت تفصیلی قواعد سررشتۂ مال صوبہ داروں سے مشورے کے بعد مرتب کرے گا۔

ایسے تمام قصبات میں جن کی آبادی پانچ ہزار سے زاید اور پندرہ ہزار سے کم ہو قصباتی کمیٹیاں اور ایسے قصبات میں جن کی آبادی پندرہ ہزار سے زائد ہو یا جو اضلاع کے مستقر ہوں وہاں بلدی کمیٹیاں قائم کی جائیں۔ ہر تحصیل کے مستقر پر اور ہر بڑھتے ہوئے تجارتی قصبے میں چاہے اس کی آبادی پانچ ہزار سے کم ہی کیوں نہ ہو ایک قصباتی کمیٹی ہونی چاہیئے۔ ہر بلدی کمیٹی کے ارکان کی تعداد قصبے کے مقامی

حالات کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہے لیکن کسی کمیٹی میں چوبیس سے کم ارکان نہ ہونے چاہئیں۔ نامزد شدہ اور منتخب شدہ ارکان کی تعداد میں تقریباً پانچ اور تین کا تناسب مقرر ہونا چاہیئے۔ نامزد شدہ ارکان میں نصف سے کسی قدر زاید سرکاری ارکان ہوں گے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی نمایندگی خواہ وہ مفادات کے نمایندہ ارکان کی حد تک ہو یا خواہ دیگر ارکان کی حد تک مناسب تبدیلیوں کے ساتھ اسی طرح ہونی چاہیے جیسا کہ مجلس مقننہ اور مجالس اضلاع کے لیے تجویز کی گئی ہے۔ ہر قصباتی کمیٹی کے ارکان کی تعداد قصبے کے مقامی حالات کے لحاظ سے بدل سکتی ہے لیکن وہ دس سے کم نہ ہونی چاہیے اور ان میں سے چھ ارکان منتخب شدہ ہونے ضروری ہیں۔

ہر ایسے موضع میں جس کی آبادی ڈھائی ہزار اور پانچ ہزار کے درمیان ہو پنچایت قائم ہونی چاہیئے جسے عدالتی فرایض نہ تفویض کیئے جائیں۔ موضع کے مکان داروں کے کھلے جلسے میں پنچایت کے لیئے جتنے آدمی درکار ہوں تحصیلداران سے دگنی تعداد میں نام چن لے اور ان کی ایک فہرست مرتب کرے جس میں سے اول تعلقدار سرپنچ اور پنچوں کو منتخب کرے گا۔ جس طرح دوسرے نمایندہ ارکان میں عمل ہوگا اسی طرح پنچایتوں کے اغراض کے لیئے بھی اس اصول کا مناسب لحاظ رکھنا ضروری ہوگا تاکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی نمایندگی مساوی رہے۔ پنچایتوں کے ذمے خانگی ضرورتوں کے لیئے آبرسانی کا انتظام گاؤں کے حدود میں سڑکوں اور ریلوں کی تعمیر، نگہداشت اور درستی، صفائی اور صحت عامہ اور امور باعث تکلیف عامہ کا انسداد بدرروؤں کی تعمیر اور درستی، چراگاہوں، تالابوں اور باولیوں کی نگہداشت اور ان کے استعمال کے متعلق قواعد مقرر کرنا، میلوں۔ منڈیوں اور گاڑیوں کے اڈوں کی نگرانی۔ قبرستان اور مرگھٹ کا انتظام اور دوسرے ایسے امور کی دیکھ بھال جن سے گاؤں والوں کی صحت، سلامتی، آرام و آسایش اور سماجی یا معاشی بہبودی میں اضافہ ہوتا ہو۔

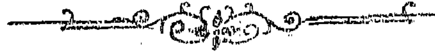
قانون بلدیہ حیدرآباد کی ان دفعات کی جو حلقہ واری بنیاد پر انتخابات سے تعلق رکھتی ہیں اس طرح ترمیم کردی جائے گی کہ وہ اس عام اساسی یعنی مفاداتی

بنیاد کے منشاء کو پورا کر سکیں جو نمایندگی کے لئے تجویز کی گئی ہے۔ بلدہ حیدرآباد کے قانون میں ترمیم حکومت سرکار عالی کے زیر غور ہے اس سے بلدیہ کی ترکیب ایسی ہو جائے گی جو دوسرے نیابتی اداروں کے لئے تجویز کی گئی ہیں۔ ترمیم قانون کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بلدیہ میں منتخب شدہ ارکان کی نامزد شدہ ارکان کے مقابلے میں حتی الامکان پانچ اور تین کے تناسب سے اکثریت قائم ہو جائے گی۔ بلاشبہہ نئے دستور کے چلانے میں مقامی عہدہ داروں پر بڑی ذمہ داری عاید ہوتی ہے اس لئے کہ مجالس اضلاع، اضلاع کی بلدیات اور قصباتی کمیٹیوں سے ان کا گہرا تعلق رہے گا۔

اس نئے دستور کے ضمن میں اعلحضرت بندگان عالی کا جو فرمان شرف صدور لایا اس میں اس کی روح کا نہایت خوبی اور جامعیت کے ساتھ ان الفاظ میں اظہار کیا گیا ہے:۔

"اس زمانے سے جب کہ آصف جاہ اول نے اس مسلم ریاست کی جو ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست ہے، بنیاد ڈالی اس کی جمیع رعایا کو بلا امتیاز فرقہ و مذہب و ملت مساوی طور پر حقوق شہری حاصل رہے ہیں اور مجھے امید ہے کہ اب ان بڑھتے ہوئے حقوق کے استعمال میں ہر ایک دوسرے کے جذبات و اغراض کے باہمی احترام کی روایات کو قائم رکھے گا اور سب اس کی شفقت آمیز حکمرانی اور سایۂ عاطفت میں اس ریاست کے لیے شانہ بہ شانہ ہو کر روبہ کار ہوں گے کیوں کہ وہی سب کا گراں قدر اور ناقابل تقسیم سرمایہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس دستور کے وضع کرنے میں جو نیت محرک رہی ہے اگر وہی اس کے روبہ عمل لانے میں کارفرما ہے تو اس میں نہ صرف موجودہ ترقی کا ایک وسیع اقدام بلکہ جیسے جیسے مرور زمانہ کے ساتھ میری حکومت اور رعایا کا تجربہ حاصل کرے گی آیندہ توسیع کے کثیر امکانات بھی پائے جائیں گے۔ مجھے امید ہے کہ دونوں میری اس نیت اور تمناؤں میں میرے شریک رہیں گے جو ہمیشہ میرے جذبات کی محرک رہی ہیں۔ توفیق ایزدی سے اپنے اقتدار اعلیٰ کے استعمال میں مجھے اپنی ریاست

کی خاطر خواہ حکمرانی کی ذمہ داری کا گہرا احساس ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس ذمہ داری کی مناسب انجام دہی میں سب کی مساعی جمیلہ اسی طرح میرے ساتھ رہیں گی جس طرح کہ مجھے اور میرے خاندان کو ہمیشہ ان کی وفاداری اور عقیدت حاصل رہی ہے۔"



نواں باب

عہد آصف جاہی میں تہذیب و تمدن کی ترقی

گزشتہ دو سو سال میں اہل دکن کی زندگی کا مرکز و محور آصفجاہی فرمانرواؤں کی ذات گرامی رہی ہے جنھیں ہمیشہ اپنے اپنے زمانے میں انتہائی مقبولیت حاصل رہی۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں یہ حکمراں جو معیار قائم کر دیتے تھے انھیں کی تقلید رعایا کرتی تھی۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا؟ آصف جاہی حکمرانوں نے اپنے آپ کو اہل دکن کی زندگی کے نشیب و فراز، ان کے رنج اور غم اور ان کی خواہشوں اور تمناؤں سے پوری طرح وابستہ رکھا۔ رعایا کے سکھ میں وہ اپنا سکھ پاتے اور رعایا کے دکھ سے دکھی ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بلا تفریق مذہب و ملت دکن کی رعایا نے ذات شاہانہ کو ہمیشہ اپنی امیدوں کا مرکز بنایا اور ہر آڑے وقت میں انھی کے سایے میں پناہ لی۔

حضرت آصف جاہ اول کے ساتھ ان کی سپاہ کو اور خاصکر تورانی سپاہ کو ایک طرح کی مذہبی عقیدت تھی جس کی وجہ سے وہ اپنی جان تک نثار کرنے میں مطلق دریغ نہیں کرتے تھے۔ اس عقیدت کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ آصف جاہ اول کا تعلق ترکستان کے ایسے خاندان سے تھا جس نے بڑے بڑے عالم اور صاحب دل

صوفی پیدا کیے اور دوسری وجہ خود آصف جاہ اول کی ذات ستودہ صفات تھی۔ ان میں بھی اپنے خاندانی علم و فضل اور وجاہت ذاتی کے جوہر بدرجۂ اتم موجود تھے۔ وہ اپنے اخلاق عالیہ سے ایک نظر میں لوگوں کے دل موہ لیتے تھے۔ چنانچہ ان کی بعض کامیابیوں کو ان کی جاں نثار اور معتقد سپاہ ان کی بزرگی اور ولایت پر محمول کرتی تھی۔ اقتدار کے ساتھ اگر فقر کی قوت بھی شریک ہو جائے تو وہ بے پناہ بن جاتی ہے اور عامۂ خلائق کی بھلائی کی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ حقیقی فقر اور سلطنت کے ڈانڈے ایک حد پر آکر مل جاتے ہیں:۔

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
وہ سپہ کی تیغ بازی یہ نگہ کی تیغ بازی

حضرت آصف جاہ اول عالم گیری دربار کی علمی صحبتیں اٹھا چکے تھے۔ وہ خود نہ صرف اعلیٰ درجے کے سپہ سالار اور قائد تھے بلکہ اس کے ساتھ ہی علم و فضل سے بھی خاص شغف رکھتے تھے اور اہل کمال کے دل سے قدرداں تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ نظم و نسق کے فرائض کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ چنانچہ اپنے جانشین کو جہاں دوسری نصیحتیں کی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ اپنے گراں مایہ اوقات کو نظم امور کے متعلق اس طرح سے تقسیم کرنا چاہیئے کہ کوئی وقت بیکار نہ جائے۔ نظم امور کے فرائض کی انجام دہی کے ساتھ فقرا اور علماء کی صحبت سے استفادہ کرتے تھے۔ شعراء سے بھی اختلاط فرماتے اور ان میں سے جو مستحق ہوتے انھیں انعام و اکرام سے سرفراز فرماتے تھے۔ طبیعت میں بذلہ سنجی بھی تھی لیکن ذوق نہایت بلند تھا۔ ایک لطیفہ مذکور ہے کہ آصف جاہ اول کے ایک درباری شریف خاں کو حقہ پینے کی بڑی لت تھی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ حقے کی طلب ہوئی اور وہ کسی بہانے سے دربار سے اٹھ کر باہر گئے اور وہاں حقہ پی کر پھر آموجود ہوئے۔ نواب آصف جاہ کو اس کا علم تھا۔ چنانچہ ایک روز بطور لطیفہ کے فرمایا کہ امت محمدی کے لوگ اگرچہ جنتی ہیں لیکن ان میں سے جنھیں حقے کی عادت ہے وہ جنت میں ضرور

آگ کے محتاج ہوں گے۔ بہشت میں یوں کہ آگ نہیں ملے گی اس لیے انھیں دوزخ سے جاکر آگ لانی پڑے گی شریف خاں بڑا حاضر جواب شخص تھا۔ تقصیر بجا لاکر ان سے عرض کیا کہ حضور کے خادموں کو یہ زحمت نہیں کرنی پڑے گی اس واسطے کہ حضور کے حقہ کے لیے جو انگیٹھی تیار ہوگی اس میں سے دو چار انگارے چلم کے لیے مل سکیں گے۔ آصف جاہ اس جواب سے بہت محظوظ ہوئے۔

اگرچہ آصف جاہ اول دینی احکام کے سختی سے پابند تھے لیکن دوسرے مذہب والوں کے ساتھ انتہائی رواداری کا برتاؤ کرتے تھے۔ دوسرے مذہب کے جن لوگوں نے ان کے مقاصد کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کیا ان کی انھوں نے قدر افزائی فرمائی۔ انسانی قدر کا معیار اس کی وفاداری اور خلوص تھا نہ کہ اس کا مذہب۔ چنانچہ ان کے عہد میں بعض ہندو حکومت کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز رہے منشی منسا رام ان کی پیشی میں تھے اور ان پر آصف جاہ کو انتہا درجے کا اعتماد تھا۔ چنانچہ انتقال کے وقت جو وصیت فرمائی وہ منسا رام ہی نے لکھی۔ حکومت کے کاروبار میں ہندو مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے۔ مالگزاری کا نظم و نسق تو زیادہ تر انھیں کے ہاتھ میں تھا۔ دونوں فرقوں میں محبت و اعتماد کا تعلق قائم تھا۔ اسی تعلق کی مضبوط بنیادوں پر مملکت آبادیت کا قیام و استحکام عمل میں آیا۔ حضرت آصف جاہ اول کے بعد ان کے جانشینوں نے علم و فضل کی قدر دانی اور رواداری کی روایات کو برقرار رکھا جو بحمد اللہ آج تک برقرار ہیں۔

نواب ناصر جنگ، نواب صلابت جنگ اور نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے عہد حکومت میں جو آصف جاہی حکومت کا پہلا دور ہے تقسیم اعزاز و مناصب میں مذہب و ملت کا کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ افراد کی وفاداری اور کارگزاری ان کے استحقاق کا معیار قرار پائی اور آج تک اسی پر عمل ہو رہا ہے۔ آصفجاہی حکمرانوں نے نہ صرف وزراء اور امراء کے ساتھ بلکہ رعایا کے ساتھ براہ راست تعلقات برقرار رکھے جس کی وجہ سے رعایا کو ان کے ساتھ

ہمیشہ وابستگی رہی۔

نواب ناصر جنگ کو شعر و شاعری کا ذوق اپنے والد ماجد سے ورثے میں ملا تھا۔ آفتاب اور ناصر تخلص کرتے تھے۔ فارسی میں مرزا صائب کا تتبع کرتے تھے جس کی نسبت کئی جگہ اظہار بھی کیا ہے۔ ان کی سخن فہمی کا تذکروں میں ذکر ہے۔ فارسی کے علاوہ اردو میں بھی شعر کہتے تھے۔ نواب صلابت جنگ اور نواب میر نظام علی خاں آصف جاہ ثانی نے اہل کمال کی سرپرستی فرمائی اور شعر و سخن کو دکن کی سرزمین میں خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ اس عہد کے شعرا میں شاہ سراج اورنگ آبادی، نواب درگاہ قلی خاں سالار جنگ درگاہ، میر نوازش علی خاں شیدا، تجلی علی شاہ تجلی، داؤد اورنگ آبادی، مرزا علی تقی نقد علی خاں ایجاد، میر عبدالحی خاں صمصام الملک صارم، لچھمی نارائن شفیق اور خواجہ ابو طالب خاں آشفتہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آصف جاہی دور کے شروع میں شعر و سخن کی محفلیں اورنگ آباد میں منعقد ہوا کرتی تھیں جن میں اہل کمال داد سخنوری حاصل کرتے تھے۔ نواب میر نظام علی خاں کے عہد میں جب بھاگ نگر (حیدر آباد) کے بھاگ جاگے تو اہل کمال کھنچ کھنچ کر بلدۂ فرخندہ بنیاد کی طرف آنے لگے۔ ممالک محروسہ کے باہر سے بھی بعض اہل کمال نے دکن کا رخ کیا۔ میر غلام علی آزاد، غلام علی خاں ارشد، ملا باقر شہید اور نورالعین واقف باہر سے آنے والوں میں سے قابل ذکر ہیں جنھوں نے سرزمین دکن کو اپنا وطن بنایا۔

شعر و سخن کے علاوہ تاریخ نویسی کو بھی آصف جاہی حکومت کے ابتدائی دور میں کافی ترقی ہوئی منعم خاں کی سوانح دکن، یوسف محمد خاں کی تاریخ فتحیہ اور منشی منسارام کی مآثر نظامی حضرت آصف جاہ اول کی ہمعصر تاریخیں ہیں۔ ضابطہائے حضور پر نور میں منشی منسارام نے حضرت آصف جاہ اول کے دربار کے آداب و رسوم کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ نواب صلابت جنگ اور نواب میر نظام علی خاں کے عہد میں محمد علی الحسینی نے تاریخ راحت افزا لکھی جس میں نواب ناصر جنگ کے ارکاٹ اور جنجی کی مہموں کے چشم دید واقعات

بیان کیئے گئے ہیں۔ میر غلام علی آزاد نے "سرو آزاد" شاہ نواز خاں صمصام الدولہ نے "مآثر الامرا" اسی زمانے میں لکھی۔ آخر الذکر تصنیف میں مغل امرا کے حالات حروف تہجی کے لحاظ سے مرتب کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب نہایت اہم اور مفید معلومات کا خزانہ ہے۔ لچھمی نارائن شفیق کی "حقیقت ہائے ہندوستان" "بساط الغنائم" "مآثر آصفی" اور "مآثر حیدری" اسی زمانے کی کتابیں ہیں۔ تجلی علی شاہ کی "توزک آصفیہ" مرزا ابو تراب کی "حدیقۃ العالم" اسی عہد کی مفید تاریخیں ہیں۔ اس کے بعد غلام حسین جوہر کی "گلزار آصفیہ" لکھی گئی۔

آصف جاہی حکمرانوں کے دوسرے دور میں (نواب سکندر جاہ سے لے کر نواب افضل الدولہ تک) بھی شعر و سخن کی دلچسپیاں موجود تھیں۔ اس عہد کے مشہور شعرا میں مہاراجا چندو لال شاداں، میر شمس الدین محمد فیض، راجہ گردھاری پرشاد باقی اور سید معین الدین شاہ خاموش خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شاہ خاموش شاعر سے زیادہ صوفی صافی کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔ جن کے روحانی تصرفات سے مخلوق خدا کو فیض حاصل کرنے کا موقع ملا۔

شاہی خاندان کے علاوہ طبقۂ امرا نے بھی علم و فن کی سرپرستی میں ہمیشہ دل کھول کر حصہ لیا۔ محمد فخر الدین خاں شمس الامرا امیر کبیر کو سائینٹفک اور میکانکی علوم سے خاص شغف تھا۔ شمس الہندسہ اور رسالۂ شمسیہ انھیں کی تصانیف ہیں۔ نواب شمس الامرا ثانی کی ان تصانیف میں ریاضی، مساحت، ہندسہ، ہیئت، جرثقیل، مقناطیس اور کیمیا کے موضوعوں پر اردو میں پہلی مرتبہ بحث کی گئی۔ نواب شمس الامرا نے ترجمہ و تالیف کے لیئے ایک باقاعدہ حلقہ قائم کر لیا تھا جس کی طرف سے تقریباً پچاس کتابیں مرتب کی گئیں مختلف علوم و فنون کی اصطلاحات کے ترجمے کیئے گئے جن کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ ان جدید علوم و فنون کی تعلیم کے لیئے ایک درسگاہ (مدرسہ فخریہ) بھی قائم کی گئی تھی۔ نواب شمس الامرا نے انگلستان اور یورپ کے دوسرے ملکوں سے نہایت قیمتی سائینٹفک آلات منگائے تاکہ اپنے علمی ذوق کی تکمیل کر سکیں۔ فن تاریخ

یں اس زمانے میں غلام امام خاں نے "تاریخ خورشید جاہی" اور "تاریخ رشید الدین خانی" اُردو زبان میں لکھیں۔ یہ کتابیں بھی امرائے پائیگاہ کی سرپرستی میں لکھی گئیں۔

آصف جاہی عہد کے شروع ہی سے دکن میں اورنگ آباد اور حیدرآباد زبردست علمی مرکز تھے۔ جہاں عالموں اور باکمال لوگوں کا مجمع رہا کرتا تھا۔ آصف جاہی حکمراں ان علما کی سرپرستی فرماتے تھے۔ بالعموم مساجد اور خانقاہوں میں چھوٹی چھوٹی درسگاہیں ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی تھیں جن کے لیئے بڑے بڑے وقف موجود تھے تاکہ ان کے اخراجات کی پابجائی ہو سکے بعض علمائے ذاتی طور پر علم کی نشر و اشاعت کے لیئے مدرسے قائم کر رکھے تھے چنانچہ اورنگ آباد میں مولوی شمس الدین کا مدرسہ[1] اور شیخ الاسلام خاں کا مدرسہ مشہور تھے جہاں علم کے جویا اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ اسی طرح حیدرآباد میں مولوی ثعلب عالم کا مدرسہ اور مولوی نور العلی کا مدرسہ شہرت رکھتے تھے۔ آخرالذکر مدرسے کو حیدرآباد کے طبقۂ امرا میں خاصی مقبولیت حاصل تھی[2]۔ گلزار آصفیہ کے مصنف غلام حسین بھی اسی درسگاہ کے فارغ التحصیل تھے۔ ان درسگاہوں کے علاوہ بعض ایسے مدرسے بھی تھے جو سرکاری نوعیت رکھتے تھے مثلاً مقبرۂ رابعہ دورانی کی درسگاہ جہاں آصف جاہ اول نے شیخ الاسلام خاں کو تعلیم دینے کے لیئے مقرر کیا تھا لیکن بعد میں وہ اورنگ آباد کے قاضی مقرر کر دیئے گئے۔ قاضی ہو جانے کے بعد خانگی طور پر اپنا مدرسہ کھول لیا تاکہ تعلیم دینے کا سلسلہ جاری رہے۔ حیدرآباد میں مکہ مسجد میں ایک سرکاری درسگاہ تھی جس کے اخراجات کی پابجائی حکومت کی طرف سے کی جاتی تھی۔ امرا بھی بعض خانگی درسگاہوں کی سرپرستی کرتے تھے۔

نواب میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس کے دورِ حکومت میں (جسے آصف جاہی حکومت کے تیسرے دور کی ابتدا کہا جا سکتا ہے) علم و فن

---

[1] گلزار آصفیہ صفحہ ۳۶۸

[2] گلزار آصفیہ صفحہ ۳۶۹

اور شعر و سخن کی قسمت جاگ اٹھی۔ اعلیٰحضرت مرحوم خود آصف تخلص فرماتے تھے۔ شعر و سخن کے قدرداں تھے۔ دکن کے باہر کے بعض باکمال اس زمانے میں حیدرآباد آئے جن میں فصیح الملک داغ اور امیر احمد امیر مینائی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ داغ کو اعلیٰحضرت مرحوم کی استادی کا شرف حاصل ہوا۔ اس عہد کے دکن کے شعرا پر داغ اور امیر کے طرز بیان اور ان کی زبان کا بڑا گہرا اثر ہوا۔

شعر و سخن کے علاوہ علوم کی خدمت کے لیے سررشتۂ علوم و فنون قائم ہوا تاکہ اردو زبان میں مختلف علوم کی کتابیں شایع کی جائیں۔ چنانچہ سلسلۂ آصفیہ کے مختلف تراجم و تصانیف اسی سررشتے نے شایع کیں۔ مولانا شبلی نعمانی اس محکمے کے ناظم مقرر ہوئے اور سید علی بلگرامی نے اس محکمے کی تنظیم میں خاص دلچسپی ظاہر کی۔ دائرۃ المعارف قائم کیا گیا تاکہ عربی زبان کی اعلیٰ پایے کی علمی کتب شایع کی جائیں۔ دائرۃ المعارف کی شایع کی ہوئی کتابیں ہندوستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں بڑی قدر کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔

نواب میر محبوب علی خاں کو رعایا میں بے حد ہردلعزیزی حاصل تھی۔ آپ پر عوام الناس کو اس قدر اعتقاد تھا کہ آپ کے عمل سے سانپ کا اثر زائل ہو جاتا تھا۔ آپ کا حکم تھا کہ اگر کسی کو سانپ کاٹ لے تو چاہے کوئی وقت ہو اس کو رسائی ملنی چاہیے۔ چنانچہ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ رات میں جس وقت آپ سو رہے تھے تو حسب حکم آپ کو بیدار کیا گیا۔ ہزاروں لوگوں نے اپنے اعتقاد کی بدولت اعلیٰحضرت مرحوم کے اس خداداد تصرف روحانی سے فائدہ اٹھایا۔ اس طرح رعایا کے افراد کو ذات شاہانہ تک براہ راست رسائی حاصل کرنے کا بھی موقع ملتا تھا۔

سنہ ۱۹۰۸ء میں جو زبردست طغیانی آئی اس میں بے تعداد جانیں ضایع ہوئیں اور ہزاروں مکان گر گئے۔ شہر کا سب سے زیادہ گنجان حصہ جو نئے پل کے آس پاس واقع تھا سب سے زیادہ متاثر ہوا۔ اعلیٰحضرت مرحوم

مخلوق کی اس پریشانی سے بہت رنجیدہ تھے مصیبت زدہ لوگوں کے رہنے کے لیئے انتظامات کرائے۔ پانچ باورچی خانے مسلمانوں اور پانچ ہندوؤں کے لیئے جاری کیئے گئے۔ رعایا کی دلجوئی کے لیے اعلیحضرت مرحوم بنفس نفیس موٹر پر سوار ہو کر نئے پل تشریف لائے۔ طوفان بڑے زور و شور پر تھا۔ موٹر طوفان میں پھنس گئی۔ لیکن اعلیحضرت مرحوم کے وقار و تمکین کی پیشانی پر ذرا سا بھی بل نہ آیا۔ مصیبت زدہ لوگوں کے رہنے کے لیئے شاہی قصر و ایوان کھلوا دیئے گئے۔ تاکہ جب تک ان کے مکان تعمیر ہوں وہاں رہیں۔ تقریباً پچاس لاکھ روپیہ ان مصیبت زدہ لوگوں کی دستگیری میں صرف کیئے گئے۔ رعایا دل سے محسوس کرتی تھی کہ ان کا حکمراں ان کے رنج و غم میں ان کا شریک ہے جس کے باعث مخلوق کی ہمت افزائی ہوئی۔ اعلیحضرت مرحوم کی فیاضی اور دریا دلی جو ہمیشہ سے ضرب المثل تھی طغیانی کے موقع پر اس کا اور بھی اظہار ہوا۔ چنانچہ اعلیحضرت مرحوم نے خود فرمایا ہے:۔

آصف کو جان و مال سے اپنے نہیں دریغ
گر کام آئے خلق کی راحت کے واسطے

علم و فن اور شعر و سخن کی سرپرستی کی قدیم آصف جاہی روایات موجودہ اعلیحضرت میر عثمان علی خاں خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کے عہد ہمایونی میں جاری و ساری ہیں۔ اعلیحضرت بندگان اقدس فارسی اور اردو کے اعلیٰ پایہ کے شاعر ہیں اور عثمان تخلص فرماتے ہیں۔ آپ کے کلام کو ملک میں خاص مقبولیت حاصل ہے۔ آپ نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل سے مشورۂ سخن لیتے ہیں جو امیر مینائی مرحوم کے شاگرد اور جانشین ہیں اور غزل کے مسلم صاحب طرز استاد مانے جاتے ہیں۔ عہد عثمانی میں شعر و سخن کو سرزمین دکن میں خوب ترقی کا موقع ملا چنانچہ اس عہد کے مشہور شعرا میں شاہزادہ والاشان جنرل نواب معظم جاہ بہادر شجیع مہاراجہ کشن پرشاد آنجہانی المتخلص بہ شاد نواب لطف الدولہ مرحوم لطف نواب معین الدولہ مرحوم معین نواب تراب یار جنگ سعید اور احمد حسین امجد خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اعلیحضرت کے ذوق سخن گستری کا اہل ملک کے ادبی

مذاق پر نہایت اچھا اثر پڑا ہے اور حیدرآباد نے اردو کی ادبی دنیا میں ایک خاص مقام حاصل کر لیا ہے۔

شعر و سخن سے دلچسپی کے علاوہ حضرت بندگان اقدس کو فطرت سے سنجیدہ علمی ذوق بھی ودیعت ہوا ہے۔ عربی فارسی اور اردو کے علاوہ انگریزی زبان کے علوم پر آپ کی نظر ہے۔ چنانچہ سلطان العلوم کا لقب آپ کو جیسا زیب دیتا ہے شاید ہی کسی دوسرے حکمران کو زیب دیتا ہو۔ آپ کے عہد کا سب سے درخشاں کارنامہ جامعۂ عثمانیہ کا قیام ہے جس کی بدولت آپ نے اردو زبان کی مسیحائی فرمائی جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گی۔ ایک زمانہ تھا جبکہ زبان کی خدمت شعر و سخن تک محدود تھی لیکن اب زندگی کے تقاضے دوسرے ہیں۔ آج کوئی زبان اس وقت تک متمدن زبانوں کی صف میں جگہ پانے کی مستحق نہیں خیال کی جا سکتی جب تک کہ اس میں علمی مطالب ادا کرنے کی پوری صلاحیت نہ موجود ہو۔ ہندوستان میں ایک غیر زبان کے ذریعے تعلیم دینے کی حکمت عملی پر جب سے حکومت ہند نے عمل کیا اس وقت سے دیسی زبانوں کی نشوونما بڑی حد تک رک گئی۔ حضرت بندگان اقدس کی دوربین نظر نے ان تمام نقائص کو تاڑ لیا جو ایک غیر زبان میں تعلیم دینے سے نوجوانوں کی ذہنیت پر لازمی طور پر مترتب ہوتے ہیں اور جو ہمارے نظام تمدن و معاشرت اور قوائے دماغی و جسمانی کو اندر ہی اندر گھن کی طرح کھائے جاتے ہیں۔ چنانچہ سر اکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ کے معروضے پر جو اس وقت معتمد تعلیمات تھے اعلیٰحضرت حکیم السیاست نے ۱۹۱۷ء میں فرمان صادر فرمایا جس میں اہل ملک کے لیئے ایک جدید یونیورسٹی اور اس کے اصول تعلیم کی صراحت فرمائی گئی۔ فرمان میں ارشاد ہوا ہے:۔

"مجھے بھی عرضداشت اور یادداشت کی مصرحہ رائے سے اتفاق ہے کہ ممالک محروسہ کے لیئے ایک ایسی یونیورسٹی قائم کی جائے جس میں قدیم و جدید مشرقی و مغربی علوم و فنون کا امتزاج اسی طور سے کیا جائے کہ موجودہ نظام تعلیم کے نقائص دور ہو کر جسمانی اور دماغی اور روحانی تعلیم کے قدیم و جدید طریقوں کی

خوبیوں سے پورا فائدہ حاصل ہو سکے۔ اور جس میں علم پھیلانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ ایک طرف طلبہ کے اخلاق کی درستی کی نگرانی ہو اور دوسری طرف تمام علمی شعبوں میں اعلیٰ درجے کی تحقیق کا کام جاری رہے۔"

"اس یونیورسٹی کا اصل اصول یہ ہونا چاہیے کہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ ہماری زبان اردو قرار دی جائے اور انگریزی زبان کی تعلیم بھی بہ حیثیت ایک زبان کے ہر طالب علم پر لازمی گردانی جائے۔ لہذا میں بہت خوشی کے ساتھ اجازت دیتا ہوں کہ میری تخت نشینی کی یادگار میں اصول محولۂ عرضداشت کے موافق ممالک محروسہ کے لیے حیدرآباد میں یونیورسٹی قائم کرنے کی کارروائی شروع کی جائے۔ اس یونیورسٹی کا نام عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد ہوگا۔"

جامعۂ عثمانیہ میں اردو زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا جو ہندوستان کی قومی زبان ہے اور بلا امتیاز مذہب و ملت ملک کے ہر گوشے میں لوگ اسے بولتے اور سمجھتے ہیں۔ یہ زبان ایک مشترک ورثہ ہے جو ابنائے وطن کو اپنے آبا و اجداد سے ملا ہے۔ اور جو بقول سر تیج بہادر سپرو "ناقابل تقسیم ہے"۔ "تعلیمی نفسیات کے ماہروں کے ہاں یہ امر مسلم ہے کہ کسی قوم کی اخلاقی اور دماغی ترقی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ وہ قوم خود اپنی مادری زبان کو حصول علم کا ذریعہ نہ بنائے بحمد اللہ کہ جامعۂ عثمانیہ کا تجربہ توقع سے زیادہ کامیاب ہوا! اور گزشتہ پچیس سال میں اس جامعہ کے فرزندوں نے مختلف شعبہ ہائے علم و فن میں جو شہرت حاصل کی وہ ان اصول تعلیم کے صحیح ہونے کی ضمانت ہے جو اس جامعہ میں رائج کیے گئے ہیں۔ ان اصول کی کامیابی کی ایک اور بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ ہندوستان کے دوسرے حصوں میں آج ان کی تقلید کی جا رہی ہے۔ اس جامعہ کے سررشتۂ تصنیف و تالیف (دارالترجمہ) نے مختلف علوم و فنون کی تقریباً چار سو مستند کتابوں کا اردو میں ترجمہ شائع کیا ہے جس سے اردو کی علمی تہی مائیگی بڑی حد تک رفع ہو گئی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جدید سائنٹفک علوم و فنون کے اعلیٰ معیار کو اردو میں قائم کرنا ابھی دشوار ہے لیکن کون سی دشواری ہے جو عزائم کے سامنے اس طرح

فنا نہ ہوگئی ہو جیسے سورج کی روشنی میں گہر۔
جامعہ عثمانیہ اس وقت دکنی تہذیب کا مرکز ہے۔ ذات شاہانہ کے بعد غالباً یہ ادارہ ہی اہل دکن کی زندگی کے مختلف شعبوں کی تشکیل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ گزشتہ پچیس سال میں طلبائے جامعۂ عثمانیہ نے جس قوت عمل کا ثبوت دیا ہے اس سے آیندہ کے لیئے اور زیادہ امید بندھتی ہے ان نوجوانوں کی سرگرمیوں کا نتیجہ ہے کہ گزشتہ ربع صدی کو ہم اہل دکن کی نشاۃ ثانیہ کا عہد قرار دیں تو صحیح ہوگا۔
اہل دکن کی گزشتہ دوسو سال کی تہذیب میں ایک نمایاں خصوصیت یہ نظر آتی ہے کہ یہاں رعایا کے مختلف طبقوں اور فرقوں میں ایسا ارتباط و اتحاد موجود رہا جو دوسری جگہ نایاب ہے۔ آصف جاہی حکمرانوں نے تقسیم اعزاز و مناصب میں مذہب و ملت کا فرق کبھی روا نہیں رکھا۔ ہندوؤں کے مندروں اور دھرم سالاؤں کی تعداد جنھیں سرکاری امداد ملتی ہے مساجد سے زیادہ ہے۔ اور درگاہوں کے مقابلے میں مندر و مٹھوں کے لیئے معافیاں زیادہ ہیں۔ رواداری کی یہ ایک بصیرت افروز مثال ہے جس سے سارا ہندوستان سبق لے سکتا ہے۔
یہی وجہ ہے کہ آصف جاہی حکمرانوں کو اپنی ہندو رعایا میں بھی ہمیشہ وہی مقبولیت حاصل رہی جو مسلمان رعایا میں۔ اتحاد و یگانگت کا نرم و نازک پودا رواداری کی فضا ہی میں نشو و نما پا سکتا ہے۔ حیدرآباد میں کچھ عرصے قبل تک تو یہ حال تھا کہ باہر سے آنے والے کو اس کا بھی پتا نہیں چلتا تھا کہ کون ہندو ہے اور کون مسلمان۔ معاشرت میں بڑی حد تک یکسانیت پائی جاتی تھی۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ اس وقت دکن کی یہ سلطنت ابد مدت سلطنت مغلیہ کی تہذیب و تمدن کی واحد وارث ہے۔ اس میراث کو صحیح و سالم برقرار رکھنا ہر دکنی کا فرض عین ہونا چاہیئے۔
آصف جاہی عہد میں دکن میں تجارت اور صنعت و حرفت کو بھی کافی فروغ حاصل ہوا جس کی وجہ سے ملک میں خوشحالی پھیلتی ہے اور تمدن و تہذیب کے مشاغل کو فروغ حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے حضرت آصف جاہ اول

نے جب دکن میں باقاعدہ حکومت قائم کی تو اس وقت یہ تمام علاقہ افراتفری میں مبتلا تھا۔ نہ کسی کی جان محفوظ تھی اور نہ کسی کا مال محفوظ تھا۔ آصف جاہی عہد میں تجارت کے لیئے ہر قسم کی سہولتیں فراہم ہوئیں اور ملک کی دولت میں اضافہ ہوا۔ حضرت آصف جاہ اول کے انتقال کے بعد انگریزوں اور فرانسیسیوں نے جنوبی ہند کے معاملات میں عمل دخل حاصل کیا۔ بالآخر ان دونوں قوموں کی سخت کشمکش کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریز کامیاب ہوئے اور انھوں نے ہندوستان کی تجارت اپنے قابو میں کر لی اور ہندوستان کے دوسرے حصوں کی طرح دکن میں بھی اپنی کوٹھیاں قائم کر لیں۔ اہل دکن قدیم سے دستکاری میں شہرت رکھتے تھے۔ آصف جاہی حکومت کی بدولت رعایا کو جو امن و امان نصیب ہوا اس سے دکن کی صنعت و حرفت کو ترقی ہوئی۔ ورنگل کے قالین، اورنگ آباد کا ہمرو، مشروع، کمخواب اور جامہ وار، بیدر کے ظروف، نانڈیڑ کا سوتی کپڑا اور خوشنما سیلے اور پٹن (پیٹھان) کے ریشمی کپڑے اور زرتار ساڑیوں کی ہمیشہ سے باہر مانگ رہی۔ انگریز تاجر باہر کا سامان دکن لانے لگے اور یہاں کا بیشتر سامان باہر لے جانے لگے۔

پچھلے پچیس سال میں شاہانہ سرپرستی سے ملکی صنایع کی خاص طور پر ترقی ہوئی۔ عہد عثمانی میں حکومت کی طرف سے متعدد کارخانے تجارتی کھادی، ہمرکینی، طباعت، قالین بافی، شطرنجی بافی وغیرہ کے قائم کیئے گئے جو بعض ملکی صنعتیں ناقدری کی وجہ سے بالکل دم توڑ رہی تھیں از سر نو زندہ ہو گئیں۔ ان میں سنگاریڈی کے ریشمی کپڑے، بیدر کے ظروف، کریم نگر کا چاندی سونے کے تار کا کام اور زردوزی، لنگم پیٹ کے پیتل کے برتن، دولت آباد کا کاغذ، اورنگ آباد کا ہمرو، مشروع اور الاچہ، ویلور کنڈہ اور چریال کے رومال، ساڑیاں اور دھوتیاں، نانڈیڑ کے سیلے وغیرہ کی قدیم اور مشہور صنعتیں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ رعایا کے ذاتی سرمایہ سے جو چھوٹی چھوٹی صنعتیں چل رہی ہیں انھیں سرکاری امداد دی گئی۔ ان میں لوہے کے کارخانے، بٹن کے کارخانے، رنگ و روغن اور پالش کے کارخانے، تانبہ، چینی، شیشہ اور سیمنٹ کے کارخانے جن میں تقریبا

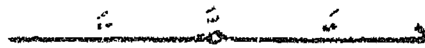
پندرہ لاکھ ٹن سیمنٹ سالانہ تیار ہوتی ہے کشید ادویہ، انگریزی و یونانی کے کارخانے سگریٹ اور صابون کے کارخانے شامل ہیں محکمہ صنعت وحرفت ہر ممکن طریقے سے گھریلو صنعتوں کی ترقی کے لیئے امداد کرتا ہے۔

اس وقت ممالک محروسہ میں چھ کپڑے کے بڑے کارخانے کام کر رہے ہیں۔ اورنگ آباد ملز، اعظم جاہی ملز، رام گوپال ملز، محبوب شاہی ملز، عثمان شاہی ملز اور حیدرآباد اسپننگ اینڈ ویونگ ملز۔ ان میں مجموعی طور پر تقریباً ۶ لاکھ روپے سالانہ کا کپڑا تیار ہوتا ہے۔ اب تک صنعتوں میں جو ترقی ہوئی ہے وہ امید افزا ہے۔ لیکن ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ در اصل اس زمانے میں کسی ملک کی قوت کا راز اس کی صنعتوں میں پوشیدہ ہے۔ حیدرآباد کے معدنی ذرایع کے متعلق ابھی بہت کچھ چھان بین اور تحقیقات کی ضرورت ہے تاکہ انھیں ملک کی صنعتی ترقی کے لیئے سائنٹفک اصول پر استعمال کیا جاسکے حیدرآباد میں ابھی صنعتی ترقی کے لیئے وسیع میدان کھلا ہوا ہے۔ جس طرح ہندوستان کی معیشت اس زمانے میں ایک نیا چولا بدل رہی ہے اسی طرح حیدرآباد کی معیشت میں بھی غیر معمولی تبدیلیاں وقوع پذیر ہورہی ہیں۔ جن کا اثر بہت دور رس ثابت ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کے دوسرے حصوں کی طرح حیدرآباد بھی زیادہ عرصے تک ان عالمگیر معاشی قوتوں سے بے نیاز نہیں رہ سکتا جن کے اثرات سے دنیا کا کوئی گوشہ محفوظ نہیں مملکت حیدرآباد کے لیئے ضروری ہے کہ اپنے سیاسی اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے صنعتی اعتبار سے قوی ہو ورنہ دوڑ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائے گی۔ خوشی کی بات ہے کہ حیدرآباد کے ارباب حل وعقد اور یہاں کے صاحبان فکر کو ان تمام حقایق کا قوی احساس ہے اور وہ زمانے کی رفتار سے بیگانہ نہیں ہیں۔

حیدرآباد کی تہذیب کی اصلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک طرح کی اشتراکی تہذیب ہے جس کی ساخت میں اس کے مختلف عناصر برابر کے شریک رہے ہیں اور آصف جاہی حکمرانوں نے ان سب عناصر کی خصوصیات کو برقرار رکھنے اور ان کی حفاظت کرنے میں تمام تر مساعی صرف کی ہیں۔ یہی

وجہ ہے کہ رعایا کے دل میں یہاں کے حکمراں کے ساتھ ہمیشہ سے جذبۂ وفاداری موجود رہا اور آج بھی موجود ہے۔ وفاداری کا جذبہ وہیں نشوونما پاتا ہے جہاں عدل و انصاف کی سازگار فضا میسر آئے۔ جس مملکت میں انصاف نہیں وہاں وفاداری کی توقع کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ دولت آصفیہ کی رعایا اور حکمراں کے درمیان یہ جذباتی تعلق ایک نہایت ہی قابل قدر چیز ہے جس کو برقرار رہنا چاہیئے۔ ذات شاہانہ ہی وہ اتصالی کڑی ہے جو اس ملک کے مختلف عناصر کو ایک دوسرے سے قریب لاتی اور انھیں جوڑتی ہے۔ اس ملک کا حکمراں صحیح معنوں میں قومی حکمراں ہے اور اسے اپنی رعایا کے ہر طبقے کی بلا لحاظ مذہب وملت وفاداری حاصل ہے۔ دکنی تہذیب کا مرکزی نقطہ خود ذات شاہانہ ہے جو اپنے ملک کے مختلف عناصر کو خلقی کشش کے باعث اپنی اپنی جگہ پہ متوازن حیثیت سے قائم و برقرار رکھتا ہے۔ آصف جاہی حکمراں اب تک برابر اپنی رعایا کی رہبری کا فرض بخوبی انجام دیتے رہے ہیں اور امید ہے کہ آیندہ بھی انجام دیتے رہیں گے تاکہ اس سلطنت ابد مدت کی مادی اور اخلاقی نشوونما جاری رہے اور رعایا کی خوشحالی میں دن دونی ترقی ہو۔





صحت نامہ

تاریخ دکن (عہد حالیہ)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۱۱	۱۰	بیتی	بہنی
۱۸	۵	بپھا	بپا
۲۵	۱۳	تل	بل
۲۶	۱۲	بیچ	پیچ
۳۲	۱۸	ہر	ہیر
۳۷	۶	کی تھمی	سکی گتھی
۴۳	۱۴	لئی	لی
۴۴	۴	یر	پر
″	۸	تو	نو
″	۱۰	جنب	جب
۴۵	۷	زناہم	نظاہم
۶۰	۸	وسئے	دیئے
″	۲۰	نمٹنا	نبٹنا
۶۵	۲۱	آیادہ	آمادہ
۱۰۰	۲	اور.اور	اور
۱۰۴	۸	بیئے	سئے

۱۱۰	۱۰	سے	لیے
۱۲۵	۱	پانچواں	پانچواں
۱۳۰	۹	کک	اک
۱۳۴	۱۶	وج	فوج
۱۶۱	حاشیہ سطر ۱	خورشید باہی	خورشید جاہی
۱۶۸	۳	۱۸۰۱ء	۱۸۰۳ء
۱۷۴	۱۵	انگرزی	انگریزی
۱۷۴	۱۱	یالی	پالی
″	۱۷	ساجبا	راجا
″	۲۵	جداجبا	راجا
۱۸۱	۱۳	قمیل	تکمیل
۲۱۷	۱۷	کیسنٹ	کیبنٹ